سوال وجواب

کتاب وسنّت کی روشنی میں

بین الاقوامی اردو روزنامہ 'اردو نیوز' جدہ (سعودی عرب) میں اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جوابات، مختصر لیکن جامع، حوالہ جات کا اہتمام، زبان سہل و عام فہم، عوام و خواص کیلئے یکساں مفید اور زندگی کیلئے بہترین رہنما

تالیف

صاحبزادہ مولانا قاری عبدالباسط صاحب
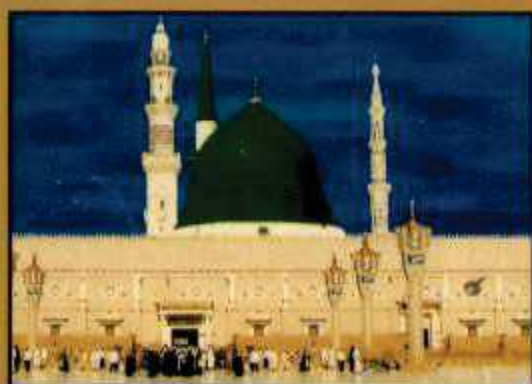
مقیم جدہ۔ سعودی عرب

تقاریظ

مفتی جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری مدظلہم
شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
مفتی دارالعلوم وصدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

مولانا محمد سالم صاحب مدظلہم
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

دارالاشاعت
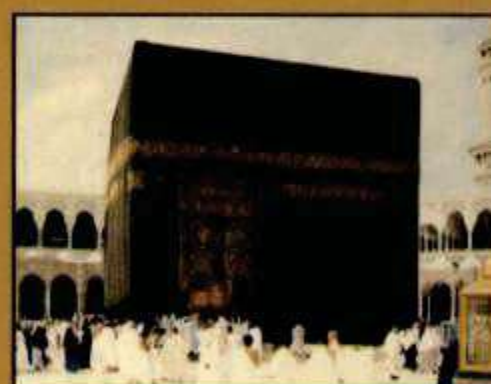
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

سوال وجواب

کتاب وسنّت کی روشنی میں

جلد اوّل

بین الاقوامی اردو روزنامہ 'اردو نیوز' جدہ (سعودی عرب) میں اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جوابات، مختصر لیکن جامع، حوالہ جات کا اہتمام، زبان سہل وعام فہم، عوام وخواص کیلئے یکساں مفید اور زندگی کیلئے بہترین رہنما

تالیف
صاجزادہ مولانا قاری عبدالباسط صاحب
مقیم جدّہ۔ سعودی عرب

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : اگست ۲۰۰۲ء علمی گرافکس

ضخامت : 392 صفحات

﴿...... ملنے کے پتے ......﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿جدّہ میں ملنے کا پتہ﴾

مرکز عبداللہ بن مسعود لتحفیظ القرآن الکریم۔ العزیزیۃ، جدۃ

فون نمبر: 009662 2871522

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
London
Tel : 020 8911 9797, Fax : 020 8911 8999
Email : sales@azharacademy.com,
Website : www.azharacademy.com

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

کچھ معروف اہل علم ودانش کے تاثرات

■ **مولانا ابوالحسن علی ندویؒ**

آپ کے ہاں حلقہ دروس قرآن وحدیث جدہ کی مسجد تعاون میں درس دے کر یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے کسی معروف حلقے میں درس دے رہا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کا فیض جاری رکھے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

■ **مولانا محمد انظر شاہ کشمیری**

آپ کے ملک کو آپ پر فخر کرنا چاہئے۔

مولانا محمد انظر شاہ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند (وقف)

■ **مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید**

میں آپ کے لئے رات کی دعاؤں میں خصوصی دعا کرتا ہوں۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید

■ **مولانا محمد حبیب اللہ مختار (شہید)**

برادر محترم جناب مولانا عبدالباسط صاحب زیدلطفہ کو اللہ تعالیٰ نے عمدہ انداز، شستہ تحریر اور دل نشیں انداز سے نوازا ہے جس کی بدولت وہ اپنا مقصود ومدعیٰ سامعین کے دلوں میں بآسانی اُتار دیتے ہیں اور ساتھ ہی موصوف اس کا بھی اہتمام کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم ہی سے کی جائے اور ساتھ میں موقع بموقع حسبِ

مناسبت احادیث نبویہ بھی پیش کر کے اپنے وسیع مطالعہ اور بالغ نظری کا ثبوت پیش کرتے رہتے ہیں۔ صرفی، ادبی تحقیقات اور شانِ نزول وغیرہ کے بیان کا اہتمام سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے اور اس طرح آپ کے دروس میں عوام وخواص دونوں کے لئے جاذبیت ہوتی ہے اور دونوں طبقے اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔

مولانا محمد حبیب اللہ مختار (شہید)

پرنسپل جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

■ مولانا عبدالکریم

میں آپ کے لئے تہہ دل سے دعا گو ہوں۔

مولانا عبدالکریم

بیر شریف، لاڑکانہ

■ مولانا عبدالقیوم حقانی

آپ فخر سرحد ہیں، فخر پاکستان ہیں، تمام اہل وطن کو آپ پر ناز ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے خوب کام لے اور آپ کے فیض کو عام فرمائے۔ آمین

مولانا عبدالقیوم حقانی

جامعہ ابو ہریرہ، نوشہرہ، پاکستان

■ مولانا محمد رضوان القاسمی

محترم جناب صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب (جدہ) مفردات قرآنی کی تحقیق کرتے ہیں، تفسیر کے لئے صحیح ومعتبر احادیث سے مدد لیتے ہیں، سماج کی عملی خرابیوں اور کمزوریوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور عقیدہ وعمل کے تزکیہ وتطہیر کی طرف اعتنائے خاص رکھتے ہیں۔

مولانا محمد رضوان القاسمی

ناظم دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد، انڈیا

رکن تاسیسی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

■ **مولانا سید سلمان الحسنی الندوی**

صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب جو عمر شباب کے باوجود سالہا سال سے جدہ کی مشہور ترین مسجد الشعیبی میں نائب امام ہیں اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں اور دعوتی سرگرمیوں، درس قرآن وحدیث وغیرہ میں مشغول ہیں، مشرق وسطیٰ سے جاری ہونے والے پہلے اُردو روزنامہ انٹرنیشنل اُردو نیوز میں ہر جمعہ کو قارئین کے سوالوں کے جوابات بھی دیتے ہیں اور بعض دوسری علمی سرگرمیوں کے ذریعے مسلم امہ کی خدمت وتربیت میں مصروف کار ہیں، ان سے پہلی ہی ملاقات میں انسان متاثر ہو جاتا ہے، اللہ پاک ان سے ارض حرمین شریفین میں خوب کام لے رہا ہے اللھم زدفزد۔

جدہ کی اہم ترین مسجد میں لحن داؤد میں قراءت وخطابت اور اس میں عربوں کی فصاحت، کار دعوت اور عالم اسلامی بلکہ مسلم اقلیتوں کے حالات سے واقفیت اور ان کا تعاون، علمی شغف اور اصل ماخذ کی مراجعت اور ان سے استفادہ وافادہ، درس قرآن وحدیث اور اس میں علمی اور دعوتی ذوق کی آبیاری یہ اور اس طرح کی بہت سی خوبیاں ہیں، جن میں الحمدللہ ہمارے قاری صاحب ممتاز ہیں اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ سے زیادہ کام لے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

سید سلمان الحسنی الندوی

استاذ الحدیث، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

صدر جمعیۃ شباب الاسلام لکھنؤ

■ **ڈاکٹر محمد یونس نگرامی**

صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب ان خوش قسمت افراد میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم اسلامیہ پر نگاہ ونظر کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے اور پھر اس کے طبعی اثرات یعنی تواضع وخاکساری اور فروتنی وخندہ پیشانی کے ساتھ ساتھ ہر مسئلہ میں مثبت اندازِ فکر نے ان کی شخصیت میں دل فریبی ودل نوازی کا ایک بہترین امتزاج

پیدا کر دیا ہے جس کی نورانیت و پاکیزگی ان کے کردار و افعال سے عیاں ہے۔
قاری صاحب ایک عرصے سے سرزمین حرم میں صاحب حرم کی دولت کو اپنے مواعظ، خطبات، دروس، تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے عام کر رہے ہیں جس میں علم کی وسعت و گہرائی کے ساتھ ساتھ اسلوب کی شگفتگی و رعنائی اور دعوتِ اسلامی کی بنیادی شرط حکمت و موعظت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے اور اس طرح سے قاری صاحب دعوتِ اسلامی کی تاریخ کی ایک اہم کڑی بن گئے ہیں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء .

ڈاکٹر محمد یونس نگرامی

پروفیسر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی

مشیر رابطہ عالم اسلامی برائے ہندوستان

■ ڈاکٹر مسعود صدیقی

آپ کا مکتبہ آپ کے اعلیٰ علمی ذوق کی دلیل ہے۔

ڈاکٹر مسعود صدیقی

کینیا یونیورسٹی

■ مولانا امین احسن اصلاحیؒ

آج آپ میرے ہاں ہی قیام کیجئے اور ہمیں مغرب و عشاء پڑھایئے، حجازی لہجے میں قرآن سنے عرصہ بیت گیا ہے، آج آپ حجازی لہجے میں قرآن سنایئے، جدہ میں آپ کے دینی مشاغل کا سن کر خوشی ہوئی۔ آپ کے لئے دعا گو ہوں۔

مولانا امین احسن اصلاحی

■ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری

قرآن پاک کا درس و تدریس والا عمل کبھی بھی ترک نہ ہو، اس پر پابند رہیے، دُنیا و آخرت کی فلاح اسی میں ہے۔

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری، گجرات

■ محمد صلاح الدین شہید

آپ حجاز مقدس میں ہم سب کے لئے اور ہماری پوری کمیونٹی کے لئے مرجع علم و فضل ہیں۔

محمد صلاح الدین شہید

مدیر تکبیر

■ جنرل (ر) حمید گل

آپ کا وجود اہل پاکستان کے لئے پاکستانی تحفہ ہے، ہمیں اور پورے ملک کو آپ پر فخر ہے۔

جنرل (ر) حمید گل

■ مفتی محمد اسلم

اللہ تعالیٰ آپ سے مسلکِ حق کی ترجمانی وخدمت کا بھرپور کام لے رہا ہے۔

مفتی محمد اسلم

لندن

پیش لفظ

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین (وقف) دار العلوم دیوبند

باسمہ تعالیٰ له الأسماء الحسنیٰ و له المثل الأعلیٰ الحمد لولیه والصلوٰة علی نبیه .

شیخ الاسلام حافظ بن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ ایمان کا تعلق بیشتر مغیبات سے ہے۔ یوں بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ اکثر قرآن کا مطالبہ ایمان انھیں اُمور کے لئے ہے جن کا راست تعلق غیب سے ہے، پھر رسولِ اکرم ﷺ کا وہ سوال اُن قدسی صفات اصحاب، جن کا تقدس وتقویٰ اُمت کے لئے اسوہ ونمونہ ہے، سے بھی ایمان بالغیب کی فضیلت ظاہر ہے۔ سوال یہ تھا کہ سب سے افضل کون ہے؟

مختلف جوابات سننے کے بعد آپ ﷺ ہی نے فوقیت ان کو دی تھی جو نہ خیر القرون کے مشاہد ہوں گے اور نہ بعد کے ادوار کی منتخب شخصیتوں پر انھیں اطلاع ہوگی، اس کے باوجود ایمان بالغیب قبول کریں گے۔ کہنا یہ ہے کہ اس ایمان بالغیب کے دائرہ میں ذرا وسعت کیجیے اور اشخاص تک کھینچ کر لے آیئے تو تصدیق وتوثیق، تقریظ وتبصرے کے لئے کچھ ایسی شخصیتیں بھی مہیا ملیں گے جن کی نگارش کی تائید شرحِ صدر کے ساتھ کی جاسکے گی۔ انھیں میں محترم ومکرم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اطال اللہ عمرہ بھی ہیں، کہ باصطلاح صوفیاء ''روشن ضمیر'' وبقول متنورین ''روشن دماغ'' روشن ضمیری قدامت کی طرف کھینچتی ہے اور تنویر دماغ جدیدیت کی جانب۔ قدامت وجدت میں بظاہر ''عداوتِ بین''، لیکن موصوف نے آگ و پانی کی طرح ان اضداد کو جمع کیا ہے، نہ آگ بجھتی ہے نہ پانی اپنا کام کرتا ہے۔ اس لئے ان

کی رائے کی تائید پورے اطمینان کے ساتھ کی جاسکتی ہے، پھر یہاں تو ایمان بالغیب کے ساتھ ایمان بالشہود کی آمیزش بھی ہے۔

چند سال پہلے جدہ صانھا اللہ عن الشرور والفتن میں ایک پاکستانی ممتاز شخصیت سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ باطن پر گفتگو کرنے سے پہلے ظاہر پر سنئے : وجھه وجه المنير ، قامته ليس بالطويل ولا بالقصير ، گورے چٹے، بظاہر شباب، لیکن اطوار شیب کا رنگ لئے ہوئے، تومند وتوانا، مستعد و جوانِ رعنا، شفقتوں کا انبار، عنایتوں کا پہاڑ۔ یہ ہیں ہمارے محترم صاحبزادہ الشاب الصالح البار التقی النقی المقری المولوی عبدالباسط صاحب۔ اپنے فیضانِ علمی وعملی کی چادر بچھائی تو شانِ باسط کا مظاہرہ کیا، وعظ ونصیحت کی مجلس آراستہ کی تو الدین النصیحة کا منظر تاباں کیا، اپنی سرگرمیوں سے مملکتِ پاکستان کی عزت افزائی کی، دیدہ روی سے غیر ملک میں مختار جگہ اپنے لئے بنائی۔ اُردو نیوز شائع ہوا تو چمن آرائی میں شریک گلدستوں کی تیاری میں فنکاری اور چابکدستی حیرت انگیز دکھائی، علمی سوالات کے جوابات دیتے ہیں، فقہی مہمات حل کرتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ افتاء نویسی غالباً سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ اس ذرۂ بے مقدار نے پچاس سالہ تعلیمی تجربہ کے بعد خوب سمجھ لیا کہ فتویٰ دینے میں عمیق علم ہی نہیں بلکہ کردار کی بلندی بھی مطلوب ہے اور اس زہد واتقاء کی، جس کا سرچشمہ خیر القرون کا پاکیزہ عمل ہے۔ عبادت وجودی چیز ہے اور اہل دُنیا کی نظر میں اسی کی قیمت ہے، جب کہ زہد عدمی وصف ہے اور خدا تعالیٰ کے یہاں اسی کی قدر ہوگی۔ اگر مفتی زاہد نہ ہو، احتیاط سے محروم ہو، دین کے تحفظ میں سرگرم نہ ہو، حلال وحرام کے بیان میں احتیاط کا حصار اس کے چہار جانب نہ ہو، تو وہ وہی کام کرے گا جو مبغوض ملتِ یہود نے کیا، جن کے لئے ''القہار'' کی یہ وعید ہے : فويل للذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا ، فويل لهم مما كتبت ايديهم و ويل لهم مما يكسبون .

یہ حقیر وفقیر ہندوستان میں ایک مجمع میں حاضر تھا، میری موجودگی میں مستفتی نے مفتی سے فتویٰ دریافت کیا تو جواب یہ تھا کہ : ''چکی میں جو کچھ ڈالو وہی پس کر سامنے آتا ہے''۔

مفتی کے اُٹھ جانے کے بعد احقر کے سوال پر حاضرین نے بتایا کہ اشارہ اس طرف تھا کہ کچھ دو لو تو جوابِ فتویٰ لکھا جائے۔ بحر العلوم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ جن کی جلالتِ علم پر دوست و دشمن آشنا و نا آشنا سب متفق ہیں، جو نہ صرف محدثین و مفسرین کی راہنمائی کرتے ہیں، بلکہ بہت سے اربابِ فتاویٰ بھی ان سے رجوع کرتے اور شافی جواب پاتے۔ میرٹھ کے ایک رئیس نے کسی افغانی سے روایتی واسکٹ خریدی جس پر زرّیں کام بھی تھا، یہ رئیس حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے تربیت کردہ تھے، خریدنے کو تو خرید لی، پھر شک وشبہ میں مبتلا ہوئے تو واسکٹ لے کر دیوبند پہنچے اور حضرت علامہ سے تن زیبی سے پہلے جواز کے طالب ہوئے، چشمہ لگا کر دیکھا، پھر سورج کی کرنوں میں معائنہ کیا، آخری جواب یہ تھا کہ: ''مفتی صاحب کے پاس جایئے، میں فتویٰ نہیں دے سکتا''، تھانہ بھون کا خانقاہ نشین درویش جو قلوب کا جلاء کرتا، دماغوں کی تطہیر، باطن کی نزہت، ظاہر کی ستھرائی، معاملات کی درستگی، پھر بھی ہمیشہ یہ نعرۂ حق بلند کرتا کہ ''وعظ ابھی کہہ دوں گا، لیکن اگر کوئی فتویٰ لوگے تو مراجعتِ کتب کے بغیر ممکن نہیں''۔ متقدمین فتویٰ دینے پر تھرا جاتے، ایک دوسرے پر محول کرتے، دوسرا تیسرے پر منتقل کرتا۔ یہ گریز نہیں تھا، بلکہ افتاء کے منصب کی بھرپور رعایت تھی اور قضاء کا معاملہ تو بمراحل آگے ہے، مفتی تو فرضی صورتوں پر بھی فتویٰ دے سکتا ہے، قضاء تو درحقیقت عدالتی کاروائی کی ہو بہو نقل ہے، موجودہ عدالتی کاروائی نہیں بلکہ ان عدالتوں کی کاروائی جو اسلامی نظام و احکام اور ایمانی تقاضوں کے تحت قائم ہوتی تھیں۔

صاحبزادۂ محترم کے جوابات براہِ راست نظر سے نہیں گذرے، گذرتے تو بھی کیا ہوتا، کہ میں کوتاہ نظر کسی صائب فیصلے سے قاصر، سطورِ بالا میں واضح کر چکا ہوں کہ اصل شخصیت اور تعارف نگار کے اعتماد پر یہ چند سطور زیرِ قلم آئیں، اس یقین کے ساتھ کہ راقم الحروف کا اعتماد غلط نہیں ہوگا انشاء اللہ۔ دست بدعا ہوں کہ ''الباسط'' اس علمی مرقع کے فیوض و برکات کو نہ صرف عالم آشکارا بلکہ خصوصی قبولیتوں سے سرفراز فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(فخر المحدثین حضرت مولانا) سید انظر شاہ کشمیری (صاحب مدظلہ العالی)

شیخ الحدیث وقف دار العلوم دیوبند

تقریظ

حضرت مولانا مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی، جدہ - نائب رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

برادر گرامی قدر جناب صاحبزادہ مولانا قاری عبدالباسط صاحب سے احقر کی نیازمندی مدتوں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن سے دین کی نشر و اشاعت کا بڑا کام لیا ہے۔ سعودی عرب میں اُن کا درسِ قرآن اُردوداں حضرات کے لئے نعمت بے بہا ثابت ہوا، اور اس سے بہت سی زندگیاں بدلیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں دل دردمند بھی عطا فرمایا ہے اور سلیقہ گفتار بھی۔ اس پر ان کی دلآویز شخصیت ایسی ہے کہ مخاطب پر اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی۔ مجھ پر ان کی عنایات ایسی ہیں کہ میں دعائے خیر کے سوا کسی اور طریقے سے اُن کا کما حقہ شکر ادا نہیں کرسکتا۔ جدہ سے ''اُردو نیوز'' کے نام سے جو اخبار نکلتا ہے، مولانا موصوف اس میں عرصۂ دراز سے قارئین کے سوالات کا جواب دے رہے ہیں اور اب سوال و جواب کا یہ مجموعہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ مولانا نے اپنی محبت اور ذرہ نوازی کی بنا پر اس کی دو جلدیں احقر کے پاس ارسال فرمائیں اور فرمائش کی کہ میں اپنے تاثرات اس کتاب کے بارے میں قلمبند کروں۔

کسی کتاب پر تبصرہ ایک امانت ہے، بالخصوص جب کہ کتاب فقہی مسائل پر مشتمل ہو تو یہ ایک گرانبار ذمہ داری ہے۔ میں بہت سے تجربات کے بعد کسی ایسی کتاب پر کچھ لکھنا

ترک کر چکا ہوں۔ اس اُصول کا تقاضا یہ تھا کہ میں اس کتاب پر لکھنے سے بھی معذرت کر لوں، لیکن میں مولانا سے صریح معذرت پر قادر نہ ہوا، دوسری طرف پوری کتاب کو پڑھے بغیر فقہی موضوعات پر لکھی ہوئی کسی کتاب پر ذمہ دارانہ رائے دینا بھی مشکل ہے اور مصروفیات کے جس سیلاب میں میرے شب و روز گذر رہے ہیں، اُن میں کتاب کا مکمل مطالعہ بھی ممکن نہیں، میں سرسری طور پر کتاب کی ورق گردانی ہی پر قادر تھا اور وہی کر سکا ہوں، اس ورق گردانی سے یہ اندازہ ضرور ہوا کہ مسائل کے جواب ائمہ اربعہ کے مذاہب کے دائرے میں ہیں، جن کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں، اندازِ بیان دلنشین ہے اور خشک مسائل پر اکتفا کرنے کے بجائے دعوت و اصلاح کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اکثر مسائل فقہ حنفی کے مطابق خاصے محتاط طریقے پر درج کئے گئے ہیں۔

کاش کہ مولانا موصوف فقہی مسائل پر مشتمل اس کتاب کے بجائے دعوت و اصلاح کے موضوع پر (جو مولانا کا خصوصی میدان ہے) اپنی کوئی کاوش احقر کو تاثرات لکھنے کے لئے عطا فرماتے تو میں جستہ جستہ دیکھنے کے بعد بھی اپنے جذبات نسبتاً زیادہ کھل کر تحریر کر سکتا۔ لیکن چوں کہ معاملہ فقہی مسائل کا ہے، اس لئے میں اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی پوزیشن میں نہیں۔ البتہ یہ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی دینی خدمات میں برکت عطا فرمائیں اور ان کے فیوض کو عام اور تام فرمائیں۔ آمین

احقر

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۹/رجب ۱۴۲۱ھ

تقریظ

اس اُمت کا سب سے بڑا فریضہ بلکہ اس کا مقصدِ وجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔امر بالمعروف کے معنی بھلائیوں کا حکم دینے کے ہیں اور نہی عن المنکر برائیوں سے روکنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ کی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے کسی متعین طریقہ کی رہنمائی نہیں فرمائی، اس لئے کہ مخاطب کے مزاج و مذاق، خود فریضہ تبلیغ ادا کرنے والے کی صلاحیت اور ہر عہد کے سماجی احوال نیز ہر زمانہ کے وسائل اور ذرائع ابلاغ کے اعتبار سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ مختلف ہوسکتا ہے۔درس گاہ میں بیٹھ کر کسی مدرس کا پڑھانا، مسجدوں کے منبر سے ائمہ کا خطاب کرنا، عدل کی کرسی پر بیٹھ کر حق و باطل کے فیصلے کرنا، لوگوں کے مسائل کا حل تلاش کرنا اور احکامِ دین میں ان کی رہنمائی کرنا، تصنیف و تالیف کے ذریعہ خیر کی اشاعت و ترویج اور برائیوں سے روکنے کی سعی و کوشش، یہ سب ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' ہی کے مختلف طریقے اور اسالیب ہیں۔غرض ہر وہ کوشش جس کا مقصد مرضیات کی طرف لوگوں کو لانا اور منہیات سے ان کو بچانا ہو، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرہ میں آتی ہے۔

جیسا کہ مذکور ہوا امر بالمعروف کا ایک نہایت اہم طریقہ ''افتاء و ارشاد'' ہے، یعنی حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی بابت لوگوں کے سوالات کا جواب دینا اور شریعت کی روشنی میں ان کے مسائل اور مشکلات کا حل تلاش کرنا، اسی لئے افتاء کی ذمہ داری کو عام حالات میں فرضِ کفایہ اور اگر کوئی دوسرا شخص افتاء کا اہل موجود نہ ہو تو فرضِ عین قرار دیا گیا ہے۔(شرح مہذب ۱/۴۵) مفتی کا دائرۂ کار قاضی سے بھی زیادہ وسیع ہے، مفتی کی ذمہ داری احکام کا استنباط ہے اور قاضی کی ذمہ داری واقعات پر ان احکام کی تطبیق، قاضی صرف ان ہی معاملات میں

فیصلے کرتا ہے جن کے بارے میں کوئی نزاع پیدا ہوئی ہو اور اس کے پاس لائی گئی ہو، اسی لئے عبادات قاضی کے دائرۂ کار سے باہر ہیں، لیکن مفتی کو ہر شعبۂ زندگی کے مسائل حل کرنا ہے، عقیدہ و ایمان کی بحث ہو، عبادات ہوں، مالی معاملات ہوں، معاشی اور معاشرتی مسائل ہوں، سیاسی و اجتماعی قوانین ہوں، بین الاقوامی تعلقات سے متعلق کوئی مسئلہ ہو یا کوئی حکم اخلاق و آداب کے باب سے تعلق رکھتا ہو، ہر شعبۂ حیات میں مفتی خضر راہ کا کام کرتا ہے اور اُمت کی رہنمائی کا کام انجام دیتا ہے۔

اسی لئے ہمیشہ مسلم ممالک میں سرکاری سطح پر اور جہاں مسلمان برسرِ اقتدار نہ ہوں، وہاں غیر سرکاری طور پر افتاء و ارشاد کا شعبہ رہا ہے۔ جب سے اخبارات کی دُنیا وجود میں آئی ہے اور ابلاغ کا یہ نیا اور وسیع الاثر باب کھلا ہے، اخبار و رسائل میں بھی سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ غیر منقسم ہندوستان کے بہت بڑے مفتی جن کو "مفتی اعظم ہند" کہا جاتا تھا، میری مراد حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ سے ہے، غالباً اُردو رسائل و جرائد میں سب سے پہلے انھوں نے ہی یہ سلسلہ شروع کیا تھا۔ الجمعیۃ میں پابندی سے ان کے فتاویٰ شائع ہوا کرتے تھے، چنانچہ ان کے فتاویٰ کا ضخیم اور قیمتی مجموعہ (کفایت المفتی) جو نو جلدوں پر مشتمل ہے، میں بہت سے فتاویٰ یہی مطبوعہ جوابات ہیں۔ اِدھر عربی زبان کے رسائل و جرائد میں اور پھر اُردو اخبارات و رسائل میں سوال و جواب کا مفید سلسلہ شروع ہوا ہے۔

عالم عرب میں ایک بہت بڑی تعداد برصغیر کے رہنے والوں کی ہے، جن کی زبان اُردو ہے اور اب تو دُنیا کے مختلف علاقوں میں جنوبی ایشیاء کے ہنرمندوں اور کارکنوں کی ہجرت کی وجہ سے اُردو زبان ایک عالمی زبان بن گئی ہے، مشرقِ وسطیٰ کی اس علاقہ سے قربت اور حرمین شریفین کی نسبت سے اس خطہ سے مسلمانوں کے خصوصی تعلق کے باعث خلیجی ممالک میں خصوصیت سے اُردو لکھنے پڑھنے والوں کی بہت بڑی تعداد مقیم ہے۔ یہاں عرصہ سے ایک اُردو اخبار کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی اور بہت سے اصحابِ ذوق اور اہل ضرورت کو شدت سے اس ضرورت کا احساس تھا کہ چند سال پہلے جدہ (جس کو حرمین شریفین کا دروازہ کہا جاتا ہے) کے اُفق سے "روزنامہ اُردو نیوز" کی صورت میں اُردو صحافت کا ایک

سورج طلوع ہوا، جو دیکھتے ہی دیکھتے مہر نیمروز بن کر پورے خلیج پر چھا گیا اور اب اس کی کرنیں مشرق و مغرب کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکی ہیں۔

اُردو نیوز میں جمعہ کے دن مذہبی مضامین کا خصوصی صفحہ شائع ہوتا ہے۔ اس میں ہندو پاک کے ممتاز قلم کاروں کے مضامین کے علاوہ عالم عرب کے سربر آوردہ علماء و مشائخ کے مضامین کے تراجم بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ سعودی عرب میں گو نہایت اعلیٰ پیانہ پر افتاء و ارشاد کا شعبہ قائم ہے اور نہایت مؤقر اور جلیل القدر شیوخ منصبِ افتاء پر فائز ہیں، لیکن ان لوگوں کے لئے جن کا ذریعہ اظہار اُردو زبان ہے، ضروری تھا کہ اس اخبار میں سوال و جواب کا ایک کالم رکھا جائے اور شرعی مسائل میں ان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جائے۔

''اُردو نیوز'' نے قارئین کی اس اہم ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ''اسلام اور زندگی'' کے عنوان سے شرعی مسائل کی بابت سوال و جواب کا کالم شروع کیا اور اس اہم، نازک، مطالعہ طلب اور ذمہ دارانہ کام کے لئے ان کی نظر انتخاب ''حق بحق دار رسید'' کے مصداق میرے محبِ گرامی قدر جناب شیخ قاری صاحب زادہ عبدالباسط حفظہ اللہ پر پڑی، چنانچہ ابتداء ہی سے آپ قارئین کے سوالات کا جواب دے رہے ہیں۔ مختلف ملکوں، قوموں اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے قارئین متنوع سوالات کرتے ہیں اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اپنی اُلجھنیں پیش کرتے ہیں، عقیدہ و ایمان سے متعلق بھی، قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کی بابت بھی، عبادات و معاملات اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی کے مسائل بھی، اشکالات و شبہات اور اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں بھی سامنے آتی ہیں اور قاری صاحب ان گتھیوں کو نہایت اعتدال سے سلجھاتے ہیں۔ آپ کے جواب کا بنیادی ماخذ کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ ہیں، ان بنیادی مراجع کے بعد کتبِ فقہیہ سے بھی استفادہ کرتے ہیں جو کہ دراصل قرآن و حدیث کا نچوڑ اور شریعت کی مرضیات و منہیات کا عطر و خلاصہ ہیں اور اسلامی تاریخ کی بہترین ذہانتیں اور غیر معمولی صلاحیتیں اس فن کی تدوین و ترتیب اور اس کے ارتقاء و تہذیب میں شریک رہی ہیں۔ عام طور پر اُردو قارئین حنفی المسلک ہیں اور حکومتِ سعودیہ کا فقہی مذہب حنبلی ہے اور بحمد اللہ حکومتِ سعودیہ تمام ہی مذاہبِ فقہیہ کے بارے میں

بہت ہی وسعتِ نظری اور وسیع القلبی کا رویہ رکھتی ہے، اسی پس منظر میں جوابات میں کتاب و سنت کو اصل بناتے ہوئے حنفیہ اور حنابلہ کے نقطۂ نظر کو زیادہ وضاحت سے پیش کیا گیا ہے۔

محترم قاری صاحب کے حسبِ خواہش اس کوتاہ علم نے جوابات پر نگاہ ڈالی، جہاں کہیں حوالہ جات اور مراجع کی وضاحت نہیں کی گئی تھی، وہاں اپنے بعض عزیز شاگردوں سے مراجع کی تخریج کرائی گئی ہے اور ابوابِ فقہیہ کی ترتیب سے جوابات کی ترتیب کا کام ہوا ہے اس کام کے سلسلہ میں خصوصی طور پر ہمیں عزیزانِ گرامی مولانا محمد عابد ندوی (مقیم جدہ) اور مولانا اشرف علی قاسمی استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد **وفقهما الله لما يحب ويرضى** کا خصوصی طور پر شکر گذار ہونا چاہئے۔

قاری صاحب کے جوابات کی خصوصیت ہر مسئلہ میں شریعت کے اصل مراجع کتاب وسنت سے روشنی حاصل کرنے کا اولین اہتمام اور اعتدال وتوازن کے ساتھ فروعی مسائل میں اپنی رائے کا اظہار ہے۔ ان کو برصغیر کے علماء کے علاوہ عالم عرب کے اہل علم سے بھی استفادہ کا موقع ملا ہے۔ اس قران السعدین نے ان کی فکر کو اعتدال وتوازن اور فقہی اختلافات میں تحمل ورواداری کی نعمت سے سرفراز کیا ہے، جو آج کل بہت کمیاب ہے۔

قاری صاحب کے جواب میں نہ اتنا اختصار ہوتا ہے کہ صرف ''ہاں، نہیں'' کہہ کر گذر جائیں اور نہ اتنی تفصیل ہے کہ قاری کو جواب میں ''اپنا جواب'' تلاش کرنا پڑے، کہ اگر تفصیل کے موقع پر اختصار ہو تو اطمینان نہیں ہوتا اور ضرورت سے زیادہ تفصیل ہو تو یہ بھی بارِ خاطر ہوتا ہے۔

جدہ کی متعدد مساجد میں قاری صاحب کے دروسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے اور ان دروس نے بہت سے آوارہ فکر اور پراگندہ خیال لوگوں کی اصلاح وتعمیر میں نہایت مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ ان میں سے بعض خطبات کتابی شکل میں طبع ہو چکے ہیں، بعض تشنۂ طبع ہیں اور اُمید ہے کہ عنقریب ان کی اشاعت عمل میں آئے گی۔ سوال وجواب کے اس نئے سلسلے نے ان کے افادہ وافاضہ کا دائرہ اور بھی وسیع کیا ہے۔ جن لوگوں کی ''اُردو نیوز'' تک رسائی ممکن نہیں تھی، یہ کتاب ان کو بھی فیضیاب کرے گی اور وہ بھی اس مجموعہ میں اپنی اُلجھنوں کا حل

پائیں گے۔ یہ سوال و جواب کا مجموعہ ہے، اللہ کرے کہ جلد ہی اس کی اگلی جلدیں بھی منظر عام پر آئیں اور چشم انتظار کا سرمہ بنیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے، لوگوں کے لئے نافع بنائے اور خود مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت فرمائے۔

وللّٰہ الحمد اوّلا واخرا .

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم علوم اسلامی، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائے کاملہ اور ہر ایک نعمت پر اس کا صد ہزار بار شکر کہ جو بھی نعمت ہے، محض اس کا کرم اور اس کی عطا کی ہوئی ہے۔ ہزاروں درود و سلام ہوں فداہ امی وابی علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم پر جو رحمت عالمین ہیں اور جن کی شفاعت کے ہم سب اُمیدوار ہیں۔ اس بندۂ حقیر پر اس کے مولیٰ کا ایک بڑا کرم یہ ہوا کہ اس نے سرزمین حجاز میں حرمین شریفین کے قریب بلکہ بوابۃ الحرمین جدہ میں رہنے کی سعادت سے نوازا۔ چنانچہ عرصۂ دراز سے ارضِ حرمین اور بوابۃ الحرمین میں قیام ہے۔ اللہ اس قیام کو قائم و دائم رکھے اور فیوضِ حرمین سے کماحقہ استفادہ کرنے والوں میں سے بنادے (آمین)

قارئین کی یاد دہانی اور علم میں اضافے کی خاطر یہاں اس مملکتِ مبارکہ کے دو عظیم بانیوں کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں جو اس بارے میں کہے گئے ہیں۔

الامام المجدد الشیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بارے میں فرمایا:

فنحن ولله الحمد متبعون لامبتدعون على مذهب الإمام أحمد بن حنبل (رحمه الله عليه). (۱)

ہم الحمدللہ مذہبِ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار ہیں، بدعتی نہیں ہیں۔

ایک اور مقام پر امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ اپنے عقیدے کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

هذا اعتقادنا وهذا الذى مشى عليه السلف الصالح من المهاجرين

---

(۱) الدرر السنية فى الاجوبة النجدية ۵۷/۱

والانصار والتابعين وتابع الدين والأئمة الأربعة رضى الله عنهم أجمعين .(۱)

یہ ہمارا اعتقاد ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس پر سلف صالح، مہاجرین وانصار، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین قائم رہے۔

الشیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السویدی العراقی کے نام ایک خط میں امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

واخبرك أني ولله الحمد متبع ، لست بمبتدع ، عقيدتي وديني الذى أدين الله به هو مذهب أهل السنة والجماعة الذي عليه ائمة المسلمين مثل الأئمة الأربعة وأتباعهم إلى يوم القيامة . (۲)

میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں بحمداللہ پابندِ شریعت ہوں، میں بدعتی نہیں ہوں میرا عقیدہ اور میرا دین جس پر میں عامل ہوں ، وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے، جس پر مسلمانوں کے ائمہ جیسے ائمہ اربعہ ہیں اور جس پر قیامت تک ان کے متبعین رہیں گے۔

ایک موقع پر امام امیر عبدالعزیز بن محمد بن سعود اور امام الشیخ محمد بن عبدالوہاب (ان دونوں اماموں) نے احمد بن محمد العدیلی البہکلی الیمانی کے نام ایک خط میں لکھا :

وأما ما ذكرتم من حقيقة الاجتهاد فنحن مقلدون الكتاب والسنة وصالحى سلف الأمة وما عليه الاعتماد من أقوال الأئمة الأربعة أبى حنيفة النعمان بن ثابت ، ومالك بن أنس ومحمد بن ادريس واحمد بن حنبل رحمهم الله تعالى . (۳)

آپ نے جو اجتہاد کی حقیقت کے بارے میں ذکر کیا تو ہم بہر حال کتاب و سنت اور سلف اُمت کے صالحین کی تقلید کرنے والے ہیں اور ائمہ اربعہ،

---

(۱) الدرر السنية ٦٤ (۲) الدرر السنية ۷۹/۱

(۳) الدرر السنية ۹۷

ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت ، مالک بن انس ، محمد بن ادریس اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے ان اقوال کی جن پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے الشیخ عبداللہ نے اپنے بارے میں لکھا :

ونحن أيضا في الفروع على مذهب الإمام أحمد بن حنبلؒ ولا ننكر على من قلد أحد الأئمة الأربعة دون غيرهم لعدم ضبط مذاهب الغير كالرافضية ، والزيدية ، والإمامية ونحوهم ولا نقرهم ظاهرا على شئ من مذاهبهم الفاسدة بل نجبرهم على تقليد أحد الأئمة الأربعة . (۱)

ہم بھی فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر قائم ہیں اور ائمہ میں سے کسی کی تقلید کرنے والے پر نکیر نہیں کرتے ، ہاں ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مذاہب فاسدہ جیسے رافضیہ ، زیدیہ ، امامیہ وغیرہ کی ضبط وتدوین نہ ہونے کی بناء پر کسی کے لئے اس کی تقلید کو درست نہیں سمجھتے ، بلکہ لوگوں کو ائمہ اربعہ ہی میں سے کسی ایک کی تقلید پر مجبور کرتے ہیں۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے الشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب (رحمۃ اللہ علیہم جمیعا) نے الدرر السنیۃ میں شائع شدہ ایک اور مقام پر اپنے اور اپنے والد کے عقائد کے بارے میں لکھا ہے :

قد روى البخاري من حديث أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : كل أمتي يدخلون الجنة إلا من ابى ، قيل و من يابى؟ قال من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى ، فتأمل رحمك الله ماكان عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم و أصحابه بعده والتابعون لهم باحسان إلى يوم الدين وما عليه الأئمة المقتدى بهم من أهل الحديث و الفقهاء كابي حنيفة

(۱) الدرر السنية ۹۷

ومالك والشافعي وأحمد بن حنبل رضى الله عنهم أجمعين لكى تتبع آثارهم . (۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرا ہر اُمتی جنت میں داخل ہوگا سوائے اس کے جو انکار کرے''، دریافت کیا گیا اور وہ کون ہے جو انکار کرے گا؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے یقیناً انکار کیا۔ پس غور کرو، اللہ تم پر رحم کرے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے اصحاب اور تابعین کرامؒ کا طریقہ کیا تھا؟ نیز محدثین اور فقہاء میں سے جن کی اقتداء کی جاتی ہے، جیسے ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین، ان کا طریقہ کیا تھا؟ تاکہ تم ان کے نقش قدم پر چل سکو اور ان کی پیروی کرسکو۔

الشیخ العلامۃ عبدالرحمٰن بن حسن رحمۃ اللہ علیہم نے ابومحمد حرب بن اسماعیل الکرمانیؒ کی کتاب مسائل المعرفۃ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

باب القول فى المذهب – هذا مذهب أئمة العلم وأصحاب الأثر وأهل السنة المعروفين بها المقتدى بهم فيها وأدركت من أدركت من علماء العراق والحجاز والشام وغيرهم عليها، فمن خالف شيئا من هذه المذاهب أوطعن فيها أوعاف قائلها فهو مبتدع خارج من الجماعة زائل عن منهج السنة وسبيل الحق . (۲)

مذہب کے بارے میں کچھ کہنے کا بیان - یہ ائمہ علم اصحابِ حدیث اور اہل سنت کا مذہب ہے، جو اسی سے معروف ہیں اور اس معاملہ میں جن کی اقتداء و پیروی کی جاتی ہیں، میں نے جن جن عراقی، حجازی اور شامی علماءِ کرام وغیرہ سے ملاقات کی، انھیں اسی (مذہب) پر پایا، پس جو شخص بھی ان

---

(۱) الدرر السنية ۲۴۵/۱ (۲) الدرر السنية ۱۶۶/۳

مذاہب سے کچھ بھی مخالفت کرے، زبان درازی کرے یا اس کے ماننے والے کو برا بھلا کہے، وہ شخص بدعتی، جماعت سے خارج، منہج سنت اور راہِ حق سے منحرف ہے۔

مملکتِ سعودی عرب کی تاسیس اور اس مبارک مملکت کے قیام کے ساتھ ساتھ ان عظیم ائمہ کرام امام محمد بن عبدالوہاب اور امام امیر محمد بن سعود (واولادہم رحمۃ اللہ علیہم جمیعا) نے اصلاح و دعوت کے کام کو بھی جاری رکھا اور توحیدِ خالص کی دعوت کو عام کیا۔ یہ ائمہ کرام آلِ سعود اور آلِ شیخ (رحمۃ اللہ علیہم جمیعا) تمام کے تمام حنبلی تھے اور امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید کیا کرتے تھے۔ اسی تقلید کے بارے میں ایک مقام پر امام محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے الشیخ عبداللہ فرماتے ہیں:

وأما تقليد من بذل جهده في اتباع ما أنزل الله وخفي عليه بعضه، وقلد فيه من هو أعلم منه فهذا محمود غير مذموم وماجور غير مازور. (۱)

رہا ایسا شخص جو احکامِ الٰہی کی پیروی میں اپنی پوری کوشش صرف کرے اور بعض غیر واضح مسائل میں اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید کرے تو یہ اچھی بات ہے، کوئی بری نہیں، وہ شخص عنداللہ ماجور ہوگا، گنہگار نہ ہوگا۔

ہمارے آج کے دور کے جدید فتنوں میں ایک فتنہ عدمِ تقلید کا فتنہ بھی ہے، مادر پدر آزادی اور کھلی آوارگی چاہنے والے یہ لوگ نہ صرف اپنے آپ کو ہر قسم کی پابندی سے مستغنی سمجھتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ ہر ایک شخص براہِ راست کتاب وسنت سے مسائل استنباط کرے (حالاں کہ یہ کام مجتہدین علماء وفقہاء ہی کر سکتے ہیں، جو اجتہاد کے درجہ پر فائز ہیں) اور کسی بھی امام کی تقلید نہ کرے، ان لوگوں کا یہ سنہرا نعرہ بھی عام ہے کہ ہم تو صرف کتاب وسنت کو مانتے ہیں، کسی امام یا فقیہ وغیرہ کی تقلید نہیں کرتے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں امام محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے الشیخ عبداللہ (رحمۃ اللہ علیہم) نے فرمایا:

---

(۱) الدرر السنية ۲٦/٤

وإن لم يكن فيه أهلية كحال العوام الذين لامعرفة لهم بأدلة الكتاب والسنة فهؤلاء يجب عليهم التقليد وسؤال أهل العلم فقط. (۱)

اوراس میں اگراہلیت نہ ہوجیسا عوام کا حال ہوتا ہے کہ ان میں کتاب وسنت کے دلائل سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی تو انہی لوگوں پر تقلید اورصرف اہل علم سے سوال کرنا واجب ہے۔

الشیخ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے امام الدعوۃ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا :

وأما في الفروع والأحكام فهو حنبلي المذهب لايوجد له قول مخالف لما ذهب إليه الأئمة الأربعة بل ولاخروج عن أقوال أئمة مذهبه. (۲)

فروعی احکام ومسائل میں وہ مسلکاً حنبلی تھے، ان کا کوئی قول ایسا نہیں جو ائمہ اربعہ کے مسلک کے خلاف ہو، بلکہ اپنے مذہب کے ائمہ کے اقوال سے بھی انھوں نے خروج نہیں کیا۔

ائمہ کرام کے ان اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ عوام الناس کے لئے فتنوں سے بچاؤ اور ذہنی اُلجھنوں سے نجات کے لئے ضروری ہے کہ وہ بجائے خود تحقیق کرنے کے علماءِ کرام اور فقہاءِ عظام پر اعتماد کرتے ہوئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کریں اور اہل علم کے فتاویٰ پر عمل کریں۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ امام محمد بن عبدالوہاب اور امام امیر محمد بن سعود اور ان کی اولاد (رحمۃ اللہ علیہم جمیعا) جو اپنے وقت کے ائمہ ہدایت ہی نہیں، ائمہ جہاد بھی تھے، یہ سب کے سب حنبلی المذہب تھے اور جمہور فقہاءِ کرام کی رائے پر عمل کرتے تھے، ائمہ اربعہ نے جن جن مسائل میں اجماع اختیار کیا ہے، اس اجماع کی پابندی کرتے تھے، حتی کہ بعض مسائل میں امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم رحمۃ

(۱) الدرر السنية ٢٦/٤ (۲) الدرر السنية ٤٤٦/١

اللہ علیہما کے ان فتاویٰ کو بھی ترک کر دیتے تھے جو مذہبِ حنبلی یا ائمہ اربعہ کے فتاویٰ سے مختلف ہوتے تھے، مثلاً ایک مجلس کی تین طلاق میں اسی مسلک کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

هذا وعندنا أن الإمام ابن القيم وشيخه إمام حق من أهل السنة وكتبهم عندنا من أعز الكتب إلا أنا غير مقلدين لهم في كل مسألة ، فإن كل أحد يؤخذ من قوله ويترك إلا نبينا محمد صلى الله عليه وسلم ومعلوم مخالفتنا لهما في عدة مسائل منها طلاق الثلاث بلفظ واحد في مجلس ، فإنا نقول به تبعا للأئمة الأربعة و نرى الموقف صحيحا . (۱)

ہمارے نزدیک امام ابن القیم اور ان کے شیخ امام حق تھے اور اہل سنت میں سے تھے، ان کی کتابیں ہمارے نزدیک بڑی قیمتی اور معتبر کتابیں ہیں، مگر یہ کہ ہم پھر بھی ہر مسئلہ میں ان کی تقلید کرنے والے نہیں، کیوں کہ ہمارے نبی محمد ﷺ کے سوا ہر شخص ایسا ہے کہ اس کی کچھ باتیں قبول کی جاتی ہیں تو کچھ چھوڑ دی جاتی ہیں، کئی مسائل میں ہماری ان دونوں (اماموں) سے مخالفت معروف ہے، جن میں ایک ہی لفظ سے ایک ہی مجلس میں تین طلاق والا مسئلہ ہے کہ ہم ائمہ اربعہ کی اتباع میں اسی کے قائل ہیں (کہ یہ تین طلاق شمار ہوں گی) اور اسی موقف کو صحیح سمجھتے ہیں۔

فضیلۃ الدکتور عبدالعزیز بن ابراہیم العسکر (حفظہ اللہ تعالیٰ) نے موجودہ مملکتِ سعودی عربی کے بانی الامام القائد المجاہد عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے حجاجِ کرام سے خطاب کرتے ہوئے ۱۳۵۶ھ میں کہا تھا :

والذي نمشي عليه هو طريق السلف ونحن لانكفر أحدا إلا من كفره الله ورسوله وليس لنا مذهب سوى مذهب السلف الصالح

(۱) ۱

ولا نؤيد بعض المذاهب على بعضها فأبو حنيفة والشافعيؒ ومالك وابن حنبل أئمتنا فمن وجدنا الحديث الصحيح معه اتبعناه فإن لم يكن هناك نص فإنما هو الاجتهاد في الفروع والاصل كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم .

ہمارا طریقہ وہی ہے جو سلفِ صالحین کا تھا، ہم کسی کو کافر نہیں کہتے ، اِلا یہ کہ اللہ اوراس کا رسول ہی اسے کافر قرار دے، سلفِ صالحین کے مذہب کے سوا ہمارا کوئی دوسرا مذہب نہیں اور نہ ہم ایک فقہی مذہب کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں ، پس امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہمارے امام ہیں ، البتہ جس مسئلہ میں جن کے قول کو حدیثِ صحیح کے موافق پاتا ہوں اس کی اتباع کرتا ہوں اور جب کسی مسئلہ کی بابت کوئی نص موجود نہ ہوتو پھر وہ فروعی مسائل ہیں جنھیں اجتہاد کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے اور اصل کی حیثیت بہرحال اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی کو حاصل ہے

جلالۃ الملک امام عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا :

فعليكم بالتفقه في دينكم واتباع نبيكم صلى الله عليه وسلم وسلفكم الصالح من الصحابة والتابعين لهم باحسان إلى يوم القيامة ، وقد تقدم لكم البيان بأننا في الاصل على القران ، وفي الفروع على مذهب الامام أحمد بن حنبل رضى الله عنه . (۱)

آپ لوگوں پر ضروری ہے کہ دین کی صحیح سمجھ پیدا کریں اور نبی ﷺ ، سلفِ صالحین یعنی صحابۂ کرام اور قیامت تک آنے والے ان کے متبعین کی اتباع کریں اور جیسا کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک اصل کی حیثیت قرآن کو حاصل ہے اور فروعی مسائل میں ہم امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے پابند ہیں۔

---

(۱) نص نداء الامام عبدالعزيز بن عبدالرحمان رحمه الله ماخوذ من حياة الملك عبدالعزيز ۲۰۳

یہاں محاکم قضاء میں امام احمد بن حنبل کے مفتی بہ قول پر عمل وفیصلہ کے سلسلے میں قضاء کمیٹی کی تجویز نمبر ۳ تاریخ ۱۳۴۶/۱/۱۷ھ ملاحظہ ہو :

أ – أن يكون مجرى القضاء فى جميع المحاكم منطبقا على المفتى به من مذهب الامام احمد بن حنبل نظر السهولة مراجعة كتبه

ج – يكون اعتماد المحاكم في سيرها على مذهب الامام احمد على الكتب الآتية :

۱ – شرح المنتهى ۲ – شرح الاقناع

تمام عدالتوں میں فیصلہ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے مفتی بہ قول پر کیا جائے، اس لئے کہ اس میں کتابوں کی مراجعت میں سہولت ہے ——

(ج) عدالتیں فقہ حنبلی کے سلسلہ میں ان کتابوں پر اعتماد کریں : (۱) شرح المنتہیٰ (۲) شرح الاقناع

سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا :

وانّ اتباع الشيخ محمد بن عبد الوهاب رحمه الله كلهم من الحنابلة و يعترفون بفضل الأئمة الأربعة و يعتبرون أتباع المذاهب الأربعة إخوة لهم فى الله . (۱)

اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام پیروکار حنبلی ہیں، ائمہ اربعہ کے فضل کا اعتراف کرتے ہیں اور مذاہب اربعہ کے ماننے والوں کو دینی بھائی سمجھتے ہیں۔

خود فضیلۃ الشیخ علامۃ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مفتی عام مملکت سعودی عرب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں لکھتے ہیں :

---

(۱) مجموع فتاوىٰ ومقالات متنوعة للشيخ رحمة الله طبع مكتبة المعارف للنشر و التوزيع بالرياض الجزء الخامس ۱۵۰

مذهبي في الفقه هو مذهب الإمام أحمد بن حنبل رحمه الله . (۱)

فقہ میں میرا مسلک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

علامہ شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور کاتب و عالم الشیخ ابوعبدالرحمٰن ابن عقیل الظاہری لکھتے ہیں :

والشيخ حنبلي في أصول الفقه لاأعرف له اجتهادا يخالف الأصول عند الحنابلة ، وهو حنبلي في الفقه بالجملة . (۲)

شیخ اُصولِ فقہ میں حنبلی تھے، میں ان کے بارے میں کوئی ایسا اجتہاد نہیں جانتا جو حنابلہ کے اُصول کے خلاف ہو، وہ فقہ میں مجموعی طور پر حنبلی تھے۔

ارضِ حرمین میں قیام کے ساتھ ساتھ اللہ کا یہ بڑا فضل اور کرم ہے کہ اس نے اس ناچیز کو یہاں درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور لوگوں کی دینی رہنمائی جیسی حساس ذمہ داری اور دینی خدمت سے وابستہ رکھا۔ چنانچہ جدہ کی بعض بڑی مساجد اور دیگر حلقوں میں کئی برسوں سے اُردو زبان میں احقر کے درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔اس کے علاوہ کتاب التوحید الاصول الثلاثة ، شمائل ترمذی ، ریاض الصالحین اور بعض دوسری اہم کتابوں کا درس بھی ہو چکا ہے۔ یہ دروس سعودی عرب کی وزارة الشئون الاسلامية کی اجازت بلکہ اس کی نگرانی میں ہوتے ہیں جن میں اُردو داں طبقہ بڑے جوش و خروش سے شریک ہوتا ہے۔ الحمدللہ ان دروس سے ہزاروں مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ کی توفیق اور اس کا فضل ہے۔فللّٰه الحمد والشكر على ذلك .

سعودی عرب بلکہ پورے خلیج میں برصغیر سے تعلق رکھنے والے اُردو داں حضرات کی ایک بہت بڑی تعداد عرصہ دراز سے مقیم ہے۔عرب باشندوں کے لئے عربی زبان اسی طرح انگریزی زبان جاننے والوں کے لئے تو عربی و انگریزی میں کئی اخبارات عرصہ سے مملکت

---

(۱) امام العصر / الدكتور ناصر الزهراني ۵۲

(۲) روزنامہ الجزیرہ ، شمارہ ۹۷۳۰

سعودی عرب اور خلیج سے شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن اُردو جاننے والوں کو عالمی احوال سے واقف رکھنے اور ان تک تازہ ترین خبریں پہنچانے کے لئے میدانِ صحافت میں ایک اُردو اخبار کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ عالی جناب علی حافظ رحمہ اللہ کی اولاد (ابناء حافظ) حفظهم الله تعالى ورعاهم قابل مبارکباد اور اُردو بولنے والوں کی دُعاؤں کے مستحق ہیں کہ انھوں نے خلیجی ممالک میں پائی جانے والی اس خلیج کو دور کر کے ابناءِ برصغیر کی تشنگی کو دور کردیا۔ چنانچہ آج سے تقریباً ۱۹ سال قبل عرب دُنیا سے پہلا اُردو اخبار'' روزنامہ اُردو نیوز'' شائع ہونا شروع ہوا اور مختصر سے عرصہ میں اُردو صحافت کے میدان میں '' سنگ میل'' کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جس کا سہرا یقیناً اُردو نیوز کے سرپرست، ذمہ داران اور محنتی عملے کے سر ہے۔ اللہ ان سب کی کوششوں کو قبول فرمائے اور بہترین جزاء سے نوازے۔

لوگوں کی دینی رہنمائی اور روزانہ پیش آنے والے قدیم و جدید مسائل میں عوام کو احکامِ شریعت سے باخبر کرنا اہل علم کی بڑی ذمہ داری ہے۔ الحمد للہ مملکت میں وزارۃ الشئون الاسلامیہ کے تحت دعوت وارشاد کے مراکز اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے ہر منطقے میں قائم ہیں اور مرکزی افتاء کمیٹی بھی یہ خدمت سرانجام دیتی ہے جس کی سرپرستی اور نگرانی جلیل القدر مشائخ اور مملکت کے مشہور اہل علم فرماتے ہیں۔ لیکن اُردو داں حضرات کی رسائی عام طور پر وہاں تک نہیں ہو پاتی اور عربی زبان سے ناواقفیت کماحقہ استفادہ کرنے میں رکاوٹ رہتی ہے۔ ان سب کے باوجود اخبار ایک ایسا اہم ذریعہ ہے کہ اس سے بات مختصر وقفہ میں کافی لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ آج کل تقریباً ہر زبان کے اخبارات میں دینی سوال و جواب اور اسلامی مضامین کا سلسلہ فائدہ سے خالی نہیں۔ اُردو نیوز اخبار میں بھی روز اول سے '' اسلام اور زندگی'' کے عنوان سے قارئین کے سوالوں کے جوابات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اور یہ نازک ذمہ داری ناچیز کے سر ڈالی گئی۔ واقعہ ہے کہ یہ ناچیز اپنے آپ کو اتنی بڑی اور اہم ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتا لیکن محض اللہ کے بھروسہ اور توکل پر نیز اپنے بزرگوں اور علماء کے مشورے سے بلکہ ان کے حکم پر یہ سلسلہ شروع کردیا گیا۔ انہی بزرگوں کی دُعا سے الحمد للہ بہت جلد یہ سلسلہ کافی مقبول ہو گیا، جس کا ثبوت وہ سینکڑوں خطوط ہیں جو ہم

تک پہنچتے ہیں۔ ہر ہفتہ اتنی کثیر تعداد میں خطوط آتے ہیں کہ ان سب کا جواب اخبار میں دینا ہمارے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض ضروری اور اہم نیز نجی سوالوں کے جواب ہم براہِ راست ڈاک کے ذریعہ بھی دے دیا کرتے ہیں۔ اللہ ہماری اس خدمت کو اپنے فضل سے روزِ آخرت بھی شرفِ قبولیت سے نوازے (آمین)

جوابات کے سلسلے میں صرف ''ہاں یا نہ'' پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ بالعموم کتاب وسنت سے دلائل بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔ مختلف فیہ مسائل میں صحابہ کرام اور تابعین کے افعال و آثار کے ساتھ ائمہ کرام کی تحقیقات واجتہادات، نیز ان کے فتاویٰ سے بھرپور استفادہ کیا جاتا ہے۔ جدید قسم کے مسائل میں معاصر اکابر علماء کی آراء حاصل کی جاتی ہیں۔ پھر اُصولِ فقہ اور کتاب وسنت کے بیان کردہ قواعدِ شریعت کی روشنی میں معتدل رائے اختیار کی جاتی ہے جس میں اُمت کے لئے سہولت ہو۔ چوں کہ قارئین کی اکثریت کا تعلق فقہ حنفی سے ہے، اس لئے اکثر جوابات فقہ حنفی کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ تاہم کبھی دلائل کی قوت اور وقت کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے دبستانِ فقہ کی رائے بھی اختیار کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مذاہبِ اربعہ کی مستند اور اُمہاتِ کتب ہمارے پیش نظر رہتی ہیں۔ مملکتِ سعودی عرب کے اکابر و مشائخ کی علمی تحقیقات سے استفادہ کے ساتھ بھی سعودی عرب کی افتاء کمیٹی اور ''اللجنة الدائمة للبحوث والافتاء'' کے فتاویٰ بھی اُردو میں ترجمہ کر کے نقل کئے جاتے ہیں۔ جوابات کے سلسلے میں ہمارا ایک اہم اُسلوب اور شاید افتاء نویسی میں ''نیا اُسلوب'' یہ ہے کہ مسئلہ کا اصل فقہی حکم دلائل کی روشنی میں ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ بعض اہم مسائل میں دعوت و تذکیر اور وعظ و نصیحت کا انداز اختیار کیا جاتا ہے تا کہ جواب مجرد جواب نہ رہے بلکہ یہ مختصر نصیحت اور بھلائی کی دعوت بھی ہو سکے۔ دعوت و تذکیر کا اُسلوب ہم اس لئے بھی اختیار کرتے ہیں کہ اخبار میں شائع ہونے والے سوال و جواب سے صرف وہی لوگ مستفید نہیں ہوتے جنھوں نے ہم سے سوال کیا اور اپنا مسئلہ ہمیں لکھ کر رہنمائی چاہی بلکہ پورے خلیج میں ہزاروں افراد تک یہ اخبار پہنچتا ہے اور عوام کے عائلی مسائل ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں، نیز عقائد کی کمزوری اور برصغیر میں رائج بعض بدعات اور شرکیہ افعال و رسوم

سے اکثر کم علم لوگ یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض بلکہ اکثر اپنے وطن میں صحیح العقیدہ اہل علم تک پہنچ نہیں پاتے کہ وہ کتاب وسنت سے صحیح رہنمائی حاصل کرسکیں اور اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کرسکیں ۔ چنانچہ ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ اصلاح طلب مسائل میں جواب کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ذہن وفکر کی تطہیر بھی ہو۔الحمدللہ ہمارے اس نئے انداز اور اُسلوب سے لوگوں نے بھر پور فائدہ اُٹھایااور معاصر اہل علم اور اکابر نے ہماری اس حقیر کوشش کوسراہااور ہمت افزائی کی ۔ہم اس کامیابی پر بارگاہِ الٰہی میں نذرانہ حمد وشکر پیش کرتے ہیں ۔الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات ۔

سوال و جواب کا یہ سلسلہ اخبار کی اشاعت کے روزِ اول سے الحمدللہ تاحال جاری ہے ۔اخبار کی افادیت عام ہونے کے باوجود اس کی زندگی بہرحال محدود ہوتی ہے ۔اس لئے عرصۂ دراز سے قارئین کی شدید خواہش تھی کہ اخبار میں شائع ہونے والے سوال و جواب کو کتابی شکل میں شائع کرایا جائے ، تاکہ اس سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوں جن تک اخبار نہیں پہنچتا، نیز آئندہ آنے والے لوگ بھی اس سے فائدہ اُٹھاسکیں ۔اور یہ حقیر علمی کاوش ان کے لئے محفوظ ہوجائے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے مدد وتوفیق طلب کرتے ہوئے محض اس کے بھروسہ اور توکل پر یہ کام شروع کرایا گیا۔ ہندوستان کی مشہور علمی ودینی شخصیت معروف محقق اور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حفظہ اللہ سرپرست المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد (دکن) نے ازراہِ شفقت اس کام کی بذاتِ خود نگرانی فرمائی ۔ہم ان کے بے حد شکر گذار ہیں ۔ اللہ انھیں اس کا بہتر صلہ اور اجر عطا فرمائے ۔حضرۃ الشیخ علامہ انظر شاہ کشمیری حفظہ اللہ شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبند (وقف) کے لئے بھی تہہ دل سے دُعاگو اور شکر گذار ہوں کہ آں محترم نے اس مجموعہ جوابات کی تقریظ لکھ کر اس ناچیز اور ادنیٰ طالب علم کی ہمت افزائی فرمائی ۔فجزاہ اللہ خیر الجزاء ۔

جن لوگوں کا شکریہ واجب ہے ان میں خصوصیت سے میرے معاون اور عزیز بھائی مولانا محمد عابد ندوی بھی شامل ہیں ، جو روزِ اول سے میری معاونت کا کام اخلاص ومحنت سے انجام دے رہے ہیں ۔فجزاہ اللہ خیر الجزاء ۔تمام علماء، اساتذہ کرام اور اپنے اکابرین

کے لئے بھی دُعا گو ہوں اوران کے لئے دل شکر کے جذبات سے لبریز ہے۔جن کی دعائیں، شفقت، مشورے، علمی رہنمائی اورتعاون شریک حال رہے۔پاکستانی کمیونٹی کے تمام ذمہ دار حضرات اور سارے بھائیوں اور بہنوں کا بھی مشکور ہوں جو وقتاً فوقتاً میری ہمت افزائی کرتے رہےاوراپنی دُعاؤں میں یادرکھا۔انڈین مسلم کمیونٹی کے لئے بھی تہہ دل سے دعا گو ہوں جن کے ہاں (جغرافیائی اورزمینی تقسیم کے باوجود) میں نے اپنوں سے زیادہ اپنائیت اورمحبت واخلاص پایاہے۔فجزاهم الله جميعا خير الجزاء ۔آخر میں تمام قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اپنی دُعاؤں میں یادرکھیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کواخلاص واستقامت کی توفیق دے۔ہمارے اعمال صالحہ کوقبول فرمائے۔شیطان اورنفس امارہ کے وساوس سے محفوظ رکھے۔شیاطین انس وجن، حاسدین اور مفسدین کے جملہ شرور سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔(آمین)

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم وصل اللّٰهم وسلم على سيدنا محمد النبى الامى و على اله وصحبه اجمعين .

عبدالباسط محمد

(جدہ)

امتنان و تشکر

اللہ تعالیٰ کا شکر تو ہر حال میں اوّلاً و آخراً واجب و ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان تمام احباب و متعلقین اور معاونین کے لئے بھی تہہ دل سے دُعا گو ہوں جن کا تعاون شامل حال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد والدین کا شکر واجب ہے اور ان کے لئے خلوص دل سے دُعا گو ہوں (بلکہ قارئین سے بھی درخواست ہے کہ میرے والدین کی مغفرت کے لئے دُعا فرمائیں جن کا اِسی سال انتقال ہو چکا ہے) یہ والدین کی صحیح تربیت اور دُعاؤں کا نتیجہ ہے کہ یہ بندۂ کمزور اس اہم دینی کام کی انجام دہی کے قابل ہوا ہے۔

گھریلو سکون اور خانگی اُمور میں راحت و آرام کا سبب میری اہلیہ امّ عبداللہ اور میرے دونوں بیٹے عبداللہ اور انس بنے ہیں، بلکہ ان کا تعاون اور ہمت افزائی بہت سارے دینی اُمور کی ادائیگی و تکمیل کا باعث رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر ہر کوشش اور تعاون پر بھرپور اور بہترین اجر و ثواب سے نوازے۔ (آمین)

حلقہ درس قرآن و حدیث جدہ اور دوسرے علاقوں و ملکوں میں قیام پذیر تمام ساتھی اور احباب بھی شکریے اور دُعا کے مستحق ہیں، جو دین سیکھنے سکھانے کے اس مبارک عمل میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ مسجد التعاون جدہ، مسجد الشعیبی جدہ اور دوسرے ملکوں میں قائم ہمارے حلقہ دروس سے وابستہ تمام بھائی اور بہنیں میری اور تمام قارئین کی دُعاؤں کی مستحق ہیں کہ ان کی طرف سے بھی بھرپور تعاون ہمیں حاصل رہا ہے۔

اعترافِ تقصیر

سوالوں کے جوابات میں نہایت ہی احتیاط برتی گئی ہے، یہ جوابات کئی نامور اہل علم کی خدمت میں نظر ثانی کے لئے پیش بھی کئے گئے ہیں، اس کے باوجود غلطی اور بھول چوک کا امکان ہے (بلکہ یقین ہے) لہٰذا قارئین اگر کوئی غلطی پائیں تو ہمیں اس کی اطلاع دے کر مشکور وممنون ہوں، تاکہ کتاب کے آئندہ ایڈیشن میں ان غلطیوں کی اصلاح کر دی جائے۔ کتاب میں جو کچھ بھی صحیح اور حق ہے وہ من جانب اللہ ہے اور اسی کی توفیق سے ہے، کتاب میں اگر کوئی غلطی ہے تو یہ ہماری غلطی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی غلطیوں سے درگذر فرما کر ہماری ہر اچھی کوشش کو قبول فرمائے۔ (آمین)

یہاں کے مشہور عالم دین سماحۃ الشیخ عبداللہ بن جبرین /حفظہ اللہ نے اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہم اس کو اختصار کے ساتھ نقل کر کے اپنے جذبات بھی ان کے جذبات میں شامل کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إنّني معترف بالنقص و القصور و قلة التحصيل و ضعف المعلومات و كثرة الخطأ ، و أسأل الله تعالىٰ العفو و الغفران وستر العيوب و النقائص ، فما كان فيها من الصواب فمن الله تعالىٰ وحده و هو الذى وفّق له و هدى ، و ما كان من خطاءٍ أو زلل فمنّى و من الشيطان ، و أستغفر الله مما وقع منى و أقول لطلّاب العلم أن لايعتمدوا على فتوى تخالف الدليل أو الحق و الصواب ، فإنّ الحق نور و الإثم ما حاك فى صدرك ، فلابد من مراجعة الكتب و المؤلفات و تطبيق الفتاوىٰ الاجتهادية لي

ولغيري على كلام العلماء ، فإنّ الأوّل لم يدع للآخر مقالاً .
والله أعلم . (۱)

میں کوتاہی، کم علمی اور غلطیوں کی کثرت کا اعتراف کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر، مغفرت اور عیوب و نقائص کی پردہ پوشی کا طالب ہوں، جو کچھ بھی اس میں صحیح و درست ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اسی کی ہدایت و توفیق کی وجہ سے ہے اور جو کچھ غلطی یا لغزش ہو وہ میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ میں اس سلسلے میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور طالبانِ علم سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ کسی ایسے فتویٰ پر اعتماد نہ کریں جو کسی دلیل اور حق و صواب کے مخالف ہو، بے شک حق روشن ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے۔ پس میرے اور میرے علاوہ دوسروں کے اجتہادی فتاویٰ کی علماء کے کلام سے تطبیق اور (اس سلسلے میں) مؤلفات و کتب کی مراجعت ضروری ہے، کیوں کہ پہلوں نے بعد والوں کے لئے کسی بات کی گنجائش نہ چھوڑی۔ واللہ اعلم

---

(۱) مجلة البيان العدد : ۱۳۲ شعبان ۱٤۱۹ھ

پہلا باب

ایمان و عقیدہ

ایمان کی حقیقت

سوال اسلام وایمان کی حقیقت اور تعریف کیا ہے؟

جواب اسلام :

اسلم یسلم اسلاماً باب افعال کا مصدر ہے، جو انقیاد، فرماں برداری اور خوشی و رغبت سے جھک جانے اور کسی قسم کی سرکشی اور اعراض کے بغیر کسی کا حکم تسلیم کر لینے کے معنی میں آتا ہے، اس کا مادہ 'س ل م' ہے جس کا معنی محفوظ ہونا ہے اور شریعت کی اصطلاح میں اسلام فرماں برداری، احکام الٰہی کی اطاعت اور دین اسلام کے ارکان کے بجالانے سے عبارت ہے — مذہب اسلام کو اسی لئے اسلام کہتے ہیں کہ اس کو قبول کرنے والا اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر کے اس کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ کبھی کبھی صرف ظاہری اظہار و اطاعت پر بھی جو دل سے نہ ہو ''اسلام'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کا بیان ہے :

قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ۔

(سورۃ الحجرات ۱۴)

دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، آپ کہہ دیجئے کہ درحقیقت تم ایمان نہیں لائے، لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے۔

اسلام کے پانچ بنیادی اہم ارکان ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ہی اسلام ہے، چنانچہ حدیث جبرئیل میں ہے :

قال یا محمد! اخبرنی عن الاسلام ۔ قال : ان تشھدان لا الہ الا

الله وأن محمدا رسول الله، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة، وتصوم رمضان، وتحج البيت ان استطعت اليه سبيلا. (۱)

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا محمد! (ﷺ) آپ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس حقیقت کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو پابندی کے ساتھ مسنون طریقہ سے نماز ادا کرے اور زکوۃ دے اور رمضان شریف کے روزے رکھے اور طاقت واستطاعت ہونے کی صورت میں بیت اللہ کا حج کرے۔

(۱) اسلام کا پہلا رکن اللہ تعالیٰ وتقدس کی وحدانیت اور رسالت محمد ﷺ کی شہادت وگواہی دینا ہے، حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ شہادت کا زبان سے ادا کرنا اسلام کی شرط ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص شہادت یا کلمہ "اشهد" کی جگہ "اعلم" زبان سے ادا کرے تو وہ مسلمان نہ سمجھا جائے گا۔

(۲) دوسرا رکن نماز پڑھنا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا "وتقيم الصلاة" اقامت صلوٰۃ سے مراد اسے صحیح، درست اور اس کی پوری شرائط، سنن ومستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنا ہے۔

(۳) تیسرا رکن زکوٰۃ ادا کرنا ہے، ادائیگی زکوٰۃ سے مال میں اضافہ اور اس کی تطہیر ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی سے ایمان کی صحت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعویٰ محبت کی سچائی کا اظہار ہوتا ہے۔

(۴) چوتھا رکن رمضان المبارک کے روزے رکھنا ہے۔

(۵) پانچواں رکن بیت الحرام کا حج کرنا ہے، جب کہ اس کی استطاعت بھی ہو، اکثر علماء کے نزدیک استطاعت، اہل وعیال کے نفقہ کے بعد سفر خرچ اور سواری کا میسر ہونا اور راستہ کا پرامن ہونے سے عبارت ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري باب سؤال جبرئيل، كتاب الايمان

ایمان :

آمن یومن ایماناً باب افعال کا مصدر ہے جس کا معنی ''امن دینا، تصدیق کرنا، اعتماد و بھروسہ کرنا، تابع دار و مطیع ہونا'' ہے ـــــ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں : اگر متعدی ہو تو اس کے معنی ہیں کسی کو امن دینا۔ ''مومن'' اسی معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت آئی ہے اور غیر متعدی ہونے کی صورت میں امن والا ہو جانا یا اعتماد کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایمان کی اصل چھ چیزیں قرار دی ہیں ـــــ جیسا کہ حدیث جبرئیل میں ہے :

قال اخبرنی عن الایمان . قال أن تؤمن باللّٰہ وملائکتہ ورسلہ وکتبہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ . (۱)

پھر انھوں نے عرض کیا کہ مجھے آپ ایمان کے بارے میں بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کے رسولوں پر، اُس کی کتابوں پر، آخرت کے دن پر اور یہ کہ تو اس کی اچھی و بری تقدیر پر ایمان لائے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی ذات، اُس کی ثبوتی اور سلبی صفات اور اس کی تنزیہہ و تقدیس پر ایمان لائے اور اُسے تمام عیوب و نقائص اور حدوث و فنا کے نشانات سے پاک جانے۔

فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ نورانی مخلوق ہیں جو مختلف شکلیں تبدیل کرنے کی قدرت رکھتی ہیں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں، اللہ کا ہر حکم بجالاتے ہیں اور اس کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔

رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و عدمِ رضا اور صراطِ مستقیم سے واقف کرانے کے لئے کچھ برگزیدہ لوگوں اور نیک نفس انسانوں کو منتخب کیا ہے، جنھیں نبی اور رسول کہتے ہیں، اللہ کی ہدایات اور احکامات ان ہی برگزیدہ پیغمبروں کے ذریعہ

(۱) مشکوۃ المصابیح ، کتاب الایمان

معلوم ہوتے ہیں، سب سے پہلے سیدنا آدم علیہ السلام نبی بن کر آئے اور سب سے آخر میں ہمارے پیغمبر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، آپ کا لایا ہوا دین اور شریعت آخری ہے، آپ کے بعد نہ قیامت تک کوئی نبی آئے گا اور نہ ہی نئی شریعت اور نئی کتاب آئے گی۔

کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو آسمانی کتابیں نازل فرمائی ہیں ان کے بارے میں وہ یقین کرے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، جو قدیم ہے اور حرف و آواز سے خالی ہے، ان کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے تختیوں یا فرشتوں کی زبانوں میں حروف و آواز ایجاد کر کے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمایا، یا پھر فرشتوں کے واسطے کے بغیر بذریعہ الہام نازل فرمایا اور تمام آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کا سچا اور ثابت کلام ہے جن میں چار زیادہ مشہور ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

تورات —— جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

انجیل —— جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

زبور —— جو سیدنا داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

قرآنِ کریم — جو ہمارے پیغمبر محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

قرآن سب سے آخری کتابِ الٰہی ہے، جس کی اطاعت ہر شخص پر واجب ہے اور اس سے منہ موڑنا دنیا و آخرت میں خسران کا باعث ہے۔

قیامت پر ایمان لانا، یعنی آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ساری کائنات ختم ہو جائے گی، اس کائنات کی تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ہر شخص کے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا، جس کے نیک اعمال زیادہ ہوں گے اسے اللہ ربّ العزت کے فضل و کرم سے جنت میں داخلہ کا پروانہ ملے گا اور جس کے برے اعمال زیادہ ہوں گے، وہ جہنم کی آگ میں سخت سزاؤں کا مستحق ہوگا، ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا، کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر اچھی، بری چیز کو ازل سے جانتا ہے اور اسے ایک اندازے پر پیدا فرمایا ہے اور جو کچھ کائنات میں واقع ہو چکا

ہے یا ہوگا سب اس کے قضاء وقدر اور ارادہ ومشیت کے مطابق ہے۔(۱)

ایمان واسلام کے فرق کے سلسلہ میں علماء نے طویل بحث کی ہے، مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام ظاہری اعمال اور ایمان باطنی اعتقاد کا نام ہے اور دین دونوں کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ واللہ اعلم

ایمان کے شعبے

سوال ایمان کے کل کتنے شعبے ہیں؟ کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہیں؟

جواب ایمان کے کئی شعبے ہیں، جن کو تفصیل سے کتبِ حدیث میں بیان کیا گیا ہے، یہ شعبے حقیقت میں اس متفق علیہ حدیث کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں، جس میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ۶۰/ سے زیادہ (۶۳ تا ۶۹) درجے ہیں، ایک دوسری روایت میں ہے: ایمان کے ۷۰/ سے زیادہ (۷۳ تا ۷۹) درجات ہیں، جن میں سب سے افضل اور اعلیٰ کلمۂ لا الہ الا اللہ کا کہنا اور ادنیٰ درجہ راستوں سے نقصان دہ چیزوں کا ہٹانا ہے(۲) امام البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے ایمان کے ان تمام شعبوں کو چھ جلدوں پر مشتمل اپنی ضخیم کتاب میں بیان فرمادیا ہے، جس کا نام ہے "شعب الایمان"۔

کفریہ کلمات سے احتراز ضروری ہے

سوال میرے ایک دوست نے ایک دن غصے کے عالم میں منہ سے کفریہ جملہ نکالا، اب وہ پشیمان ہے کہ کیا کرے؟ (حاجی خلیل الرحمان، ریاض)

جواب آپ کے جس دوست نے غصے میں کفریہ کلمات بکے ہیں، اگر وہ واقعی نادم ہے تو صدق دل سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ سے معافی ومغفرت طلب کرے اور آئندہ اس قسم کا گناہ نہ کرنے کا عہد کرے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الباری ۱/۱۵۳-۱۵۸، کتاب الایمان، اشعۃ اللمعات: جلد ۱ کتاب الایمان فصل اول

(۲) مسلم عن أبی ہریرۃ حدیث ۳۵ باب بیان عدد شعب الایمان و أفضلها و أدناها، کتاب الایمان

مسلمان کو کافر کہنا

سوال ایک آدمی جو کہ شاعر بھی ہے، اس نے ایک قبیلے کے خلاف کتاب لکھی اور اس قبیلے کو کافر قرار دیا، جو کہ ابتداء سے مسلمان ہے اور اس میں صالحین بھی گذرے ہیں، جن صاحب نے اس برادری کے لوگوں کو کافر قرار دیا، وہ خود کو شاہ کہلاتے ہیں، کیا شرعاً کسی مسلمان کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے؟

(محمد فاروق اور دیگر ساتھی، ریاض)

جواب کسی بھی مسلمان کو کافر قرار دینا کوئی معمولی اور عام مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ نہایت ہی حساس اور نازک مسئلہ ہے، علماءِ اُمت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بتایا ہے کہ تکفیر مسلم کتنا بڑا جرمِ عظیم ہے۔ اس سلسلہ میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کے کلام میں درست اور صحیح تاویل کی گنجائش باقی ہو اور اس کے کلام کے کفریہ ہونے میں ائمہ مجتہدین کے درمیان ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف پایا جائے، اس وقت تک اسے کافر نہ کہا جائے، لیکن اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، یا کوئی ایسی تاویل وتحریف کرے جو علماءِ اُمت کی اجماعی رائے کے خلاف ہو تو اس شخص کے کفر میں کوئی تامل نہ کیا جائے۔(۱)

برصغیر پاک و ہند میں تقسیم سے قبل یہ مسئلہ اتنا عام نہیں تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کھلے کافروں اور دشمنوں سے تھا، لیکن تقسیم کے بعد مسلمانوں کے باہم انتشار اور اختلاف و افتراق نے اس مسئلہ کی شرعی اہمیت اور اس کی نزاکت کو بالکل ختم کر دیا ہے، اب حالت یہ ہے کہ ہر ایک فرقہ اور ہر ایک مسلک و گروہ دوسرے تمام فرقوں اور دوسرے تمام مسالک کو بلا جھجک اور بلا تحقیق کافر قرار دے رہا ہے، جہاں اس مسئلے پر ایک طرف یہ بے احتیاطی ہوئی، وہیں دوسری طرف یہ ظلم ہوا کہ ایسے لوگ بھی مسلمان کہلاتے ہیں جو قرآن میں تحریف کے قائل ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن طعن اور تبرا کرتے ہیں، ازواجِ مطہرات پر (نعوذ باللہ) زنا جیسا گھٹیا الزام لگاتے ہیں اور کھلے عام اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، ایسی حالت میں قوم کو ایسے مصلحین کی ضرورت ہے جو قرآن وسنت کی روشنی

---

(۱) جواهر الفقه ۳٦/۱

میں اس مسئلے کی صحیح حقیقت کو پیش کریں اور بلاخوف و تردد صحیح رائے اور فتویٰ دیں، ہماری ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اس وقت ہماری دینی قیادت اصل مسائل اُمت سے بالکل ناواقف ہے یا جان بوجھ کر انجان بنی ہوئی ہے، سیاست اور فروعی و مسلکی اختلافات کے علاوہ ان کے ہاں اور کچھ بھی نہیں ملتا، کاش کہ علماءِ حق اس نازک صورتِ حال پر قوم کو اعتماد میں لیں اور اُمت کے شیرازے کو مزید بکھرنے سے بچانے کی کوشش کریں۔

کسی بھی مسلمان کے بارے میں جب تک یقین نہ ہو کہ اس نے کفر و شرک کیا ہے، اسلام کو ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے، انکارِ دین یا انکارِ شریعت کیا ہے، اُس وقت تک اسے کیسے کافر کہا جا سکتا ہے؟ جن باتوں کے انکار یا ان میں شک و شبہ کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے، ان کو علماء نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے، بغیر علم و تحقیق کے کسی کو کافر کہنے سے احتراز کرنا چاہئے، کیوں کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے کی حدیثِ رسول ﷺ میں سخت ممانعت اور وعید آئی ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے:

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال : اذا قال الرجل لأخیه یا کافر فقد باء بها أحدهما فان کان کما قال والا رجعت علیه . (۱)

اگر کسی نے اپنے بھائی کو کہا: اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک اسے لوٹ کر پائے گا، اگر وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ کہنے والے پر لوٹے گا۔

ایک دوسری روایت جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال : من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللّٰه ولیس کذلك الا حار علیه . (۲)

جس نے کسی شخص کو کفر کے الفاظ سے بلایا، یا ''اے اللہ کا دشمن'' کہا حالاں کہ وہ ایسا نہیں ہے تو اس کی وہ بات اسی پر لوٹے گی یعنی کہنے والا خود

---

(۱) صحیح البخاری : حدیث ۶۰۴۵ (۲) صحیح مسلم : حدیث ۶۱

''کافر'' یا ''اللہ کا دشمن'' سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی حرکتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

بادل وبجلی سب اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہیں

سوال جب آسمان پر بجلی چمکے تو کونسی دُعا مانگنی چاہئے؟ ہمارے یہاں جب بجلی چمکتی ہے تو بابا فرید شکر گنج کا نام لیا جاتا ہے، میں نے ایک دوست سے کہا کہ یہ ناجائز ہے تو اس نے کہا کہ جب بجلی زمین پر گری تھی تو بابا فرید شکر گنج نے اسے کسی چیز میں بند کرلیا تھا، کیا یہ سچ ہے؟ (حاجی امیر علی، ٹھٹھہ)

جواب احادیث میں آتا ہے کہ جب تیز ہوا چلتی اور بادل گرجتا تو رسول اللہ ﷺ فوراً تیزی سے مسجد میں جا کر نماز کا اہتمام فرماتے اور دُعا واستغفار میں مشغول ہو جاتے، بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج کے وقت جو دُعا آپ ﷺ پڑھتے، وہ یہ تھی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ . (۱)

اے اللہ اپنے غضب وغصہ سے تو ہمیں نہ قتل فرما اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ فرما اور اس سے قبل ہمیں عافیت دے دے۔

نیز بادل کی گرج سننے پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنی چاہئے، چنانچہ فرشتوں کے متعلق قرآن کا بیان ہے:

يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ . (سورۃ الرعد ۱۳)

گرجنے والے بادل اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی تسبیح وتعریف کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں نقل کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جب بادل کی آواز سنتے تو فرماتے: سبحان الذی سبحت له . (۲)

امام مالک نے ''الموطا'' میں اور امام النووی نے ''الاذکار'' میں سیدنا عبداللہ بن

---

(۱) الترمذی / الدعوات / باب مایقول اذا سمع الرعد : حدیث ۳۴۵۰

(۲) الأدب المفرد حدیث ۷۲۲

الزبیر ﷺ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ بادلوں کی کڑک یا بجلی کی چمک کے وقت آپ ﷺ یہ دُعا پڑھتے تھے :

سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَ الْمَلَائِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ ۔ (۱)

وہ ذات پاک ہے گرجنے والے بادل اور فرشتے جس کی تعریف کرتے ہیں اس کے خوف سے۔

آپ کے دوست کا یہ کہنا کہ بجلی کو کسی بزرگ نے تھامایا بند کرلیا تھا درست نہیں، چاند سورج ہوا، بجلی ، بادل وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں اور اس کی تابع وفرمان ہیں، کسی بھی بندے کو یہ طاقت واختیار نہیں دیا گیا کہ وہ ان چیزوں کو اپنی مرضی سے چلائے یا روکے، خواہ یہ بندہ نبی، رسول یا اپنے وقت کا بزرگ وولی ہی کیوں نہ ہو، حقیقت میں اللہ کے سوا اس کائنات میں کوئی اور ہستی مدبر و کارساز نہیں ہے، بلکہ ہر چیز صرف اور صرف اسی کے زیر تصرف ہے۔

کسی مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں

سوال اگر کسی نے اپنے دوست کو مذاق میں کافر یا ہندو کہہ دیا تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

(ایف اے راہی، الجبیل)

جواب اسلام نے ہنسی مذاق کے کچھ اُصول اور آداب مقرر کئے ہیں، اگر ان کا خیال نہ رکھا جائے تو بعض اوقات معمولی سا مذاق انسان کو کفر وشرک کے قریب لے جاتا ہے، اگر کسی نے ازراہِ مذاق کسی مسلم کو غیر مسلم کہا ہے تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور بھی توبہ کرے اور اپنے اس مسلمان بھائی سے بھی معافی مانگے (ہنسی مذاق کے موضوع پر میری ایک کتاب ''اسلام اور ہنسی مذاق'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اگر آپ چاہیں تو آپ کو بھیجی جاسکتی ہے)

تقدیر کیا ہے؟

سوال تقدیر کیا ہے؟ اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اس کا معنیٰ کیا ہے؟

---

(۱) الأذكار ، باب مايقول اذا سمع الرعد

جواب تقدیر یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے اور اعتقاد کرے کہ یہ دنیا اپنے ہی آپ نہیں چل رہی ہے، بلکہ ایک علیم و حکیم ہستی اس کو چلا رہی ہے، اس دنیا میں خوشگوار یا ناخوشگوار جتنے بھی واقعات پیش آتے ہیں، وہ اللہ ہی کی مشیت و ارادہ اور قدرت و حکمت سے پیش آتے ہیں، دنیا کے ہر ہر ذرّہ کا علم اس کو ہے، دنیا کو وجود بخشنے سے قبل اللہ نے ان تمام حالات کو جو پیش آنے والے تھے، لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا، اب اس دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے، وہ اسی علم ازلی کے مطابق پیش آرہا ہے، گویا دنیا کا جو نظام اللہ نے ازل میں تجویز کیا تھا، دنیا اسی مقررہ نظام کے تحت چل رہی ہے۔

شرک ناقابل معافی جرم

سوال ہمارے شہر میں ایک پیر پرست عالم دین تھے، جو شہر کی جامع مسجد میں خطیب بھی تھے، لوگ ان سے مسائل پوچھتے اور وہ جواب دیتے تھے، اُنھوں نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری لاش کو فلاں بزرگ کے مزار کے گرد سات چکر لگانا، چنانچہ ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نے وصیت کے مطابق لاش کو قبر کا طواف کروایا، پھر اسے دفنا دیا گیا، سوال یہ ہے کہ کیا ان کا انتقال اسلام کی حالت میں ہوا اور ان کی اولاد کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کیوں کہ ہماری نگاہ میں تو اُنھوں نے شرکیہ کام کیا، جس کا کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، تفصیلی طور پر جواب سے مطلع فرمائیں۔ (اشفاق احمد، جدہ)

جواب انسان اپنی زندگی میں جتنے گناہ بھی کرتا ہے، نافرمانیاں اور سرکشی کرتا ہے، ان گناہوں میں سب سے بدترین جرم شرک ہے (۱) —— شرک ہی وہ سنگین جرم ہے جس کے بارے میں سورۃ النساء کی آیت ۴۸/ اور ۱۱۶/ میں ارشاد ہے کہ اس گناہ کی معافی اور مشرک کی مغفرت ناممکن ہے، یہ وہ خطرناک گناہ اور ناپسندیدہ جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے بھی کہا کہ اگر آپ سے شرک سرزد ہو گیا تو آپ کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور

---

(۱) إن الشرك لظلم عظيم (لقمان ۱۳)

آپ نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے(۱) یہ ہم سب جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے شرک کا صادر ہونا محال ہے، اصل میں یہ بات سرکارِ دوعالم ﷺ کے ذریعے پوری اُمت تک پہنچائی جارہی ہے کہ اگر کوئی شخص شرک کرتا ہے تو اس کی تمام نیکیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔

ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ابن آدم زمین کی وسعت کے برابر گناہ لے کر آئے اور مجھ سے مغفرت مانگے تو میں زمین کی وسعت کے برابر رحمت لے کر اپنے بندے سے ملوں گا، بشرطیکہ ان گناہوں میں شرک نہ ہو(۲) —— اللہ تعالیٰ نے تمام انس وجن کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا، عبادت ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعے انسان اپنے خالق ومالک کا قرب حاصل کرتا ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے: طواف اور پھیرے صرف خانۂ کعبہ کے ہوتے ہیں اور یہ بھی عبادت ہے، اللہ کے اس حرم کے علاوہ کسی قبر، خانقاہ، یا کسی اور مقام وغیرہ کا طواف کرنا یعنی پھیرے لگانا شرک ہے اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔(۳)

جان بچانے کے لئے خود کو کافر کہنا

سوال اگر کسی مسلمان کو چند شرپسند ہندو گھیر لیں اور اس سے پوچھیں کہ تم مسلمان ہو یا ہندو؟ اگر وہ مسلمان کہتا ہے تو اس کی جان کو خطرہ ہے، لہٰذا وہ اپنی جان بچانے کے لئے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کردے تو کیا اس پر کوئی کفارہ یا گناہ ثابت ہوگا؟ (معراج احمد خاں، ریاض)

جواب ایسی حالت میں اگر کوئی اپنی جان بچانے کے لئے اپنے آپ کو غیر مسلم کہہ دے تو یہ جائز ہے، اس پر کوئی گناہ یا کفارہ نہیں، جیسا کہ سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ سے صاف طور پر معلوم

---

(۱) سورة الزمر آیت نمبر ٦٥

(۲) الترمذی / الدعوات باب فضل التوبة والاستغفار حدیث ٣٥٤٠ ، الدر المنثور ٥/٥٥٩

(۳) ملاحظه هو : مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام احمد بن تیمیه ٢٧/١٠-١١

ط : دار الترجمه قاهره

ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں بھی اپنے کو مسلمان کہے اور کافروں سے لڑتے ہوئے مارا جائے تو شہید کا ثواب پائے گا۔ ابن عربیؒ لکھتے ہیں :

من تكلم بالكفر بلسانه عن إكراه ولم يعقد على ذلك قلبه فإنه خارج عن هذا الحكم معذور في الدنيا مغفور له في الاخرى . (۱)

جس نے کسی مجبوری کی وجہ سے صرف زبان سے کلمہ کفر ادا کیا اور دل میں اس کا اعتقاد نہیں ہے تو وہ اس حکم سے خارج ہے، دنیا میں اسے معذور سمجھا جائے گا اور آخرت میں (ان شاء اللہ) اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

بغیر کسی مجبوری کے صرف مادی مفاد اور مصلحت کی خاطر اگر کوئی شخص اپنے کو کافر کہے یا کلمہ کفر اپنی زبان سے ادا کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اس پر ایمان کی تجدید ضروری ہے، نیز ایسے لوگ اللہ کے سخت غضب اور عذاب کے مستحق ہیں۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا شرک ہے

سوال ''یا علی مدد'' کہنا یا کسی مرے ہوئے شخص کو مدد کے لئے پکارنا کیسا ہے؟

(سید فائز علی، جدہ)

جواب کسی دوسرے سے مدد مانگنے کی دو صورتیں ہیں : ایک صورت جائز و مباح ہے اور دوسری صورت حرام و ناجائز، جائز صورت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص اپنے کام کے سلسلے میں کسی دوسرے زندہ شخص سے مدد طلب کرے، مثلاً بیماری میں طبیب کی مدد، مکان کی تعمیر میں مستری و کاریگر اور مزدور کی مدد، آگ لگنے کی صورت میں فائر بریگیڈ کی مدد، ضرورت کے تحت کسی سے قرض کی مدد وغیرہ، یہ ساری صورتیں دنیاوی ظاہری اسباب میں شامل ہیں، خود رسول کریم ﷺ نے بعض لوگوں سے مدد حاصل کی ہے۔ مدد کی دوسری صورت اعتقادی مدد ہے کہ جہاں دنیاوی ظاہری اسباب نہ ہوں، وہاں کسی ہستی سے مافوق الاسباب مدد مانگنا، مثلاً کوئی شخص سمندری جہاز میں سفر کے دوران اچانک طوفان اور تیز ہوا میں پھنس جاتا ہے اور ادھر اُدھر سے ظاہری دنیاوی مدد کرنے والا کوئی بھی نہیں ہوتا تو ایسے میں یہ شخص جسے

---

(۱) احکام القرآن لابن عربی ۱۷۷/۳ ط : دار الفکر ، نیز دیکھئے : شرح الفقہ الاکبر ۲۴۶

پکارے، یہ اعتقادی پکار ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایسی اعتقادی پکار کو عبادت کے ساتھ ذکر کر کے گویا اسے بھی عبادت کا درجہ دیا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں ربّ کریم نے اپنے بندوں کو جو دُعا سکھلائی اور بتلائی اس میں بندے اقرار کرتے ہیں کہ :

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ .

اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

قرآن میں کثرت سے ان لوگوں کی تردید اور مذمت کی گئی ہے، جو مشکلات کے وقت اپنی حاجات وضروریات پیش کرتے ہوئے غیر اللہ کو پکارتے ہیں، بعض لوگوں کو یہ وہم اور دھوکہ ہوا ہے کہ قرآن میں جن غیر اللہ سے مدد مانگنے کو شرک کہا گیا ہے وہ تو صرف بت تھے، یہ غلط بات اور کم علمی پر مبنی خیال ہے، سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۹۴ میں ارشاد ہے : ''وہ جن کو تم پکارتے ہو، یہ تو تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں۔'' خود عرب اور مکہ کے مشرکوں نے جن بتوں کو حرم پاک میں (تین سو ساٹھ بت) معبود بنا کر سجایا ہوا تھا، ان میں بڑے بڑے تمام وہ بت تھے جن کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھے گئے تھے، جو گذشتہ قوموں اور قدیم تاریخ میں اولیاء اللہ میں سے تھے، مشرکین مکہ اور مشرکین عرب اپنے بزرگوں کے نام پر بت بناتے تھے اور انہی کو اپنی مشکلوں میں پکارتے تھے۔

رسولِ کریم ﷺ نے آ کر اس شرک کو ختم کیا اور غیر اللہ سے مدد مانگنے کو ختم کر کے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے کے عقیدے کو راسخ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا :

من مات وھو یدعون من دون اللہ نداً دخل النار . (۱)

جو اس حال میں مر جائے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک بنا کر پکارا کرتا تھا، وہ جہنم میں جائے گا۔

مشکل کشا وہ ہو سکتا ہے جس پر خود کبھی بھی مشکل نہ آتی ہو اور جو نفع ونقصان کا مالک ہو، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک بندہ ہیں اور خلفاءِ راشدین میں سے ہیں، ان کا رتبہ بہت بلند ہے،

(۱) صحیح بخاری : کتاب التفسیر ، باب ۲۲ تفسیر آیت نمبر ۱۶۵

لیکن پھر بھی انسان ہی تھے، خود اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے اور نفع ونقصان کے مالک نہ تھے، حتیٰ کہ خود رسولِ کریم ﷺ بھی مشکل کشا نہیں تھے، مشکل کشا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ہمارے ہاں عقائد میں شرک کو مختلف نعروں کے ذریعے داخل کیا جارہا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ لوگ عموماً جلسے جلوسوں میں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کے نام کے ساتھ لفظ ''یا'' لگا کر انھیں پکارتے ہیں، مثلاً یا غوث، یا علی، یا خواجہ وغیرہ، یہ شرک ہے اور شرک وہ گناہ ہے جو نا قابل معافی ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا

سوال بعض لوگ بات بات پر قسم کھاتے ہیں اور پھر قسم کو پورا نہیں کرتے، شریعت میں ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں ایک صاحب نے ساتھ کام کرنے والے ایک غیر مسلم کے بارے میں قسم کھائی کہ خانۂ کعبہ کی قسم آج کے بعد تم سے بات نہ کروں گا، پھر دو دن کے بعد اس سے بات شروع کردی، انہی صاحب نے دورانِ افطار کسی بات پر غصہ آنے کی وجہ سے دو دوستوں کے سامنے خانۂ کعبہ کی تصویر کو ہاتھ لگا کر قسم کھائی کہ آئندہ اس گھر میں کھانا نہ کھاؤں گا اور دوسرے دن پھر کھانا شروع کردیا، ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے اور شرعاً اس کی قسموں کا کیا جرمانہ ہے؟

(محمد طارق انصاری، مکہ مکرمہ)

جواب کسی بات کی تاکید کے لئے جہاں واقعی ضرورت ہو وہیں قسم کھائی جائے، معمولی باتوں پر قسم کھانا ہرگز پسندیدہ نہیں، کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی ذات و صفات کی ایک طرح سے توہین ہوتی ہے اور خود ایسا شخص لوگوں کی نظروں سے بھی گرجاتا ہے، دوسری بات یہ کہ جب قسم کھانی ہو تو آدمی اللہ کے نام کی قسم کھائے، چاہے لفظِ اللہ سے قسم کھائے یا اللہ کے کسی صفاتی نام کی قسم کھائے جیسے رحمٰن ورحیم وغیرہ، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی قسم کھانے کو حدیثِ رسول ﷺ میں شرک قرار دیا گیا ہے۔ ترمذی کی حدیث ہے

کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھائی تو اُس نے شرک کیا(۱)— عام طور پر لوگ جو قسم کھاتے ہیں کہ "رسول کی قسم، کعبہ کی قسم، مدینہ کی قسم، سر کی قسم، عمر کی قسم" وغیرہ، یہ سب حرام اور غیر اللہ کی قسم میں شامل ہیں۔

بعض فقہاء نے تو قرآن کی قسم کو بھی غیر اللہ کی قسم میں داخل کیا ہے، جب کہ بعض دوسرے فقہاء اس کی اجازت اس لئے دیتے ہیں کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے اور کلام اللہ کی ایک مستقل صفت ہے، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ قرآن کی قسم بھی نہ کھائی جائے، جب بھی قسم کی ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ کی یا اس کے کسی صفاتی نام کی قسم کھائی جائے۔

پھر اللہ کے نام کی عظمت و حرمت اور تعظیم الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ کسی نامناسب یا ناجائز کام کی قسم نہ کھائی جائے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

ولا تجعلوا اللّٰه عرضة لايمانكم ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس . (سورۃ البقرہ ۲۲۴)

اپنی قسموں میں اللہ کے نام کو ڈھال نہ بنالو کہ تم لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے، اللہ سے ڈرنے یا ایک دوسرے کے دل جوڑنے سے باز رہو۔

یعنی کسی نیک کام کے نہ کرنے یا گناہ کرنے کی قسم کھانا جائز نہیں اور ایسی قسموں کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلایا جائے یا انھیں کپڑا پہنایا جائے، اگر ان دونوں میں سے کسی کی استطاعت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزے رکھے جائیں۔ (سورۃ المائدہ ۸۹)

خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰ

سوال یہ سب جانتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں، اب قیامت تک کوئی رسول نہیں آئے گا، لیکن حج و عمرے کی ایک کتاب میں پڑھا کہ مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے، جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں نازل ہونے اور انتقال کرنے کے بعد دفن ہوں

---

(۱) ترمذی کتاب الایمان والنذور حدیث ۱۵۳۵، عن سعد بن عبیدة باب كراهية الحلف بغیر اللہ

گے۔اس سلسلے میں شرعی نقطۂ نظر سے آگاہ فرمائیں، نیز دجال کے بارے میں بھی معلومات سے نوازیں۔ (محمد جہانگیر، جدہ)

جواب دجال کے معنی بہت زیادہ جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے والے کے ہیں۔احادیث اوراجماعِ اُمت سے یہ بات ثابت ہے، چنانچہ نواس بن سمعان کی روایت میں ہے کہ ایک شخص (دجال) قیامت کے قریب شام وعراق کے درمیانی راستہ سے ظاہر ہوگا اور دائیں و بائیں متوجہ ہوکر لوگوں سے کہے گا: اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو، پھر وہ لوگوں کے پاس آکر اپنے رب ہونے کا دعویٰ کرے گا اور اپنی عبادت کے لئے بلائے گا اولاً لوگ اس کی تردید کردیں گے لیکن جب وہ لوگوں کا سارا مال لے لے گا اور لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ بچے گا تو لوگ اس کی بات مان لیں گے۔وہ ساری زمین میں بادلوں کی طرح تیزی سے چلے گا اور ہر جگہ پہنچے گا، وہ آسمان کو برسنے کا حکم دے گا تو بارش ہوگی اور زمین کو حکم دے گا تو زمین سرسبز وشاداب ہوجائے گی۔جس کی وجہ سے ان میں خوش حالی آجائے گی، چوپائے فربہ ہوجائیں گے اور تھن دودھ سے لبریز ہوجائیں گے، پھر وہ غیرآباد چٹیل میدان کے پاس آکر زمین کو حکم دے گا تو خزانہ نکل پڑے گا۔پھر وہ کسی نوجوان کے پاس آئے گا اور تلوار سے دو ٹکڑے کردے گا اور اپنے حکم سے پھر اسے اپنی اصلی صورت میں واپس کردے گا(۱)۔۔۔اتنی قدرت کے باوجود دجال مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوسکے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یأتی الدجال المدینة فیجد الملائکة یحرسونها فلایدخلها الطاعون ولاالدجال ان شاء اللّٰہ. (۲)

دجال مدینہ آئے گا لیکن وہ فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا، لہٰذا ان شاءاللہ مدینہ میں نہ طاعون داخل ہوگا اور نہ دجال۔

نیز اس کے ساتھ جنت اور جہنم بھی ہوگی، چنانچہ مسلم کی روایت میں ہے:

---

(۱) دیکھئے ترمذی: باب ماجاء فی فتنة الدجال ابواب الفتن

(۲) ترمذی، باب ماجاء فی ان الدجال لایدخل المدینة، ابواب الفتن.

وأنه يجئ معه مثل الجنة والنار . (۱)

دجال آئے گا، اس کے ساتھ جنت اور جہنم جیسی چیز ہوگی۔

یہ ایک عظیم فتنہ ہوگا جو قیامت سے قبل ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ نبی کریم ﷺ بھی بکثرت دجال کے فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا حکم فرماتے تھے۔ صحیح مسلم میں آپ ﷺ سے ایک دُعا اس طرح منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ . (۲)

اے اللہ میں عذابِ جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں، عذابِ قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور زندگی و موت کے فتنے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجال اس زمین میں چالیس دن قیام کرے گا، لیکن اس کا ایک دن ایک سال کی طرح ہوگا اور ایک دن ایک ماہ کے برابر اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے، وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا، اس کی پیشانی پر "ک ف ر" لکھا ہوگا، جسے صرف مؤمن ہی پڑھ سکے گا (۳) —— سورۃ الکہف کی تلاوت فتنۂ دجال سے حفاظت کا باعث ہے۔ (۴)

اسی طرح سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں بھی اسلامی عقیدہ یہ ہے، جو کہ کتاب و سنت اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ابھی انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ زندہ آسمان کی طرف اُٹھا لئے گئے، قیامت سے قبل وہ دوبارہ اس دنیا میں اُتریں گے، ان کا نزول دمشق میں ایک سفید مینار پر ہوگا، دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوں

---

(۱) صحيح مسلم عن ابی هريرة ، باب ذكر الدجال ، ابواب الفتن

(۲) حواله سابق

(۳) صحيح مسلم عن انس بن مالك باب ذكر الدجال كتاب الفتن

(۴) ترمذی عن ابی درداء باب ماجاء فی سورة الكهف ابواب فضائل القرآن

گے، کافر ان کی سانس کی بو پاتے ہی مرجائے گا جو کافی دور تک پہنچے گی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور "باب لد" پر اسے قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے قتل کے بعد چالیس سال تک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں زندہ رہیں گے، پھر ان کا انتقال ہوگا اور مسلمان ان کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ امام بخاریؒ نے اپنی "تاریخ" میں ذکر کیا، کہ نبی کریم ﷺ کے پاس یعنی روضۂ اقدس میں ان کی تدفین عمل میں آئے گی۔(۱)

خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام یہ دونوں ہی قربِ قیامت کی عظیم نشانیوں میں سے ہیں۔ جہاں تک رسولِ کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے باجود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی اس دنیا میں آمد بحیثیتِ نبی و رسول نہ ہوگی بلکہ اُس وقت حاکم و خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے نازل ہوں گے اور شریعتِ محمدی کے مطابق ہی احکام نافذ کریں گے۔(۲)

غیر اللہ سے دعا مانگنا جائز نہیں

سوال ہمارے یہاں اکثر خواتین اور مرد بھی مزاروں و درگاہوں پر حاضر ہوتے ہیں اور قبر کے گرد چکر لگاتے ہیں، صاحبِ قبر سے منت و مراد مانگتے، بالخصوص جن خواتین کو اولاد نہیں ہوتی وہ بزرگوں کی قبر پر جا کر ان سے اولاد کا مطالبہ کرتی ہیں، قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ (سہیل وارث، بلجرشی۔ محمد مسلم، جدہ)

جواب یہ کبیرہ گناہ اور شرکیہ عمل ہے، ثواب یا عبادت سمجھ کر درگاہوں پر جانا، قبروں پر سجدہ کرنا اور اس کے گرد چکر لگانا کسی صورت میں جائز نہیں، طواف تو صرف کعبۃ اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے، اس کے علاوہ دنیا کے کسی بھی مقام پر کسی چیز کا طواف نہیں کیا جاسکتا، چاہے وہ چیز اور جگہ کتنی ہی عظیم اور مقدس کیوں نہ ہو، اسی طرح دُعا کرنا عبادت ہے اور عبادت

---

(۱) رسائل فضیلة الشیخ محمد بن صالح العثیمین، جلد پنجم

(۲) ترمذی عن ابی ھریرة باب ماجاء فی نزول عیسیٰ بن مریم أبواب الفتن

صرف اللہ کا حق ہے، غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں، یا عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا شرک ہے جو نا قابل معافی جرم ہے، کسی کو اولاد کا دینا نہ دینا اللہ کے اختیار میں ہے، وہی جسے چاہتا ہے اولاد دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اولاد سے محروم رکھتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لله ملك السموت والارض يخلق مايشاء يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور . او يزوجهم ذكرانا واناثا ويجعل من يشاء عقيما انه عليم قدير . (سورۃ الشوریٰ ۴۹-۵۰)

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکوں سے نوازتا ہے، یا پھر جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا بانجھ بناتا ہے، وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔

اللہ کے سوا کسی بڑے سے بڑے ولی و بزرگ اور نبی کو بھی یہ اختیار اور قدرت نہیں کہ وہ کسی بانجھ عورت کو اولاد سے نواز دے، لہٰذا اولاد مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگی جائے یا کوئی اور مراد ہو تو اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلائے جائیں، اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قادر یا داتا سمجھ کر اس کے آگے ہاتھ پھیلانا شرک ہے۔

ایک شاعر اس حقیقت کو کچھ یوں بیان کرتا ہے

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو — منت سے، سماجت سے، ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو — بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

قبر میں جھٹکا

سوال کیا قبر میں ہر مردے کو جھٹکا لگتا ہے اور ہلکا عذاب ہوتا ہے؟ ہم نے ایک کتاب میں پڑھا کہ ہلکا عذاب تو ہر مردے کو ہوتا ہے، البتہ بعد میں مسلمان متقی کو نجات مل جاتی ہے اور دوسروں کو مستقل عذاب ہوتا ہے، کیا اس موضوع پر آپ کی کوئی کیسٹ ہے؟ اگر ہو تو مدینہ منورہ میں کہاں دستیاب

ہو گی؟ (رخشندہ محی الدین، مدینہ منورہ)

جواب عذابِ قبر دین اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے۔ قرآنی آیات اور کئی صحیح احادیث سے عذابِ قبر کا ثبوت ملتا ہے اور اُمت کا اس پر اجماع ہے، عقلی و علمی گمراہیوں میں مبتلا ہونے والے لوگ اور بے دین افراد اگرچہ عذابِ قبر کا انکار کرتے ہیں، لیکن جیسا کہ ہم نے بتایا کہ عذابِ قبر کے وجود پر اُمت کا اجماع ہے، عذابِ قبر کفار و منافقین اور فساق و فجار کو ہوتا ہے، جب کہ صالحین متقین مسلمان کے لئے قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے، ایمان والے صالحین بندوں کو قبر میں نہ تو ہلکا عذاب ہوتا ہے اور نہ ہی دائمی عذاب، البتہ قبر میں جب کسی مردہ کو رکھا جاتا ہے اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے تو قبر میں ہلکا سا جھٹکا ضرور لگتا ہے۔ اس معمولی اور ہلکے جھٹکے سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے، نسائی کی ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ایک مشہور صحابی سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

هذا الذي تحرك له العرش وفتحت له ابواب السماء وشهده سبعون الفا من الملائكة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه . (١)

یہ وہ شخص ہے جس کی موت پر (اللہ تعالیٰ کا) عرش بھی ہل گیا، اس کے لئے آسمانوں کے سارے دروازے کھول دیئے گئے اور اس کی نماز جنازہ میں ستر ہزار فرشتوں نے شرکت کی، پھر ان کی قبر کو جھٹکا لگا ہے، پھر آسانی ہو گئی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ عام جھٹکا ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں، لیکن یہ عذاب نہیں ہے بلکہ ہلکی سی ایسی حرکت ہے جس کے ذریعہ ہر مردے کو احساس دلایا جاتا ہے کہ اب وہ عالم دنیا سے عالم برزخ میں آچکا ہے اور اب یہ ایک اور عالم ہے جہاں اسے تا قیامت رہنا ہے۔ واللہ اعلم

جنت کی نعمتیں

سوال یہ تو ہم سنتے آئے ہیں کہ جنت میں ایک مرد کے لئے حوریں ہوں گی، لیکن

---

(١) نسائي عن ابن عمر ، باب ماجاء في ضمة القبر وضغطته ، ابواب الجنائز

یہ کبھی کسی نے نہیں بتایا کہ اگر کوئی عورت جنت میں چلی جائے اور اس کا شوہر جنت میں جانے والوں میں سے نہ ہو تو یہ عورت جنت میں کیا کرے گی؟ (شازیہ خانم، الخبر)

جواب اہل جنت کے لئے (خواہ یہ مرد ہوں کہ عورتیں) اللہ تعالیٰ نے وہاں کیا کچھ نعمتیں اور آسائشیں رکھی ہیں، ان کا اندازہ دنیا میں ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ. (السجدہ ۱۷)
کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ اس کے لئے اس کی آنکھیں ٹھنڈا کرنے کے لئے (جنت میں) کیا کچھ رکھا گیا ہے۔

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

قال الله أعدت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولاأذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر. (۱)

اللہ فرماتا ہے کہ میں اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جس کو نہ کسی انسانی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ ہی کوئی انسان اِن کے بارے میں سوچ سکتا ہے۔

جنت میں ایک مرد کے لئے کئی حوروں کا ذکر اور اس کی حکمت کے بارے میں حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، البتہ علماء نے اپنی طرف سے اس کی دو تین وجوہات بیان کی ہیں، ایک تو یہ کہ چوں کہ مسلمان مرد کو دنیا کی زندگی میں بیک وقت چار بیویوں کی اجازت ہے، لہٰذا حوروں کا ذکر مرد کے لئے کیا گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں مرد عورت کا رشتہ طلب کرتا ہے، مرد ہی کو عورت کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا جنت میں مرد کے لئے حوروں کا ذکر آیا، تیسری وجہ یہ ہے کہ مسلمان خاتون جس طرح دنیا کی زندگی میں فطری شرم و حیا کی وجہ سے خود اپنے لئے کسی مرد کا رشتہ نہیں مانگتی، اسی طرح جنت میں بھی اس کی حیا کی نسبت

---

(۱) صحیح مسلم عن أبی هریرة، کتاب الجنة

سے کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

علماء نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان خاتون جنت میں چلی گئی اور اس کا شوہر جہنم میں ہو تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس عورت کے لئے ہر وہ چیز مہیا فرمادیں گے جس کی اسے ضرورت ہوگی اور اس عورت کے لئے شوہر کا انتظام بھی ہو جائے گا جو اس کی تنہائی کا ساتھی ہوگا، سورہ حم السجدہ آیت نمبر ۳۱ میں فرشتوں کی زبان اہل جنت کو جو خوش خبری سنائی گئی وہ یہی ہے کہ ''تم لوگوں کے لئے جنت میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جو تمہارا دل چاہے گا۔''

ڈوب کر مرنے والے کے لیے عذابِ قبر

سوال جو لوگ آگ میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں یا پانی میں ڈوب جاتے ہیں اور جن کا وجود باقی نہیں رہتا ان کو عذابِ قبر ہوگا یا نہیں؟

(ایس ایم ہارون خان، جدہ)

جواب آخرت کی زندگی کے دو مرحلے ہیں، ایک قبر کی زندگی سے دوبارہ اُٹھائے جانے تک، دوسرا دوبارہ اُٹھائے جانے کے بعد میدانِ حشر میں جمع ہونے اور حساب و کتاب کے بعد جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک، پہلے مرحلہ کو قبر کی یا برزخ کی زندگی کہتے ہیں اور دوسرے مرحلہ کو قیامت کہتے ہیں۔

قبر کی زندگی کو برزخ اس لئے کہتے ہیں کہ برزخ کے معنی حائل ہونے اور پردہ کے ہیں، قبر کی زندگی چوں کہ اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان حائل ہے، اس لئے اس کو برزخ کہتے ہیں۔

قبر میں ہونے والے سوال و جواب کا جو تذکرہ احادیث میں آتا ہے، وہ سوال و جواب صرف قبروں میں دفن ہونے سے ہی نہیں ہوگا، بلکہ جو لوگ جلا دیئے جاتے ہیں یا سمندر اور دریا میں پھینک دیئے جاتے ہیں، ان سے بھی سوال و جواب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اجزاء کو جمع کر کے اور روح ڈال کر ان سے سوال و جواب کرے گا۔ قرآن پاک میں دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل ہی نہیں دی گئی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی قدرت سے کتنے مردوں کو اس دنیا میں بھی زندہ کر دیا ہے اور بہت سے انبیاء کے ذریعہ بھی اس معجزے کا ظہور

ہوا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ذبح شدہ پرندوں کو زندہ کرنے کا واقعہ قرآن میں بیان ہوا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا .

(سورۃ البقرہ ۲۶۰)

اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا : چار پرندے لو پھر ان کو ہلا لو اپنے ساتھ، پھر ان کے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انھیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔

مذکورہ واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مشاہدہ کرا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو ہماری قدرت کاملہ پر یقین نہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یقین بھلا کیسے نہ ہو کیوں کہ آپ کی قدرت کاملہ کے مظاہر ہر لحہ اور ہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ لیکن چوں کہ انسانی فطرت ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ کتنی ہی یقینی ہو اس میں خیالات منتشر رہتے ہیں کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا، یہ ذہنی انتشار سکون قلب اور اطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے اس لئے مشاہدہ کی درخواست کرتا ہوں کہ قلب کو سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول کرلی اور ان کے مشاہدہ کی ایک عجیب صورت تجویز فرمائی، حکم دیا کہ چار پرندے اپنے پاس جمع کرلو وہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ مفسرین نے مختلف نام ذکر کئے ہیں، علامہ جلال الدین سیوطی کی رائے ہے کہ وہ چار پرندے، مور،

گدھ، کوا اور مرغ تھے(۱) ـــــــ اور بعض نے گدھ کی جگہ کبوتر یا فاختہ کا ذکر کیا ہے۔(۲)

بہر حال ناموں کی تعیین کا کوئی فائدہ نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے نام ذکر نہیں کئے، بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ مختلف قسم کے چار پرندے تھے، پھر ان کو اپنے پاس رکھ کر ہلا ملا لو کہ ایسے مانوس ہو جائیں کہ آپ کے بلانے سے آجایا کریں، پھر ان چاروں کو ذبح کر کے ان کی ہڈیوں اور پروں سمیت ان کا خوب قیمہ کر ڈالو اور ان کے کئی حصے کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ تو وہ اللہ کی قدرت کاملہ سے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آجائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو وہ پرندے ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون اور گوشت سے گوشت مل ملا کر سب اپنی اپنی اصلی ہیئت میں زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تو ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔

جو لوگ قبر میں دفن نہیں ہوتے بلکہ جلا کر راکھ کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی راکھ پہاڑوں اور دریاؤں میں بکھیر دی جاتی ہے یا ان کو سمندر اور دریا کی مچھلیاں کھا جاتی ہیں، ان کو اللہ کیسے زندہ کرے گا؟ اس کی ایک مثال حدیث شریف میں بھی آئی ہے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک لمبی حدیث بیان کی ہے، جس کے آخر میں ہے کہ :

ان رجلا حضره الموت فلما يئس من الحيوة اوصىٰ أهله اذا انامت فاجمعوا لى حطباً كثيرًا واوقدوا فيه ناراً حتىٰ اذا أكلت لحمى وخلصت الى عظمى فامتحشت فخذوها فاطحنوها ثم انظروا يوماً راحاً فاذروه فى اليم ففعلوا فجمعه الله تعالىٰ فقال له لم فعلت ذلك قال من خشيتك فغفر الله له . (۳)

ایک شخص مرنے لگا اور جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو اپنے گھر والوں کو

---

(۱) دیکھئے : تفسیر الجلالین، سورہ بقرہ ۲۶۰

(۲) ملاحظہ ہو : الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، سورۃ البقرہ ۲۶۰

(۳) صحیح البخاری عن ربعی بن حراش، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل کتاب الانبیاء

وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو بہت ساری لکڑیاں اکٹھا کرنا، خوب آگ سلگانا اور مجھ کو اس میں جلا دینا، جب آگ میرے گوشت کو کھا کر ہڈی تک پہنچ جائے اور ہڈی بھی جل کر کوئلہ ہو جائے تو ان کو لے کر پیسنا، پھر جس دن زور کی ہوا چلے اس دن وہ راکھ دریا میں اُڑا دینا، اس کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ نے سارا بدن اکٹھا کیا اور اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا، وہ کہنے لگا: پروردگار! تیرے ڈر سے، آخر اللہ نے اس کو بخش دیا۔

آیات وروایات اور واقعات کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ آدمی کی موت جس حالت میں ہو، دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے، زمین میں قبر ہو یا نہ ہو، بہر حال عذاب وثواب ضرور ہوگا۔

جنت میں دیدارِ الٰہی

سوال تمام مسلمان قیامت کے دن جزا وسزا کے بعد جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو کیا وہاں والدین سے ملاقات ہوگی؟ نیز تمام اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکیں گے؟ (امجد بخاری، الغزالہ)

جواب تمام ہی اہل جنت اپنے اعزہ واقرباء سے ملاقات کریں گے اور جس رشتہ دار سے ملاقات نہ ہو سکے گی اس کے بارے میں خیال کریں گے کہ شاید جنت میں داخلہ اس کو نہ مل سکا، جنتیوں کو دو ایسی نعمتیں ملیں گی جو اس دنیا میں نہ کسی انسان کو حاصل ہوئی تھیں اور نہ حاصل ہو سکتی ہیں، ایک نعمت تو یہ کہ انسان کی جو خواہش ہوگی وہ پوری ہو کر رہے گی۔ قرآن کریم میں ہے:

وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ. (سورہ حم سجدہ ۳۱)

جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لئے جنت میں موجود ہے۔

دوسری سب سے بڑی نعمت جو ملے گی وہ دیدارِ الٰہی ہے۔ ایک مؤمن کے لئے اس

سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہوسکتا کہ وہ دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو۔ قرآن پاک میں ہے :

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ . (سورۃ القیامہ ۲۲)

اس روز بہت سے چہرے تر وتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

حدیث نبوی میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

فما اعطوا شيئا أحب إليهم من النظرة إلى ربهم ، ثم تلا للذين أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ . (۱)

دیدارِ الٰہی سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز ان کو وہاں نہیں ملے گی، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جن لوگوں نے نیکی کی ہے، ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید براں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ :

اكرمهم على الله عز وجل من ينظر الى وجهه غدوة وعشية . (۲)

سب سے زیادہ مکرم وہ لوگ ہوں گے جن کو دیدارِ الٰہی صبح وشام ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار آیات وروایات سے دیدارِ الٰہی کا ثبوت ملتا ہے۔

درخت سے منت مانگنا

سوال ہمارے گاؤں میں بعض لوگ ایک درخت کے پاس جا کر فاتحہ دیتے ہیں اور اس سے منت مانگتے ہیں اور منت پوری ہونے کے بعد درخت پر جھنڈا چڑھاتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

جواب غیر اللہ سے منت مانگنا ناجائز بلکہ مشرکانہ عمل ہے۔ مروّجہ رسم فاتحہ اور درختوں پر کسی بزرگ یا ولی کے نام پر جھنڈا چڑھانا بھی بدعات ہیں، جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ان ناجائز رسوم ورواج سے اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم / کتاب الایمان / باب اثبات رؤية المؤمنين فى الآخرة ربهم ، حديث ۱۷۲

(۲) الترمذی / کتاب تفسير القرآن / سورة القيامه ، حديث ۳۳۳۰

غیر مسلم جنت میں داخل نہیں ہوسکتا

سوال اگر کوئی غیر مسلم نیک کام کرے اور دوسروں کی مدد اور بھلائی کرے تو کیا وہ جنت میں جاسکتا ہے؟ (بلال احمد، الحساء)

جواب جنت میں داخلہ کے لئے سب سے بنیادی شرط ایمان ہے۔ احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ذرّہ برابر یا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا، چاہے وہ اس سے قبل اپنے گناہوں کی سزا پانے کے لئے ایک مدت تک جہنم میں رہے، لیکن اس کے بعد وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہوگا، چنانچہ ابوسعید خدری ؓ کی روایت ہے

عن النبیﷺ قال : یدخل أھل الجنة الجنة و أھل النار النار ثم یقول اللہ اخرجوا من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فیخرجون منھا . (۱)

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں داخل ہوجائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے اسے جہنم سے نکالو، تو ان کو جہنم سے نکالا جائے گا۔

اگر کسی شخص کا انتقال کفر وشرک کی حالت میں ہوا ہو تو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہوگا، اللہ تعالیٰ نے کافر ومشرک پر جنت کو حرام کردیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے :

انه من یشرك باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة ومأواہ النار وماللظلمین من أنصار . (سورۃ المائدہ ۷۲)

جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت کو حرام کردیا ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

---

(۱) صحیح البخاری ، باب تفاضل أھل الایمان فی الاعمال ، کتاب الایمان

ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۔ (سورۃ البقرہ ۲۱۷)

اورتم میں سے جوشخص اپنے دین سے پھر جائے پھر کفر ہی کی حالت میں مرجائے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیاوآخرت میں ضائع ہوگئے اور یہ اہل دوزخ ہیں،جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سورۃ الاسراء میں ارشاد ہے :

ومن ارادالآخرۃ وسعیٰ لھا سعیھا وھو مؤمن فاولئک کان سعیھم مشکورا ۔ (سورۃ الاسراء ۱۹)

اورجوکوئی آخرت (کی بھلائی) چاہے اوراس کے لئے کوشش بھی کرے اس حال میں کہ وہ مؤمن ہوتو ایسے لوگوں کی کوشش فائدہ مند ہوگی۔

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص تھا جوغریبوں کی مدداوراچھے کام کرنے میں معروف تھا، ایک مرتبہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتے اور مسکینوں کوکھانا کھلاتے تھے، کیاان کے یہ اعمال انھیں فائدہ پہنچائیں گے؟ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''ہرگزنہیں، اے عائشہ! اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں سے درگذر فرما'' (۱) —— ان آیات واحادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آخرت کی کامیابی اور جنت میں داخلہ کے لئے ایمان سب سے اہم اور بنیادی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

آثارِ مبارکہ کی حقیقت

سوال آثارِ مبارکہ کی حقیقت کیا ہے؟ ہمارے ہاں بعض محلوں میں سرکارِ دوعالم ﷺ کے ناخن اورسر کے بال وغیرہ دکھائے جاتے ہیں، جس کے دیدار کے لئے

---

(۱) مسلم عن عائشہؓ باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لاینفعہ عمل ، کتاب الایمان

لوگ طویل قطار میں ٹھہرتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

(محمد جہانگیر الدین، جدہ)

جواب قرآن کریم نے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۴۸ میں طالوت نامی بادشاہ کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے اس صندوق کا بھی ذکر کیا ہے جس میں انبیاءِ بنی اسرائیل کے تبرکات تھے، بنی اسرائیل حصولِ برکت کے لئے اسی صندوق کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ طالوت کے واقعہ کی تفصیل سے قطع نظر اس واقعہ سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء وصالحین کے متبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت وافادیت رکھتے ہیں، بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں، جیسا کہ تابوت یقینی طور پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے متبرکات تھے؛ لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں بن جاتی۔

آج کل تبرکات کے نام پر کئی جگہوں پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں، جس کا تاریخی طور پر کوئی ثبوت نہیں ہے، اسی طرح خود ساختہ چیزوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس طرح بعض لوگ نبی ﷺ کے نعل مبارک کی تمثال بنا کر اپنے پاس رکھنے کو یا گھروں میں لٹکانے کو یا مخصوص طریقے سے اس کے استعمال کو قضائے حاجات اور دفع بلیات ومصائب کے لئے اکسیر سمجھتے ہیں، اسی طرح قبروں پر بزرگوں کے ناموں کی نذر ونیاز کی چیزوں کو اور لنگر کو متبرک سمجھتے ہیں، حالاں کہ یہ غیر اللہ کا چڑھاوا ہے، جو شرک کے دائرے میں آتا ہے، اس کا کھانا قطعاً حرام ہے، قبروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کے پانی کو متبرک سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ قبروں کو غسل دینا بھی خانۂ کعبہ کے غسل کی نقل ہے، جس کا کوئی جواز نہیں، یہ گندا پانی کیسے متبرک ہوسکتا ہے؟ بہرحال یہ سب باتیں غلط ہیں، جن کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔

یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ جن آثارِ مبارک کی نسبت رسولِ کریم ﷺ کی طرف کی جاتی ہے، کیا وہ صحیح ودرست بھی ہیں، یا یہ شہرت وناموری اور غلط مقاصد کے حصول کے لئے گھڑی داستانیں ہیں؟ اگر اُصول وضوابط کی روشنی میں تحقیق کی جائے تو اکثر لوگوں کے دعوے کہ ان کے پاس آثارِ مبارکہ ہیں، مشکوک ہوجاتے ہیں، لہٰذا اس بارے میں احتیاط ہی

بہتر ہے اور پھر آثارِ مبارکہ کا دیدار کوئی ایسی سعادت نہیں کہ اس سے گناہ معاف ہو جائیں اور درجات بلند ہوں، اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے، اگر آدمی کا عقیدہ وعمل درست نہ ہو تو چاہے وہ روز آثارِ مبارکہ کا دیدار کرے، اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا، ہاں جن آثار کی نسبت رسولِ کریم ﷺ کی طرف صحیح سند سے ثابت ہو اور ان کے دیدار کا کسی کو موقع مل جائے تو یقیناً یہ اس کے لئے ایک طرح کی سعادت اور شرف ہے۔

ٹوٹا آئینہ دیکھنا

سوال کیا ٹوٹے ہوئے آئینہ میں چہرہ دیکھ سکتے ہیں یا شرعاً ممانعت ہے؟

(ایم این صمد ناز، ریاض)

جواب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے، شرعاً اس سلسلے میں کوئی پابندی نہیں۔

وصیت نامہ شیخ احمد

سوال شیخ احمد امام مسجدِ نبوی کی طرف منسوب ایک وصیت نامہ ''رسولِ اکرم ﷺ کا پیغام اور ایک سچا واقعہ'' کے عنوان سے ایک صفحہ یہاں سعودیہ میں لوگوں کو تقسیم کرتے دیکھا، ایسا ہی پاکستان میں بھی ہوتا ہے، اس صفحہ میں اس شخص کے لئے وعید ہے جو اس واقعہ کو غلط سمجھے یا اس کو تقسیم نہ کرے، ایک کاپی آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، اس کی کیا حیثیت ہے؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

جواب اس سے قبل بھی ہم نے اس وصیت نامہ سے متعلق وضاحت کی تھی کہ یہ شیخ احمد کے نام سے ایک مجہول شخص کی وصیت ہے اور جھوٹ وافتراء ہے، جس میں رسولِ اکرم ﷺ کی وصیت کا ذکر ہے۔ ایک صحیح حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

من كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار. (۱)

جو کوئی میری طرف نسبت کر کے غلط بیان کرے، اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

---

(۱) بخاری عن انس، باب اثم من كذب علی النبی ﷺ

اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی حدیث بیان کرنے اور کسی ایسی بات کو جو آپ ﷺ نے نہ کہی ہو، آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کا انجام جہنم ہے۔ اس شدید وعید کا اثر یہ تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ احادیث بیان کرنے میں نہ صرف احتیاط بلکہ اس سے احتراز کرتے تھے اور جب تک مکمل اعتماد نہ ہو رسول اکرم ﷺ کی طرف نسبت کر کے کوئی حدیث نہ بیان کرتے تھے، بہرحال یہ وصیت نامہ اور واقعہ بے سند، بے ثبوت اور من گھڑت ہے، اس کو صحیح سمجھنا یا اسے تقسیم کرنا جائز نہیں۔

حرام کام کو حلال سمجھ کر کرنا

سوال ایک مسلمان قرآن صحیح طور پر پڑھتا اور سمجھتا ہے، پھر قرآن کریم کی کسی آیت میں کوئی کام حرام قرار دیا گیا ہو تو اس کو سمجھنے کے بعد بھی وہ شخص وہی کام کرے تو کیا وہ اسلام کے دائرے سے نکل جائے گا یا اس کے اسلام و ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ (ایم این خان، ملتان)

جواب کسی گناہ یا حرام کام کو حرام سمجھتے ہوئے عمداً ان کا ارتکاب کرنا یقیناً بڑا گناہ ہے اور یہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، ایسا شخص شرعاً فاسق کہلاتا ہے، لیکن وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا، البتہ جانتے بوجھتے کسی حرام کو حلال سمجھنا گویا حکم شرعی کا انکار کرنا ہے اور اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، مثلاً شراب حرام ہے، اگر کوئی شخص اس کی حرمت کو جانتے ہوئے بھی شراب پیتا ہے تو یہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، ایسے شخص کو فاسق و فاجر کہیں گے، لیکن وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا، البتہ اگر کوئی شخص حکم شرعی کو جاننے کے باوجود شراب کو مثلاً حلال سمجھ کر پئے یا صرف حلال سمجھے اور کہے تو اس سے وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، خلاصہ یہ کہ حرام کا ارتکاب کفر نہیں بلکہ حرام کو حلال سمجھنا یا حلال کو حرام قرار دینا کفر ہے۔

امامِ ضامن کی حیثیت

سوال ہمارے ہاں جب کوئی آدمی سفر پر جاتا ہے تو گھر والے یا دوسرے دوست احباب اس کے داہنے ہاتھ پر سبز یا سرخ کپڑے میں پچاس پیسے یا ایک

روپے کا سکہ رکھ کر باندھتے ہیں اور اس کو امامِ ضامن کہتے ہیں، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ ناجائز ہے اور اس کو ترک کرنا ضروری ہے، نیز اس طرح کا عقیدہ بھی ہو (جیسا کہ عوام میں یہ بات پائی جاتی ہے) کہ امام ضامن باندھنے سے آدمی کا سفر محفوظ ہو جاتا ہے، اسے کسی طرح کی تکلیف و مصیبت لاحق نہیں ہوتی تو یہ اور زیادہ گناہ کی بات، بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے، جس کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں۔

نظر بد کا قرآنی علاج

سوال اکثر دیکھنے میں آیا کہ جب بچے کو نظر لگ جاتی ہے تو مائیں بچے پر مرچ یا نمک واڑ کر چولہے میں ڈال دیتی ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کیا ہے؟ (احمد حسین، بحرین)

جواب یہ محض ایک ٹوٹکا ہے، جس کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، نظر بد کی صورت میں آخری دونوں سورتوں (معوذتین) کا پڑھ کر مریض پر پھونکنا مفید بلکہ سنت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ان دونوں سورتوں کو پڑھ کر دونوں ہاتھ پورے جسم پر پھیرنا چاہیے، سر، چہرہ اور سامنے کے حصہ پر ہاتھ پھیرنے کے بعد جسم کے پچھلے حصے پر ہاتھ پھیرنا چاہیے، چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان النبی ﷺ کان اذا أوی الی فراشه جمع کفیه ثم نفث فیهما فقرأ فیهما قل هو اللّٰه احد وقل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس، ثم یمسح بهما مااستطاع من جسده یبدأ بهما علی رأسه ووجهه وماأقبل من جسده یفعل ذلك ثلث مرات. (۱)

نبی کریم ﷺ ہر رات جب سونے کے لیے اپنے بستر پر آتے تو دونوں ہتھیلی کو جمع کرتے اور قل هو اللّٰه احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل

---

(۱) صحیح البخاری باب فضل المعوذین، فضائل القرآن، حدیث ۵۱۰۷

نیز دیکھیے صحیح مسلم، کتاب السلام باب رقیة المریض حدیث ۲۱۹۲

اعوذ برب الناس پڑھ کران میں تھک تھکاتے تھے، پھر جہاں تک ہوسکتا اپنے جسم کے حصہ پراسے پھیرتے، ابتداء سرسے، چہرے سے اور سامنے کے حصہ سے کرتے تھے، ایسا آپ تین مرتبہ عمل فرماتے۔

حدیث میں آیۃ الکرسی کا سوتے وقت پڑھ لینا بھی اس کے لئے مفید بتایا گیا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

من قرأها إذا اوىٰ إلى فراشه فإنه لن يزال عليه من الله حافظ و لا يقربه شيطان حتى يصبح. (۱)

جس نے لیٹتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ لی، تو اس کے لئے ہمیشہ ایک نگراں مقرر کردیا جاتا ہے اور اس کے قریب کوئی شیطان صبح ہونے تک نہیں آتا۔

صرف ارادہ کرنے سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی

سوال میں نے وطن میں اپنے محلے کی مسجد کے بارے میں دل میں ارادہ کیا تھا کہ پانچ سوریال دوں گا، ابھی وہ پانچ سوریال میں نے گاؤں کی دوسری مسجد میں دے دیئے ہیں، کیا میں نے درست کیا یا مجھے اسی مسجد میں یہ رقم لگانی چاہئے تھی؟ کیوں کہ مساجد تو سب ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہے؟

(نیاز، جدہ)

جواب احادیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی نیک کام کرنے کا صرف دل میں ارادہ کرے تو اس ارادہ پر ہی اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب وہ اسے انجام دیتا ہے تو دس گنا یا اس سے بھی زیادہ ثواب اس شخص کو عطا کیا جاتا ہے، ارادہ کرنے کے بعد اگر وہ نیک کام انجام نہ دے سکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، کیوں کہ صرف دل میں ارادہ کرلینے سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی، لہٰذا آپ نے ایک مسجد کے بارے میں ارادہ کرکے دوسری مسجد کے لئے رقم دے دی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، آپ کو اس کارِ خیر کا ثواب ان شاء اللہ برابر ملے گا، البتہ قسم یا نذر ومنت کی صورت میں کوئی چیز اپنے اُوپر واجب کرلی

---

(۱) صحیح البخاری / فضائل القرآن / باب فضل سورۃ البقرہ، حدیث ۵۰۱۰

جائے تو اس کا اسی طرح پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

کان میں ازراہِ علاج تار لگانا

سوال میرے ایک دوست کو بہت کھانسی آتی تھی، کافی علاج کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، وہ کھانسی سے تنگ آکر وطن جانے کے لئے تیار ہو گیا، اچانک اسے ایک آدمی نے بتایا کہ تم فلاں شخص کے پاس جاؤ وہ تمہارا علاج کرے گا میرا دوست اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ تم دونوں کانوں میں سوراخ کروالو اور کانوں میں تانبے کی تاریں ڈال لو، میرے دوست نے ویسا ہی کیا، اس آدمی نے کچھ پڑھائی وغیرہ بھی کی، اس دن سے میرے دوست کی کھانسی ختم ہو گئی، کیا آدمی اپنے کانوں میں سوراخ کروا کر بالی وغیرہ ڈال سکتا ہے؟

جواب اپنے جسم کو کھدوانا یا سوراخ کرنا جاہلانہ اور وہم وشک والی رسم ہے، اسلام کے آنے سے قبل جاہلیت کے زمانے میں بھی لوگ اس قسم کی رسمیں کیا کرتے تھے، ہندوؤں کے یہاں آج بھی ایسی واہیات قسم کی رسمیں موجود ہیں، آپ کے دوست نے اپنے کان کھدوا کر ایک نادرست کام کا ارتکاب کیا ہے، آپ ان کو سمجھائیں کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں، اپنے کانوں سے تانبے کے تار نکال دیں، بیماری وشفا، صحت وتندرستی اور کمزوری یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں، وہی شفا دینے والا ہے اور وہی نفع ونقصان کا مالک ہے، مخلوق یا اشیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ان سے یا ان کی وجہ سے کچھ ہوتا ہے، شرک ہے۔ مسندِ امام احمد میں عمران بن حصین ﷛ روایت کرتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ ﷺ ابصر علی عضد رجل حلقة (من صفر) فقال ويحك ماهذه ؟ قال من الواهنة ، قال : أما انها لاتزيدك الا وهنا . انبذها عنك . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا چھلہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا

(۱) مسند الامام احمد ٤/ ٤٤٥ ، حديث ۲۰۲٤۲ ، صحيح ابن حبان حديث ١٤١١

ہے؟ اُس شخص نے کہا: یہ میں نے اس لئے پہنا ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے کمزوری سے نجات ملے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اُتار دو، یہ تجھے کمزوری کے سوا اور کچھ بھی نہ دے گا۔

مسند امام احمدؒ ہی کی ایک دوسری حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کی یہ بددُعا موجود ہے کہ جو شخص چھلہ وغیرہ (اپنے گلے میں) لٹکائے اللہ تعالیٰ اُسے آرام نہ دے۔(۱)

ناجائز رسم

سوال ہمارے علاقے میں اگر کوئی فوت ہو جائے تو جنازے کے بعد کچھ لوگ درمیان میں صابن رکھ کر ایک دوسرے کو بخشتے ہیں، بعد میں یہ لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، کیا یہ صابن اور رقم تقسیم کرنا جائز ہے یا اس سے میت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے؟ (عبدالرشید جھنگی)

جواب یہ ناجائز رسم اور بدعت ہے، شریعتِ اسلامیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ میت کو اس سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے، البتہ ان بدعات وخرافات سے بچتے ہوئے روپیہ پیسہ یا کوئی بھی چیز میت کی طرف سے فقراء ومساکین میں صدقہ وخیرات کر دی جائے تو انشاء اللہ میت کو اس کا فائدہ ضرور پہنچے گا۔ ہدایہ میں ہے:

والأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة اوصوما أوصدقة أو غيرها عند أهل السنة و الجماعة . (۲)

اصل اس باب میں یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے خواہ وہ عمل نماز ہو، روزہ ہو، صدقہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور عمل ہو۔

بے بنیاد رسم

سوال ہمارے یہاں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ امام صاحب جب نماز پڑھا کر

---

(۱) مسند الامام احمد ۱۵٦/٤ مستدرك الحاكم ۲۱۹/٤ ، ابن ماجه ، حديث ۳۵۳۱

(۲) هدايه : ٦٧٦ ط : ديوبند ، باب الحج عن الغير

فارغ ہوتے ہیں اور اپنی جانماز سے اُٹھتے ہیں تو جانماز کا اگلا حصہ اُلٹ دیتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس طرح کیا گھر پر نماز پڑھی جائے اور جانماز اُٹھانا مقصود نہ ہو تو اس کا اگلا حصہ اُلٹ دینا چاہئے؟

(ظفر وقار، خمیس مشیط)

جواب یہ ایک رسم و عادت ہے، دین میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بے بنیاد بات

سوال سنا ہے کہ نیند میں پسینہ آنے سے فرشتے گناہوں کو دھوتے ہیں، اسی لئے لوگوں کو پسینہ نیند میں بہت آتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ ایک عام بات ہے، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں، قرآن میں ہے کہ نیکیاں کرنے سے گناہ دھلتے ہیں:

إن الحسنات يذهبن السيئات . (سورہ ھود ۱۱۴)

بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

بعض احادیث میں آتا ہے کہ وضو کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں، پسینہ کا آنا تو ایک غیر اختیاری اور طبعی فعل ہے، اس سے گناہ دھلنے کا کچھ تعلق نہیں۔

ناجائز رسم

سوال ۱۰ محرم کو ایک دوست کے گھر گیا تو دیکھا کہ وہاں دو آدمی قرآن پاک کو چادر میں اُٹھائے کھڑے ہیں اور باقی لوگ اس کے نیچے سے گذر رہے ہیں اور اس طرح تین چکر پورے کر رہے ہیں، یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ پرانی رسم ہے، کیا ایسا کرنا گناہ نہیں؟ یہ رسم ٹھیک ہے یا غلط؟ رہنمائی فرمائیں۔ (سلیم خان، جدہ)

جواب یہ ایک بے بنیاد رسم ہے، جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں، اس طرح کی رسوم و بدعات یقیناً گناہ و گمراہی کے کام ہیں، جو انسان کے جہنم میں جانے کا سبب بنیں گے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

ختم خواجہ خضر

سوال ہمارے علاقہ میں جب کہیں کنواں کھودنا مقصود ہوتا ہے تو پہلے خواجہ خضر کا ختم کرواتے ہیں اور ان سے دُعا کرتے ہیں کہ کنویں میں پانی آجائے، کیا یہ عمل جائز ہے؟

جواب یہ ناجائز رسم اور بدعت ہے، دین میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

مکان کی تبدیلی

سوال حال ہی میں ایک نیا فلیٹ میں نے خریدا ہے، ہم لوگ اس نئے گھر میں منتقل ہونا چاہتے ہیں، ہمارے یہاں ایک طریقہ یہ ہے کہ گھر منتقل ہونے سے ایک دن قبل قرآن کو لے جاکر رکھتے ہیں اور دوسرے دن گھر کا سامان جاتا ہے، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ اگر نہیں تو کیا دُعا پڑھنا چاہئے؟ رہنمائی فرمائیں

(شہباز احمد، جدہ)

جواب آپ نے جوصورت ذکر کی ہے، وہ محض ایک رسم ہے، اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، ہمارا مشورہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد سامان کی منتقلی سے پہلے یا بعد میں کم از کم دو رکعت نفل نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں کہ اس نے اپنے فضل سے آپ کو اس نعمت سے نوازا، نیز گھر میں برکت کے لئے جتنا ہوسکے قرآن شریف کی تلاوت کریں اور بالخصوص سورۂ بقرہ کی، کیوں کہ گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کرنے کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :

لاتجعلوا بیوتکم مقابر وان البیت الذی تقرأ البقرة فیه لایدخل الشیطان . (۱)

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

---

(۱) ترمذی عن أبی هریرة ، باب ما جاء فی سورة البقرة و آیة الکرسی ، أبواب فضائل القرآن

مطلب یہ ہے کہ گھروں کو قبرستان کی طرح ایسا ویران نہ بناؤ کہ اس میں نہ نماز ہو اور نہ تلاوتِ قرآن۔

کیا رسولِ کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں؟

سوال میں نے ایک مرتبہ محلّہ کی مسجد کے امام صاحب سے دورانِ گفتگو ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا، جیسے ہی میں نے ''تھا'' کا لفظ استعمال کیا، امام صاحب کافی بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ فلاں فلاں جماعت کے لوگ بھی رسول اللہ ﷺ کو ''تھا اور تھے'' کہتے ہیں اور ان کے عقائد درست نہیں ہیں، پھر انھوں نے کلمہ طیبہ کا ترجمہ سنایا کہ :
''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' جب تک یہ کلمہ ہے آپ ﷺ بھی ہیں اور آپ ﷺ کو ''تھا'' کہنا غلط ہے، اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ (میراں شریف، جدہ)

جواب جہاں تک رسولِ کریم ﷺ کی رسالت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نبی و رسول بنا کر بھیجے گئے، اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، آپ ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، تا قیامت آنے والے انسانوں کی کامیابی اسی میں منحصر ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی نبوت کو مان کر آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کریں اور جہاں تک رسولِ کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہے تو آپ انسانوں میں سے ایک انسان اور بشر ہی ہیں، لیکن سب میں افضل اور تمام انبیاء و رسل کے سردار ہیں، تمام مخلوقات میں رسولِ کریم ﷺ کے سب سے افضل اور اللہ کی بارگاہ میں سب سے مقرب ہونے میں کوئی شک نہیں، آپ ﷺ سے محبت ایمان کا تقاضہ ہے، لیکن محبت میں غلو کرتے ہوئے آپ ﷺ کو مافوق البشر قرار دینا یا اللہ تعالیٰ کی خاص صفات اور حقوق میں سے کسی حق میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دینا کسی طرح جائز نہیں۔ ایک موقع پر رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی ابن مریم فانما أنا عبده

ولکن قولوا عبداللہ ورسولہ . (۱)

میری تعریف میں ایسا غلو نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی تعریف میں غلو کیا، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، بلکہ مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہو۔

مسئلہ صرف ''ہے'' یا ''تھے'' کا نہیں بلکہ عقائد کی درستگی کا ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے برصغیر میں ایسے افراد خاصی تعداد میں موجود ہیں، جو رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں غلط عقائد بلکہ کفریہ وشرکیہ عقائد میں مبتلا ہیں، مثلاً یہ کہ آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں اور ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں، یعنی حاضر وناظر ہیں، حالاں کہ یہ عقیدہ مشرکانہ ہے اور صریح نصوص کے خلاف ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ جَهْرَكُمْ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ . (سورۃ الانعام ۳)

اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی جانتا ہے اور تمہارے ظاہری احوال کو بھی جانتا ہے اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حاضر وناظر نہیں ہے، اللہ ہی مختارِ کل ہیں، یعنی کسی کو نفع ونقصان پہنچانے کا مکمل اختیار اللہ ہی کو حاصل ہے، غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے سوا کسی اور کو علم غیب حاصل نہیں، اولیاء اور انبیاء کا ہر چیز سے باخبر ہونا اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہے اور اس سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ . (سورۃ النمل ۶۵)

کہہ دیجئے کہ آسمان والوں میں سے اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم حدیث ۳۴۴۵

نبی کریم ﷺ کے بارے میں اس طرح کے عقائد کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور یہ سب بے ثبوت ہیں۔آپ کے محلّہ کے امام صاحب بھی اسی طرح کے خیالات وعقائد کے حامی نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور باطل افکار و خیالات سے بچائے رکھے۔

مشکل کشا کون؟

سوال لوگ اپنی مشکل میں علی ؓ کو "مشکل کشا" سمجھ کر پکارتے ہیں، کچھ لوگ عبدالقادر جیلانیؒ کو "غوث الاعظم" کہہ کر پکارتے ہیں، کچھ لوگ "یا علی مدد" کے نعرے لگاتے ہیں، کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے؟

(بدر منیر، ریاض)

جواب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور مشکل کشا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی غوث ہیں اور وہی اعظم ہیں، مخلوق میں سے کوئی بھی کسی کی مدد یا نفع ونقصان کا مالک نہیں، غیر اللہ کو مدد ونصرت اور مشکل حل کرنے کی نیت سے پکارنا شرکِ اکبر ہے، جیسا کہ " إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ " میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد طلب نہیں کرنی چاہئے اور حدیث شریف میں ہے : "إذا استعنت فاستعن بالله "(۱) — کہ جب تم مدد مانگو تو اللہ سے مانگو، الغرض غیر اللہ سے مدد طلب کرنا اور پکارنا ناجائز اور شرک ہے اور مدد طلب کرنے کی نیت نہ بھی ہو تو بھی اس طرح پکارنا مناسب نہیں۔

نجومی وکاہن کے پاس جانا

سوال میں نے سنا ہے کہ ہاتھ دیکھنا شرک ہے، لیکن کہیں پڑھا نہیں، اگر یہ شرک ہے تو کیسے؟ (سمیرا فاطمہ، ریاض)

جواب کسی نجومی، کاہن یا تعویذ گنڈہ وغیرہ کرنے والے کے پاس جانا اور ہاتھ دیکھنا، دکھانا کفر ہے، وتصديق الكاهن بما يخبره عن الغيب كفر (۲) ——— اس لئے کہ ہاتھ

---

(۱) الترمذی / صفة القيامة / باب حديث حنظلة، حديث ۲۵۱۸

(۲) شرح العقائد ۱۶۹

دیکھنے والا اور دکھانے والا دونوں علم نجوم پر ایمان رکھتے ہیں اور غیب کی باتیں جاننے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا :

من اتی عرافا فسأله عن شی ء لم تقبل له صلوٰة اربعین لیلة . (۱)

جو شخص کسی کاہن (نجومی) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا (اور اس کی بات کی تصدیق کی) تو چالیس دن تک ایسے شخص کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ جس کسی نے کسی نجومی وکاہن کی بات کی تصدیق کی اس نے محمد ﷺ پر نازل کی گئی بات کا کفر کیا(۲)—— بزار کی ایک روایت میں ہے کہ : ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کاہن ونجومی کے پاس جائے۔''

علم نجوم یعنی ستاروں اور ان کی گردش وغیرہ کے بارے میں امام بخاریؒ نے مشہور تابعی قتادہؒ کا قول صحیح بخاری میں نقل کیا کہ ستارے تین کاموں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، آسمان کی زینت وخوبصورتی، شیاطین کو مار بھگانے کا ہتھیار اور رات کے مسافروں کے لئے رہنمائی، جو شخص ستاروں کے بارے میں ان تین باتوں کے علاوہ کوئی اور عقیدہ رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے اور اس نے اپنے اُوپر زیادتی کی ہے۔(۳)

حقیقی اور مجازی سجدہ کی حقیقت

سوال سجدہ صرف اللہ کو ہی نماز میں کیا جاتا ہے، لیکن ہمارے یہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ سجدہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک حقیقی سجدہ جو نماز میں ہوتا ہے اور اللہ کے لئے کیا جاتا ہے، دوسرا مجازی سجدہ جو درگاہوں اور قبروں پر کیا جاتا ہے، ان کی یہ بات قرآن وحدیث کی روشنی میں کہاں تک صحیح ہے؟

(میر سردار علی، جدہ)

---

(۱) مسلم ۲/۲۳۳ فی آخر باب تحریم الکهانة و اتیان الکهان

(۲) ابوداؤد ۲/۵٤٥ عن ابی هریرةباب النهی عن اتیان الکهان

(۳) صحیح البخاری / کتاب بدء الخلق / باب فی النجوم

جواب غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا کسی طور پر جائز نہیں، سجدہ تعظیمی پہلی شریعت میں جائز تھا، لیکن شریعتِ محمدی میں وہ بھی منسوخ کردیا گیا، اب یہ جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ تعظیماً ہی سہی کرے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صحابہ ﷺ نے اونٹ کو آنحضرت ﷺ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا :

یارسول اللّٰہ! تسجد لك البهائم و الشجر فنحن أحق أن نسجد لك فقال : اعبدوا ربكم و أكرموا أخاكم و لو كنت امرًا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها . (۱)

اے رسول اللہ ﷺ! آپ کو چوپائے اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ حق دار ہیں اس بات کے کہ آپ کو سجدہ کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا! اپنے رب کی عبادت کرو، اپنے بھائیوں کا اکرام کرو، اگر میں کسی کو کسی دوسرے کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

قوله فقال اعبدوا ربّكم أي بتخصيص السجدة له فإنها غاية العبودية و نهاية العبادة ، أكرموا أخاكم أي عظموه تعظيماً يليق له بالمحبة القلبية و الاكرام المشتمل على الاطاعة الظاهرية و الباطنية . و فيه إشارة إلى قوله تعالىٰ : " مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ " ، و إيماء إلى قوله : " مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِيْ بِهٖ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ " و إنما سجدة البعير فخرق العادة واقع بتسخير اللّٰه و أمره فلا مدخل له صلى اللّٰه عليه وسلم في فعله و البعير معذور حيث أنه مامور من ربّه كأمر اللّٰه

(۱) مسند احمد ۶/۷۶ ، ۵/۲۲۸

تعالیٰ ملٰئکته ان یسجدوا لاٰدم . (۱)

نبی کریم ﷺ کے "اعبدو ربکم" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ اس لئے کہ یہ بندگی کی غایت اور عبادت کی انتہاء ہے...... "اکرموا أخاكم" کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کی قلبی محبت کے ساتھ ایسی تعظیم کرو جو اس کے لائق اور مناسب ہو۔ اور اکرام اطاعت ظاہری و باطنی دونوں کو شامل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: "کسی ایسے انسان کو جسے اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت اور نبوت دے، یہ لائق نہیں کہ پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو کہے گا کہ تم سب رب کے ہو جاؤ" نیز اللہ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ ہے: "میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے مجھے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے" اور جہاں تک اُونٹ کے سجدہ کرنے کی بات ہے تو وہ خرق عادت کے طور پر تھا جو اللہ کے حکم اور اس کے امر سے واقع ہوا تھا اس میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا اور اُونٹ معذور تھا اس لئے کہ اسے اس کے رب کی طرف سے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ غیر اللہ کا سجدہ کسی طور جائز نہیں اور سجدۂ تعظیمی پہلی شریعت میں جائز تھا اور اس کی اجازت اب منسوخ ہو چکی ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے:

لایجوز ما یفعله الجهال لقبور الاولیاء و الشهداء من السجود و الطواف حولها . (۲)

(۱) مرقات المفاتیح ۱۷۵/۳ (۲) تفسیر مظهری ۶۵۰/۲

جہلاء اولیاء وشہداء کی قبروں پر جو سجدہ وطواف کرتے ہیں، وہ جائز نہیں۔

وسیلے سے دُعا مانگنا

سوال کیا اس طرح سے دُعا کرنا جائز ہے: ''اے اللہ ہم نے جو دُعا مانگی ہے اس کو اپنے لطف وکرم سے، اپنے حبیب محمد ﷺ اور تمام صحابہ کرام ؓ اور تمام اولیاء اللہ کے صدقے وطفیل میں اور اپنے کلام پاک کی برکت وعظمت سے ہماری دُعا قبول فرما''؟ (ابرار احمد، جدہ)

جواب توسل سے مراد کسی کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا ہے۔ توسل کی بعض صورتیں بالاتفاق جائز ہیں اور بعض ناجائز ہیں اور بعض کے جائز اور ناجائز ہونے میں اختلاف ہے۔

۱) جس توسل پر اتفاق ہے، وہ ہے اعمالِ صالحہ کا توسل، آپ اخلاص کے ساتھ کوئی عمل کریں پھر دُعا کریں اور اللہ کے حضور اپنے اس عمل کو بطورِ وسیلہ پیش کریں، رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے تین اشخاص کا ذکر فرمایا، جن پر اتفاق سے پہاڑ کی چٹان آگرنے سے غار کا راستہ بند ہوگیا تھا، ان تینوں حضرات نے اپنے بعض نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے راہ کھل جانے کے لئے گریہ وزاری کی اور حق تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی، جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں ہے۔(۱)

۲) دوسری شکل اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کے واسطہ کی ہے، جو ابھی زندہ ہوں، اس صورت کو بھی اکثر اہل علم نے جائز قرار دیا ہے، احادیث میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں قحط پڑا تو حضرت عمر ؓ نے دُعا فرمائی:

اللّٰهم كنا نتوسل إليك بنبينا وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا . (۲)

بارِالٰہی! ہم اپنے نبی ﷺ کو آپ کے پاس وسیلہ بناتے تھے، اب ہم نبی ﷺ

---

(۱) صحیح البخاری / ابواب الاستسقاء، حدیث ۱۰۱۰

صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء/ باب قصۃ اصحاب الغار، حدیث ۲۷۴۳

(۲) صحیح البخاری عن انس / کتاب الاستسقاء / باب سؤال الناس الامام، حدیث ۱۰۱۰

کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہم کو سیراب کر۔

اسی طرح آپ ﷺ فقراء مہاجرین کا واسطہ دے کر مسلمانوں کی فتح کے لئے دُعا فرمایا کرتے تھے، کان یستفتح بصعالیك المھاجرین (۱) یہ ظاہر ہے کہ زندوں کا توسل ہے

۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے ان صالح بندوں کا واسطہ دیا جائے جن کی وفات ہو چکی ہے، خصوصیت سے آپ ﷺ کا وسیلہ بغیر اس کے کہ آپ ﷺ کو کائنات میں متصرف اور نفع ونقصان میں مؤثر سمجھا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ حدیث سے صریح طریق پر اس کا ثبوت نہیں، تاہم بعض مطلق حدیثیں ہیں جو اس کے جواز کو بتاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں عثمان بن حنیف ؓ کی حدیث قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں :

إن رجلا ضرير البصر أتى النبى ، فقال ادع اللّٰه أن يعافينى ، فقال إن شئت صبرت و إن شئت دعوت ، فقال : ادعه ، فأمره أن يتوضأ ، فيحسن وضوءه و يصلى ركعتين و يدعو بهذا الدعاء : اللّٰهم إنى أسئلك و أتوجه إليك بمحمد نبى الرحمة يا محمد ! إنى توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه ليقضي اللّٰهم فشفعه فِيّ . (۲)

ایک نابینا شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا فرمایئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو اس دُعا کو مؤخر کر دو اور چاہو تو دُعا کروں، اُنھوں نے دُعا کرنے کی خواہش کی، آپ ﷺ نے حکم دیا اچھی طرح وضو کریں اور دو رکعت نماز ادا کریں، پھر اس طرح دُعا کریں کہ اے اللہ! میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں اور نبی رحمت محمد ﷺ کے واسطہ سے آپ کی طرف توجہ کرتا ہوں، اے محمد! آپ کے وسیلہ سے میں اپنے پروردگار کی طرف اپنی اس ضرورت کے لئے متوجہ ہوں، تو خدایا! آپ ﷺ کی سفارش قبول فرما۔

---

(۱) مشکاۃ المصابیح / کتاب الرقاق / باب فضل الفقراء ، حدیث ۵۲۴۷

(۲) ابن ماجہ ، نسائی ، ترمذی عن عثمان بن حُنیف ، باب الدعوات

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے صحیح قرار دیا ہے، نیز مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ خود سرخیل جماعتِ اہل حدیث علامہ شوکانیؒ نے ''تحفۃ الذاکرین'' میں اس حدیث کی صحت سے اتفاق کیا ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے کوئی قید نہیں لگائی ہے کہ یہ دُعا صرف میرے حین حیات ہی درست ہے، اس سے اس نوعیت کے توسل کے جواز کا اشارہ ملتا ہے، تاہم طبرانی نے نقل کیا ہے کہ عثمان غنی ؓ کے عہد میں ایک شخص جو آپ کے پاس آمد و رفت رکھتا تھا، کسی ضرورت سے آپ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، عثمان ؓ نے کسی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کی، عثمان بن حنیف نے اس طریق پر دُعا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اَب جو وہ دوبارہ آیا تو عثمان ؓ نے اس کی طرف پوری ہمدردی کے ساتھ توجہ فرمائی، پھر جب اس شخص نے عثمان بن حنیف کا شکریہ ادا کیا کہ شاید آپ نے امیر المومنین سے میرے بارے میں گفتگو کی ہے تو عثمان بن حنیف نے انکار کر دیا، فرمایا کہ اصل میں یہ اسی دُعا کا اثر ہے (۱) ــــــــ اس روایت کی روشنی میں ''اثرِ صحابہ ؓ سے توسل ثابت ہے'' تاہم اس کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ اس روایت کی صحت اور استناد مشتبہ ہے، اس لئے کہ اس میں روح بن صلاح نامی روای آئے ہیں، جن کو گو ابن حبانؒ اور حاکمؒ جیسے بلند پایہ محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے، لیکن بعض حضرات نے ان کو ضعیف بھی قرار دیا ہے (۲) تاہم قرآنِ مجید میں انبیاءِ کرام اور احادیث میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کی جو دُعائیں منقول ہیں، ان میں اس طرح کا توسل نہیں ملتا، اس لئے دُعا میں توسل کو مستحب نہیں کہا جا سکتا، نیز موجودہ زمانہ میں ضعیف الاعتقادی کو دیکھتے ہوئے گمان ہوتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ اس سے عوام گمراہی میں مبتلا ہو جائیں اور غیر اللہ کے لئے قدرت و تصرف اور اختیار کے عقیدہ میں مبتلا ہو جائیں، اس لئے فی زمانہ اس سے احتیاط ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ جن کا وسیلہ دیا جا رہا ہے، ان کو بھی کارخانہ قدرت میں متصرف سمجھا جائے، یا یوں گمان کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و فیصلہ پر اثر انداز ہو جائیں گے،

---

(۱) انجاح الحاجۃ، حاشیہ ابن ماجہ ۹۹ (۲) انجاح الحاجۃ، حاشیہ ابن ماجہ ۹۹

ظاہر ہے یہ صورت کفر ہے، کیوں کہ مشائخ اور بزرگوں کی ارواح کو متصرف جاننا فقہاء کے نزدیک از قبیل کفر قرار پایا ہے۔

۵) پانچویں صورت یہ ہے کہ وسیلہ میں بزرگوں کے حق، جاہ وحرکت کا حوالہ دیا جائے، مثلاً بحق فلاں، بجاہِ فلاں، بحرمتہ فلاں، یہ صورت بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اہل سنت کے مسلم عقیدہ کے مطابق خدا پر کسی کا کوئی حق نہیں، نہ اللہ کی ذات کے سامنے کسی کے جاہ و حرمت کی کوئی اہمیت ہے۔ درّ مختار میں ہے:

وكره قوله بحق رسلك و أنبياء ك و أولياء ك ، أو بحق البيت ، لأنه لا حق للخلق على الخالق . (۱)

بحق رسول، بحق نبی، بحق ولی، یا بحق بیت اللہ وغیرہ کہنا مکروہ ہے، اس لئے کہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔

نیز علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں:

ويكره أن يقول في دعائه بحق فلان و بحق أولياء ، لأنه لا حق للمخلوق على الخالق . (۲)

دُعا میں بحق فلاں یا بحق ولی وغیرہ کہنا مکروہ ہے کہ خالق کا مخلوق پر کوئی حق نہیں۔

فلم دیکھنے سے ایمان خارج ہو جاتا ہے؟

سوال یہاں بعض لوگ کہتے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں کہ جو آدمی وی سی آر پر فلم دیکھے تو چالیس دن تک وہ اسلام سے خارج رہتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

(عنایت الرحمٰن، عرعر)

جواب فلم دیکھنا یقیناً گناہِ کبیرہ ہے، لیکن کسی گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی اسلام وایمان کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا، نہ مستقل اور نہ چالیس دن کے لئے، یہی جمہور اہل

(۱) درّمختار على هامش ردّالمحتار ۲۵۴/۵

(۲) الهداية ۴۵۹/۴ ، كتاب الكراهية

سنت کا مسلک ہے، البتہ فرق باطلہ میں معتزلہ اور خوارج کا عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو کافروں کے ساتھ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائے گا(۱) اس کے برخلاف مرجئہ اور جہمیہ کا عقیدہ تھا کہ اگر کوئی مسلمان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے تب بھی وہ کامل ایمان والا برقرار رہتا ہے(۲) —— ایمان کے ساتھ گناہ کوئی نقصان دہ نہیں، جیسا کہ کفر کے ساتھ نیکی اور اطاعت فائدہ مند نہیں، چنانچہ ان کے عقیدے کے مطابق گناہِ کبیرہ کا مرتکب بھی جہنم میں داخل ہونے کا مستحق نہیں، لیکن یہ تمام فرقے افراط وتفریط اور گمراہی کا شکار ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اس معاملہ میں یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا تو مؤمن رہتا ہے، لیکن کبیرہ گناہ کی وجہ سے اس کا ایمان ناقص رہتا ہے اور اس شخص کا شمار فاسقوں میں ہوتا ہے، اگر بغیر توبہ کئے اسی حالت میں مر جائے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ چاہے تو اپنے فضل سے معاف کردے اور جنت میں داخل کردے اور اگر چاہے تو گناہوں کے بقدر عذاب دے کر اور جہنم میں داخل کر کے گناہوں سے پاک کردے، پھر جنت میں داخل کردے۔ بہر حال وہ کافروں کی طرح ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں کیا جائے گا(۳)

اس میں شک نہیں کہ کسی آدمی سے اگر کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو جائے تو اسے فوراً توبہ کرنی اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہئے، نیز گناہِ کبیرہ پر اصرار یعنی بار بار کبیرہ گناہوں کو کرتے رہنا اچھی چیز نہیں، بلکہ یہ غضبِ الٰہی کا باعث ہے اور اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اس شخص سے توفیق توبہ ہی سلب کرلی جائے اور اس کا خاتمہ خیر پر نہ ہو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

شراب پینے والے کا ایمان

سوال کیا مسلمان کے شراب پینے سے اس کے ایمان پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

جواب شراب کے بارے میں ایک حدیث میں آتا ہے کہ یہ ''اُم الخبائث'' یعنی ساری

---

(۱) شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۳۷۰ (۲) شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۳۳۷

(۳) شرح العقیدۃ الواسطیۃ، تالیف: دکتور صالح فوزان ۱۸۰

برائیوں کی جڑ ہے، اسی طرح ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

لعن اللّٰہ الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة اليه . (۱)

اللہ تعالیٰ نے شراب پر لعنت فرمائی، (شراب خود ملعون شئ ہے اور پھر شراب سے متعلق نو افراد پر اللہ کی لعنت ہے) اور شراب پینے والے پر، پلانے والے پر، بنانے والے، بنوانے والے پر، خریدنے والے پر، بیچنے والے پر، اُٹھا کر لے جانے والے پر اور اس پر جس کی طرف اُٹھا کر لی جائی جائے۔

لايشرب الخمر رجل من امتي فيقبل الله منه صلوٰة اربعين يوماً (۲)

شراب پینے والے کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے :

ولايشرب الخمر شاربها حين يشربها وهو مؤمن . (۳)

کوئی شخص شراب پیتا ہے تو اُس وقت وہ مؤمن نہیں رہتا، یعنی اس سے اس کا ایمان اُٹھالیا جاتا ہے اور سلب کرلیا جاتا ہے۔

اللہ کی پناہ! اگر ایسی حالت میں اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا حشر کیا ہو؟

اللہ تعالیٰ کے لئے لفظِ خدا کا استعمال

سوال کیا اللہ تعالیٰ کو خدا کہہ کر پکارنا جائز ہے؟ (حاجی محمد یوسف، مکہ مکرمہ)

جواب اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام اسمائے حسنیٰ تو بہت سارے ہیں، لیکن ذاتی نام صرف ایک ہے اور وہ ہے "اللہ" اللہ تعالیٰ کے نام مبارک لفظ اللہ کو اسم جلالہ بھی کہا جاتا ہے، اس کا ترجمہ کسی بھی دوسری زبان میں ممکن نہیں ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو خدا نہ کہا جائے بلکہ صرف اللہ ہی کہا

---

(۱) ابوداؤد ، باب العصير للخمر ، كتاب الاشربة

(۲) نسائي عن عبدالله بن عمر ، ذكر الروايات المبنية عن صلوٰة شارب الخمر

(۳) نسائي عن ابي هريرة ، ذكر الروايات المغلظات في شرب الخمر

نیز دیکھئے : بخاری عن ابن عباس ۲/ ۱۰۰۳ باب مايكره من لعن شارب الخمر

جائے، البتہ اگر کسی کو سمجھانا مقصد ہو تو بطورِ تعلیم اس کا ترجمہ خدا کے لفظ سے ہوسکتا ہے لیکن عام طور پر خدا کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔

لفظ جلالہ کا ترجمہ خدا یا گوڈ (GOD) سے کرنا اس لئے مناسب نہیں ہے کہ ان دونوں ترجموں کے ساتھ بعض قوموں کے اپنے تصورات شامل ہیں، مثلاً خدا جو کہ فارسی لفظ ہے، پارسیوں اور اہل فارس کا عقیدہ تھا، کہ خدا دو ہیں : ایک نیکی کا خدا جسے وہ یزداں کہتے ہیں اور دوسرا برائی کا خدا جس کا نام اہرمن ہے، پھر ان دونوں پر ایک تیسرا بڑا خدا ہے جسے وہ خدایاں کہتے ہیں۔

ناجائز کلام

سوال برصغیر سے بعض لوگ حج پر آتے ہیں اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دیتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ کملی والے نے بلایا ہے جب وہ کہیں گے تو واپس جائیں گے، اس میں کتنی حقیقت ہے؟ (زماں خان، جدہ)

جواب اس طرح کا کلام جائز نہیں، بلکہ یہ شرکیہ عقائد کا ترجمان ہے، رسولِ کریم ﷺ سے محبت کا تقاضہ یہ نہیں کہ اللہ کے اختیارات آپ ﷺ کو سونپ دیئے جائیں اور اس معاملے میں آپ ﷺ کو مختار سمجھا جائے۔

عذابِ قبر کی حقیقت

سوال ہمارے ہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو عذابِ قبر کا انکار کرتے ہیں، ایک رسالہ میں اس کے خلاف ایسا مضمون بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے جس سے کہ شکوک وشبہات پیدا ہوں، برائے مہربانی کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ کیا قبر کا عذاب برحق ہے؟ اگر یہ برحق ہے تو اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ کیوں کہ بعض قومیں اپنے مردوں کو دفن کرنے کے بجائے جلا ڈالتی ہیں اور پھر مردے کو دفن کرنے کے بعد بھی بالعموم چند دنوں میں مردہ کا جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب کے کیا معنیٰ؟ نیز حساب وکتاب تو قیامت کے دن میدانِ حشر میں ہوگا پھر حتمی فیصلہ سے پہلے عذاب یا ثواب کی کیا حقیقت

ہے؟ اُمید ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں تشفی بخش جواب سے نوازیں گے۔ (طارق شریف، محمد سلیم، جدہ)

جواب سب سے پہلے یہ اُصولی بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے ایمان بالغیب کا مطالبہ ہے، سورۂ بقرہ میں اہل تقویٰ کی سب سے پہلی صفت یہی بیان کی گئی ہے: الذین یؤمنون بالغیب (البقرہ ۳) کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں، جو کچھ مرنے کے بعد ہونے والا ہے اور جو چیزیں ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں جیسے جنت، دوزخ، حساب و کتاب، قبر کی زندگی، فرشتوں کی حقیقت، اللہ کی ذات وصفات وغیرہ، یہ سب چیزیں ہمارے عقل وادراک سے ماوراء ہیں اور ان کے بارے میں ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں بتا دیا ہے، لہٰذا قرآن کریم اور صحیح احادیث کے بیان سے زیادہ تفصیل جاننے کی کوشش بے سود ہے۔ اگر ہم ان غیبی حقائق کے ادراک کے لئے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اپنی عقل کے تیر چلانے لگ جائیں تو نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں نکلے گا، کیوں کہ انسانی عقلیں محدود ہیں اور بہت سی چیزیں عقل انسانی کے دائرے سے باہر ہیں، ان کی نشاندہی صرف وحی الٰہی کر سکتی ہے، اس لئے ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں یہ جاننے کی کوشش کرے کہ آیا یہ چیز قرآن کریم یا صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ پھر قرآن یا احادیثِ صحیحہ سے اس بارے میں جو کچھ رہنمائی ملے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے، چاہے اس کی عقل اسے قبول نہ کرے، کیوں کہ اس کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہے اور یہ یقین ہے کہ اللہ و رسول کی بتائی ہوئی باتیں غلط نہیں ہو سکتیں۔

عذابِ قبر قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ بلکہ متواتر احادیث سے ثابت ہے اور جو چیز ان دونوں سے ثابت ہو اس کا انکار سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟ لہٰذا تمام اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے، علماءِ حق اور اہل سنت والجماعت کے درمیان اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں اور کوئی اس کا منکر نہیں، چنانچہ "الفقہ الاکبر" میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: اور قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے اور بندہ کی طرف روح کا لوٹایا جانا حق ہے اور قبر کا بھینچنا حق ہے اور اس کا عذاب تمام کافروں کے لئے اور بعض مسلمانوں کے لئے حق

ہے، ضرور ہوگا۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :

وسؤال منكر و نكير في القبر حق كائن في القبر و اعادة الروح إلى جسد العبد في قبره و ضغطة القبر حق و عذابه حق كائن للكفار كلهم و بعض عصاة المسلمين . (۱)

قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا، جسم میں روح کا لوٹایا جانا، قبر کا بھینچنا، تمام کفار کے لئے اور بعض گنہ گار مسلمان کے لئے عذاب برحق مسئلہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ "شرح العقیدۃ الواسطیہ" میں تحریر فرماتے ہیں :

اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ لوگ مرنے کے بعد اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا ہوں گے، ان کا امتحان ہوگا، پھر اس سلسلے میں ایک صحیح حدیث اور قرآن پاک کی آیت ذکر کر کے آگے لکھتے ہیں : اس امتحان و آزمائش کے بعد یا تو عذاب ہوگا یا راحت و نعمت (۲) —— جو قبر میں امتحان کے سوالات کا صحیح جواب دے دے وہ اپنی قبر میں نجات پا گیا اور جو اس کا جواب نہ سکے وہ سخت نقصان میں رہے گا۔ قبر میں عذاب روح پر ہوگا اور جسم اس کے تابع ہوگا اور قیامت میں عذاب روح اور بدن دونوں پر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قبر کا عذاب وثواب حق ہے اور کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور اُمتِ اسلامیہ کے اجماع سے ثابت ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم کتاب وسنت کی روشنی میں مزید کچھ وضاحت کریں گے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ قبر سے مراد صرف ڈیڑھ دو گز کا وہ گڑھا ہی نہیں جس میں کہ مردہ کو دفن کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد مرنے کے بعد سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے، جس کا دوسرا نام برزخ ہے۔ سورہ مؤمنون میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

---

(۱) شرح کتاب الفقه الاکبر ۱۴۹-۱۴۷ ط : بیروت

(۱) العقيدة الواسطية ۱۴۲

(یہ لوگ اپنے کاموں سے باز نہیں آئیں گے) یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کو موت آئے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ اے میرے رب! مجھے اس دنیا میں واپس بھیج دے جسے میں چھوڑ آیا ہوں، اُمید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔ ہرگز نہیں! یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے، اب ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے اس دن تک جس دن کہ وہ اُٹھائے جائیں گے، پھر جب جیسے ہی صور پھونک دیا جائے گا ان کے درمیان نہ کوئی رشتہ رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

(سورۂ مومنون ۹۹-۱۰۱)

ان آیات میں زندگی و موت کے بعد قیامت تک کی برزخی زندگی کا اجمالی ذکر موجود ہے، اب مردہ کو خواہ دفن کیا جائے اور پھر اس کا جسم سڑ گل جائے یا اسے جلا کر خاک کر دیا جائے اور اس کی راکھ کو ہواؤں میں اُڑا دیا جائے یا پانی میں بہا دیا جائے، بہر حال وہ قیامت تک ''عالمِ برزخ'' میں رہے گا اور اس کی روح کا اس کے جسم سے تعلق رہے گا، اگرچہ وہ تعلق ایسا نہیں ہوگا جیسا کہ اس دنیا میں ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، غرض، عذاب یا ثواب کے لئے قبر میں دفن ہونا ہی ضروری نہیں بلکہ صرف عالمِ دنیا سے نکل کر عالمِ برزخ میں منتقل ہونا کافی ہے۔ اب مردہ چاہے جہاں بھی اور جس حال میں بھی ہو علمِ الٰہی سے تو غائب نہیں، اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس کے منتشر ذرّات کو یکجا کر کے اسے کوئی وجود بخشے، ایسا وجود جس کا ہم اس دنیا میں تصور نہیں کر سکتے، پھر اس پر عذاب یا ثواب مرتب ہو، جیسا کہ مذکور ہوا۔ صحیح بخاری میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے کہ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے جلا کر آدھی راکھ ہوا میں اُڑا دینا اور آدھی دریا میں بہا دینا، کیوں کہ میں بہت گنہگار ہوں، اگر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آ گیا تو سخت سزا ملے گی، مرنے کے بعد اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا، اللہ تعالیٰ نے خشکی و سمندر سے اس کے اجزاء کو جمع فرما کر اسے زندہ فرمایا اور اس کے خوف کو دیکھ کر اللہ نے اپنی رحمتوں سے نوازا۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو : صحیح البخاری عن ربعی بن حراش ، باب ماذکر عن بنی اسرائیل کتاب الانبیاء

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کے جسم کے منتشر ذرات کے ساتھ اس کی روح کا ایسا تعلق جوڑ دے کہ وہ ہر وقت عذاب یا راحت محسوس کرے، کیوں کہ قبر یا عالم برزخ میں عذاب اصلاً بدن کو نہیں ہوتا بلکہ روح کو ہوتا ہے جیسا کہ اُوپر ہم نے علامہ ابن تیمیہؒ کا اقتباس نقل کیا ہے، علماءِ اہل سنت کا یہی خیال ہے کہ عالم برزخ میں عذاب یا راحت کا تعلق براہِ راست روح سے ہوگا اور جسم اس کے تابع ہوگا، اس دنیا میں بالکل اس کے برعکس تکلیف و راحت کا تعلق ہے، یہاں آرام و تکلیف اصلاً جسم اور بالواسطہ روح کے ہوتی ہے اور جنت و دوزخ میں عذاب و راحت کا تعلق براہِ راست جسم اور روح دونوں سے ہوگا۔ علامہ ابن ابی العزؒ رقم طراز ہیں :

تعاد الروح إليه إعادة غير الإعادة المألوفة في الدنيا . (۱)

جسم میں روح واپس کردی جائے گی البتہ اس طریقہ سے نہیں جیسا کہ دنیا میں اس میں روح تھی۔

عذابِ قبر کی سب سے بڑی دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جس میں فرعون و آلِ فرعون کے عذاب کا ذکر ہے، ارشادِ باری ہے :

النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون أشد العذاب . (سورۃ المومن ۴۶)

دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو۔

یہ آیت فرعون اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں ہے، اس میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر ہے، ایک کم تر درجے کے عذاب کا جو ہزاروں برس سے فرعون اور آلِ فرعون کو دیا جارہا ہے اور قیامت تک دیا جاتا رہے گا، دوسرا اشد ید تر عذاب، جو قیامت کے بعد انھیں دوزخ میں دیا جائے گا۔

یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ فرعون کی لاش تو محفوظ ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے

---

(۱) شرح العقيدة الطحاوية ۳۹۹

بدن کو محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے، تاکہ بعد میں آنے والی قوموں کے لئے وہ نشانِ عبرت بنا رہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے :

فالیوم ننجیك ببدنك لتكون لمن خلفك آية . (یونس ۹۲)

سو آج ہم صرف تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ ان کے لئے نشانِ عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں۔

مگر اس کے جسم پر عذاب کا کوئی نام ونشان نہیں اور دیکھنے والوں کو اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ اس پر کوئی عذاب ہو رہا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ہمارے پہلو میں سویا ہوا ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو، آگ میں جل رہا ہو یا سانپ بچھو اس کو ڈس رہے ہوں، پھر اچانک وہ تکلیف سے چیخ کر اُٹھتا ہے اور پوچھنے پر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ڈراؤنا خواب دیکھا ہے تو کیا آپ یہ کہہ کر اس کے خواب کا انکار کردیں گے کہ تم تو میرے پہلو میں لیٹے تھے، میں نے تو نہ کوئی آگ دیکھی اور نہ سانپ بچھو دیکھے، ہر شخص جانتا ہے کہ خواب دیکھنے والا اپنے خواب کی وجہ سے عالمِ خواب میں راحت وخوشی بھی محسوس کرتا ہے اور برے خواب کی وجہ سے تکلیف ورنج بھی، اور اس کے قریب ہی سونے والے یا بیدار رہنے والے شخص کو اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا۔ جب دنیا میں اس کی مثال موجود ہے تو مرنے کے بعد کا عالمِ برزخ تو عالمِ غیب ہے، جس کی تفصیلات کو ہم اس دنیا میں مکمل جان نہیں سکتے، وہاں یہ کیسے ممکن نہیں؟ پھر اگر زندوں کو اس کا احساس ہونے لگ جائے تو یہ ایمان بالغیب کہاں رہے گا، جس کا ہم سے مطالبہ ہے، بلکہ یہ غیب مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا، نہ صرف مشاہدہ بلکہ اس کی وجہ سے ہماری زندگی اجیرن ہو جائے گی، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور غایتِ رحمت ہے کہ ہم لوگوں کو عام طور پر عذابِ قبر کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ احادیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ قبر میں مردہ پر ہونے والے عذاب کو جن وانس کے علاوہ ساری مخلوقات سنتی اور محسوس کرتی ہیں۔ نسائی کی ایک روایت میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا :

هذه الامة تبتلىٰ فى قبورها فلولا أن لاتدفنو الدعوت اللّٰه أن

یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه . (۱)

یہ اُمت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے، اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے یہ دُعا کرتا کہ وہ تم کو بھی عذابِ قبر (کی اس آواز) کو سنا دے جس کو میں سن رہا ہوں۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسولِ کریم ﷺ کو عذابِ قبر کا کبھی مشاہدہ بھی کرایا جاتا تھا، جیسا کہ بعض اور روایات میں اس طرح کے واقعات مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے بعض قبروں پر سے گذرتے ہوئے اس کی خبر دی کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ چنانچہ امام نسائی کی روایت میں ہے:

مر رسول اللہ ﷺ بحائط من حیطان مکة او المدینة سمع صوت انسانین یعذبان فی قبورهما الخ . (۲)

رسول اللہ ﷺ مکہ یا مدینہ کی چہار دیواریوں میں سے کسی دیوار کے پاس سے گذر رہے تھے کہ دو ایسے آدمیوں کی آواز سنی جنھیں قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔

آپ کا یہ شبہ کہ حساب و کتاب تو قیامت کے دن ہوگا، اس سے پہلے عذاب و ثواب کے کیا معنی؟ تو اس سلسلے میں ہم یہی عرض کریں گے کہ یقیناً پوری جزا و سزا تو حساب و کتاب کے بعد قیامت ہی میں ملے گی جیسا کہ بے شمار آیات و احادیث میں یہ مضمون آیا ہے، لیکن جیسا کہ قرآن و حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ دنیا میں بھی اچھے برے بعض اعمال کی کچھ سزا ملتی ہے، جس کا ہم مشاہدہ بھی کرتے ہیں تو پھر یہ کیسے ممکن نہیں کہ دنیا (دار العمل) کے بعض انسانی اعمال کی کچھ سزا عالم برزخ میں دی جائے، کیوں کہ برزخ تو عالم دنیا کے مقابلہ میں عالم آخرت سے زیادہ قرب اور مناسبت رکھتا ہے، نیز اہل ایمان کے لئے دنیا کی تکلیف و مصیبت (جیسا کہ احادیث میں آیا ہے) ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں اور وہ آخرت

(۱) مشکوۃ المصابیح عن زید بن ثابت، باب اثبات القبر، الفصل الاول، کتاب الایمان

(۲) ملاحظہ ہو: نسائی ۲۲۵/۱ عن ابن عباس، باب وضع الجریدة علی القبر

نیز ملاحظہ ہو: بخاری عن أبی ایوب، باب التعوذ من عذاب القبر کتاب الجنائز

کے عذاب سے بچا لیئے جاتے ہیں، اسی طرح ممکن ہے کہ بعض بندوں کے حق میں عذابِ قبر ہی ان کے گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ عالمِ برزخ میں دی جانے والی سزا کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مجرم کو فیصلہ ہونے تک حوالات میں رکھا جائے۔

بہر حال قبر کا عذاب وثواب برحق ہے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس سے ہر شخص کو اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ رسولِ کریم ﷺ کے بارے میں اُم المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے، ما صلی صلوة بعد ذلك الا سمعته يتعوذ من عذاب القبر . (۱)

عذابِ قبر کے سلسلے میں اتنی کثرت سے احادیث مروی ہیں کہ انھیں معنوی طور پر متواتر کہا جاسکتا ہے۔ اگر اس سلسلے کی تمام احادیث جمع کی جائیں اور ان کی تشریح کی جائے تو ایک مستقل طویل مضمون بلکہ کتاب تیار ہو جائے گی۔ کتبِ احادیث میں آپ ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ محدثین نے عذابِ قبر کے عنوان سے ان احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک دو حدیث ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ سیدنا انس ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزہ واحباب واپس آتے ہیں تو وہ مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس کے جواب میں بندۂ مؤمن کہتا ہے: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جن کو اللہ تعالیٰ نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی ہے، چنانچہ وہ دونوں مقامات کو دیکھتا ہے اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے کہ اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا، اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ (اللہ کا کلام) پڑھا۔ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے چیخنے

(۱) مسلم عن عائشةؓ باب استحباب التعوذ من عذاب القبر و عذاب جهنم ۲۱۷/۱ ط: دیوبند

اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔"(۱)

عذابِ قبر کا انکار کرنے والے بعض قرآنی آیات کا بھی سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ان سے ہرگز عذابِ قبر کی نفی یا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ ان آیات سے اس پر استدلال کرنا غلط فہمی یا کج فہمی پر مبنی ہے، کیوں کہ رسولِ کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ آپ ﷺ کے اقوال و افعال حقیقت میں قرآن کی تفسیر ہی ہیں، پھر جب قبر کے عذاب وثواب کے سلسلے میں متواتر احادیث موجود ہوں تو عقلی شبہات کے ذریعے اس کا انکار کرنا کیسے درست ہوگا؟ اس کے باوجود بھی اگر کوئی انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسولِ کریم ﷺ، صحابہ کرام ؓ اور سلف صالحین سے بڑھ کر قرآن فہمی کا مدعی ہے، جہاں تک عقلی شبہات کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں ہم پھر عرض کریں گے کہ احوالِ برزخ کا مکمل احساس وادراک اس دنیا میں ہمارے لئے ممکن نہیں اور نہ وہاں کے حالات کو دنیوی حالات پر قیاس کیا جاسکتا ہے، اس کے بارے میں ہم اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا کہ رسول کریم ﷺ نے واضح فرمادیا ہے، لہٰذا عقل صحیح اور فہم سلیم کا بھی تقاضہ یہی ہے کہ احوالِ برزخ کے بارے میں جو کچھ صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا جائے۔ یہی ایمان بالغیب ہے، ورنہ جب ہر شخص خود اس منزل سے گذرے گا اور یہ غیبی حقائق اس کے سامنے کھل جائیں گے تو اس وقت کا ماننا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

کیا روحیں پھرتی ہیں؟

سوال جمعرات کے دن لوگ خصوصی طور پر کھانا پکا کر مرحومین کے لئے دُعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن روحیں پھرتی ہیں اور گھروں پر آتی ہیں، اس سے انھیں ثواب ملے گا، پھر وہ کھانا غریبوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، کیا یہ عمل شرعاً درست ہے؟ (سردار پرویز خان، ہوطہ بن تمیم)

جواب کسی دن یا کسی وقت کو خاص کئے بغیر حسبِ موقعہ حصولِ ثواب کے لئے غریبوں کو کھانا کھلانا یقیناً اچھا عمل اور باعثِ اجر وثواب ہے اور یہی عمل مرحومین کی طرف سے یعنی

(۱) نسائی عن انس باب المسئلة فی القبر ، کتاب الجنائز

انھیں ثواب پہنچانے کی غرض سے بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن اس عمل کے لئے کسی دن کو لازم کرلینا اور اس کا اہتمام، نیز کھانا پکا کر اس پر فاتحہ دینا اور اسے سامنے رکھ کر دُعا وغیرہ کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اس دن روحیں پھرتی ہیں، یہ سب ناجائز اور بدعات ہیں، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، مرحومین کے فائدہ کے لئے زندوں کی طرف سے سب سے بہتر عمل دُعائے مغفرت ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ما الميت في القبر إلا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه عن أب أو أم أو صديق ، فإذا لحقته كان أحب إليه من الدنيا وما فيها و إن اللّٰہَ تعالى ليدخل على أهل القبور من دعاء أهل الارض أمثال الجبال و إن هدية الاحياء إلى الاموات الاستغفار لهم . (۱)

ڈوبنے والے، غوطہ کھانے والے مدد خواہ کی طرح مردہ بھی قبر میں دُعا کا منتظر ہوتا ہے، جو اس کو ماں یا باپ یا بھائی یا دوست کی جانب سے پہنچے، جب دُعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے لئے دنیا وما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دُعا کے سبب اہل قبور پر پہاڑوں کے برابر اجر پہنچاتا ہے، مُردوں کے لئے زندوں کا تحفہ بس یہی ہے کہ وہ ان کے لئے استغفار کرتے رہیں۔

اس لئے جب تک ہو سکے لوجہ اللہ اور طریقۂ سنت کے مطابق ایصالِ ثواب کرے، مروّجہ رسوم وبدعات کو بروئے کار لاتے ہوئے جو کام کیا جائے اس کا نہ کوئی ثواب پہنچتا ہے اور نہ میت کو کچھ نفع ہوتا ہے۔

کیا روحیں بھٹکتی ہیں؟

سوال سنا ہے کہ روحیں بھٹکتی ہیں، بالخصوص جب کوئی حرام موت مرتا ہے تو اس کی روح ہمیشہ بھٹکتی رہتی ہے اور دوسروں کو پریشان کرتی ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ (انیس خان، الجوف)

---

(۱) رواه البيهقي في شعب الايمان مشكوة ۲۰۶/۱ ، باب الاستغفار و التوبة ، ط : دهلی

جواب یہ غلط عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والے کی روح بھٹکتی ہے، اسلامی عقائد سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور ایسا خیال وعقیدہ رکھنا درست نہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

بعضے یہ سمجھتے کہ ان تاریخوں اور جمعرات کے دن اور شب برأت وغیرہ کے دنوں میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں، اس بات کی بھی شریعت میں کچھ اصل نہیں، ان کو آنے کی ضرورت ہی کیا ہے، کیوں کہ جو کچھ ثواب سردے کو پہنچایا جاتا ہے اس کو خود اس کے ٹھکانے پہنچ جاتا ہے، پھر اس کو کیا ضرورت ہے کہ مارا مارا پھرے، پھر یہ بھی ہے کہ اگر مردہ نیک اور بہشتی ہے تو ایسی بہار کی جگہ چھوڑ کر کیوں آئے گا اور اگر بد اور دوزخی ہے تو اس کو فرشتے کیوں چھوڑ دیں گے کہ عذاب سے چھوٹ کر سیر کرتا پھرے، غرض یہ بات بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے۔ (۱)

مرنے کے بعد ارواح کی ملاقات

سوال سنا ہے کہ جو آدمی مرتا ہے تو جب اس کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اس مرنے والے کے خاندان والے جو اس سے پہلے مر چکے ہوتے ہیں، ان سب کی روحیں تازہ مرنے والے کے پاس آتی ہیں اور اپنے عزیزوں اور موسم کے بارے میں پوچھتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ (محمد الیاس عباس، ریاض)

جواب یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ روحوں کی دو قسمیں ہیں : سجین والی روحیں اور علیین والی روحیں، سجین والی روحیں تو عذاب میں مبتلا رہتی ہیں، انھیں ملنے جلنے اور زیارت کی فرصت کہاں؟ لیکن علیین والی روحیں جو راحت والی اور آزاد روحیں ہیں وہ آپس میں ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گذرے ہیں، انہیں یاد کرتی ہیں، ان واقعات پر بھی گفتگو کرتی ہیں جو دنیا والوں کو پیش آتے رہتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) بهشتی زیور اختری ۵۴/۶ ط: سہارنپور انڈیا

(۲) الروح لابن قیم ۱۶

اس سلسلہ میں چند روایات سے بھی روشنی ملتی ہے :

۱) رسول اللہ ﷺ سے صحابہ ؓ نے کہا کہ ہم کو دنیا میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے الگ ہونا گوارا نہیں، لیکن دنیا سے سدھار جانے کے بعد آپ کا مقام ہم سے اُونچا ہوگا اور ہم آپ کے دیدار کو ترسیں گے۔ اس پر آیت اُتری اور فرمایا :

ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا . (النساء ۶۹)

جو اللہ اور اس کے رسول کی تابع داری کرے گا وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی وہ انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ ہوگا، وہ بہترین رفیق ہیں۔

قرآن نے رفاقت کی بات کہی ہے، معلوم ہوا کہ جس طرح دنیا میں مل جل کر رہنا پایا جاتا ہے، برزخ اور آخرت میں بھی رفاقت پائی جائے گی۔

۲) آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبض کئے جانے کے بعد مؤمن کی روح کا اللہ کے پاس والے رحمت کے فرشتے اس طرح استقبال کرتے ہیں جیسے دنیا میں خوشخبری سنائے جانے والے کا استقبال کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں : ذرا اپنے بھائی کو آرام کر لینے دو، کیوں کہ یہ سخت بے چینی میں تھے، پھر اس سے نام لے لے کر پوچھتے ہیں کہ فلاں مرد یا فلاں عورت کا کیا حال ہے؟ کیا فلاں عورت کی شادی ہوگئی؟ پھر جب اس سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے فوت ہو چکا تو یہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ (۱)

تقلید — چند اہم سوالات

سوال ذیل میں چند سوالات بھیج رہا ہوں، میں اس سلسلہ میں بہت مضطرب ہوں، اُمید کہ آپ شافی جواب مرحمت فرمائیں گے۔

---

(۱) امام ابن القیم نے اپنی کتاب الروح میں اس مسئلہ کو لکھا ہے ، البتہ اس بارے میں کوئی صریح حدیث موجود نہیں ہے ۔

۱) تقلید کی حقیقت کیا ہے؟ کیا تقلید ائمہ کرام کو رب ماننا اور تحلیل وتحریم کا اختیار دینا نہیں ہے؟ کیا تقلید بہ الفاظِ دیگر شرک نہیں ہے؟

۲) کیا ہر مسلمان پر تقلید کرنا ضروری ہے؟ کسی ایک شخص کی تقلید جیسا کہ آج کل کوئی امام ابوحنیفہؒ، کوئی امام شافعیؒ، کوئی امام مالکؒ اور کوئی امام احمدؒ کی تقلید کرتا ہے، کیا اس کی نظیر عہدِ نبوی یا عہدِ صحابہ میں بھی ملتی ہے؟

۳) صرف ائمہ اربعہ کی ہی تقلید کیوں ضروری ہے، دوسرے فقہاء بھی گذرے ہیں، ان کی تقلید کیوں درست نہیں؟ (عبدالمتین، طائف)

جواب تقلید کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ زیادہ تر غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے، اگر تقلید سے مراد یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی طرح امام مجتہد کی رائے کو شریعت کا درجہ دیا جائے تو یقیناً شرک ہے، لیکن تقلید کا ہرگز یہ مطلب نہیں، مقلد کا مقصود اللہ اور رسول کے حکم کی پیروی ہے، البتہ وہ احکامِ الٰہی اور احکامِ نبوی کے بارے میں ائمہ مجتہدین کی تشریح وتوضیح سے فائدہ اُٹھاتا ہے، کیوں کہ وہ خود اجتہاد یعنی براہِ راست احکام اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، علماءِ اُصول کے الفاظ میں تقلید کی حقیقت یہ ہے :

اتباع الانسان غيره في ما يقول بقول أو فعل معتقد الحقيقة فيه من غير نظر و تأمل في الدليل . (۱)

ایک شخص کا دوسرے شخص کے قول وفعل کی، دلیل میں غور وفکر کئے بغیر، اس کے حق ہونے کا گمان رکھتے ہوئے پیروی کرنا تقلید ہے۔

اور علامہ ابن ہمامؒ کے الفاظ میں :

التقليد : العمل بقول من ليس قوله إحدى الحجج بلاحجة . (۲)

تقلید اس شخص کے قول پر بلا حجت عمل کرنا ہے جس کا قول حجت نہیں۔

تقلید کی تعریف میں قریب قریب یہی الفاظ امام غزالیؒ، شیخ ابومنصور ماتریدیؒ وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ ان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں : ایک تو یہ کہ تقلید کا مقصد بذاتِ خود

(۱) دستور العلماء ۱/ ۳٤۱ (۲) تيسير التحرير ٤/ ٢٤١

امام کی اتباع نہیں، بلکہ کتاب وسنت کی اتباع ہے، البتہ مقلد کو یہ حسن ظن ہوتا ہے کہ امام کی اختیار کردہ رائے قرآن وحدیث کے زیادہ موافق اور ہم آہنگ ہے اور وہ یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ امام سے اس میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں اجتہادی خطا بھی ہوسکتی ہے، ممکن ہے کہ اس کی رائے غلط ہو، دوسرے یہ کہ تقلید کی حقیقت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ تقلید ایک ایسے شخص کی اتباع کا نام ہے کہ جس کی رائے بذاتِ خود حجت نہیں، جیسے اللہ اور اس کے رسول کی بات حجت ہے، اس طرح ائمہ کی رائیں حجت اور دلیل نہیں ہیں۔

اسی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تقلید معاذ اللہ ائمہ کو رب کا درجہ دینا اور ان کے ہاتھ میں تحلیل وتحریم کی کلید دینا نہیں ہے، بلکہ تقلید کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ امام کے قول کو بذاتِ خود حجت ودلیل نہ سمجھے۔

تقلید دراصل ارشادِ ربانی ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ'' (انعام ۹۰) (یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت سے سرفراز فرمایا، اس لئے تم بھی ان کے طریقہ پر چلو) کی تعمیل اور مہتدین کی اقتداء کا نام ہے، جس کا حکم مذکورہ بالا آیت میں دیا گیا ہے، نہ کہ ائمہ کرام کو ''رب'' قرار دینا اور ان کے اقوال کو شریعت کا درجہ دینا، جیسا کہ بعض حضرات کو غلط فہمی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ائمہ کے اقوال کو کبھی بھی چھوڑنا جائز نہ ہوتا، لیکن کتبِ فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں مسائل میں مقلدین نے صحیح اور صریح نصوص کی موجودگی یا اپنے امام کے قیاس کے مقابلہ دوسرے قوی تر قیاس کے سامنے آجانے کی وجہ سے اپنے امام کی رائے کو چھوڑا ہے اور نصوص ومصالح سے قریب تر دوسری رائے کو قبول کیا ہے۔ حنفیہ کے یہاں تو یہاں تک صراحت ملتی ہے کہ اگر کوئی مقلد محقق عالم ہو، نصوص میں شارع کا منشا سمجھ سکتا ہو، احادیث کی تحقیق کرسکتا ہو، کسی خاص مسئلہ میں اس کو اپنے امام کا مذہب قرآن وحدیث سے زیادہ ہم آہنگ نظر نہیں آتا ہو تو اس کے لئے نص پر عمل کرنا اور امام کی رائے کو چھوڑ دینا درست ہے۔(۱)

تفسیر قرآن اور احادیثِ شریفہ کی تدوین وتشریح کا جو کچھ کام ہوا ہے، چند کتابوں کو

---

(۱) رد المحتار ۵۱/۱

چھوڑ کر یہ سب مقلدین ہی کا کارنامہ ہے۔ اگر کتاب وسنت کی اہمیت ان حضرات کی نگاہ میں نہ ہوتی تو ان حضرات نے ان علوم کو کیسے اہمیت دی ہوتی۔ پس تقلید نعوذ باللہ ائمہ فقہ کے اقوال وآراء کو شریعت کا درجہ دینا ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ ہدایتِ قرآنی کی اتباع ہے۔

غور کیا جائے تو فقہی احکام اپنے دلائل کے اعتبار سے چار قسم کے ہیں :

۱) جو ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے بھی یقینی ہوں اور اس کے الفاظ غیر مبہم طور پر اپنی مراد پر دلالت کرتے ہوں۔

۲) جن کا ذریعہ ثبوت یقینی ہو، لیکن اپنا مفہوم بتانے میں پوری طرح واضح نہ ہوں۔

۳) جن کا ثبوت یقینی اور غیر مشکوک نہ ہو، لیکن اس کا مفہوم بالکل واضح اور بے غبار ہو۔

۴) جن کا ذریعہ ثبوت بھی غیر یقینی ہو اور وہ اپنے مقصود اور مفہوم کے اظہار میں بھی مبہم ہو۔

۵) اور پانچویں صورت یہ ہے کہ دو ایسی دلیلیں ہوں جن کا ذریعہ ثبوت یقینی یا غیر یقینی ہو اور مفہوم بھی واضح ہو، لیکن بظاہر وہ ایک دوسرے سے متعارض ہوں۔

ان صورتوں میں سے پہلی صورت میں نہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، نہ اجتہاد کی ضرورت ہے، اس کے بعد بقیہ چار صورتیں کہ جن کا تعلق بہ کثرت عملی اور فروعی احکام سے ہے، میں اجتہاد واستنباط ضروری ہے، جس میں مجتہد کو تین کام کرنا ہوتے ہیں : اوّل یہ کہ جن ذرائع سے یہ احکام ہم تک پہنچے ہیں وہ یقینی ہیں یا اس میں غلطی کا امکان بھی ہے، ان کی تحقیق، دوسرے ان دلائل کے ذریعہ جو مفہوم سمجھا گیا ہے، عربی زبان وقواعد اور اُصولِ استنباط کی رو سے یہ کس حد تک صحیح ہے؟ اس کے لئے اُصولِ فقہ کے ساتھ عربی لغت، نحو وصرف، معانی وبیان کا علم تو ضروری ہے ہی، زمانہ کے حالات، عرف وعادات اور مروّجہ معاملات ونظام سے واقفیت بھی ضروری ہے، تیسرے متعارض نصوص میں مقدم ومؤخر کی تحقیق اور یہ ممکن نہ ہو تو دونوں کے درمیان تطبیق یا ایک کی دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت بھی لازم اور ضروری ہے۔

اس کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ کچھ لوگ اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کا

فریضہ انجام دیں اور دوسرے لوگ جو علم وفہم کے اعتبار سے اپنے کو کم تر پاتے ہوں، ان کی تحقیق پر تکیہ کریں اور یہ حسن ظن رکھیں کہ انھوں نے احکام کو صحیح طور پر سمجھا ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا مکلف کیا جائے کہ وہ خود ہی اجتہاد کرے اور خود ہی عمل کرے۔ معمولی دینی شعور رکھنے والا بھی کہہ سکتا ہے کہ دوسری صورت ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اس سے گمرہی کا دروازہ کھلے گا اور ہمہ دانی وہمہ فہمی کا فتنہ عام ہوگا، پہلی صورت میں ہی عافیت اور دین کی حفاظت ہے اور اسی میں گمراہی کا امکان کم ہے یا بالکل نہیں ہے اور اسی کا نام تقلید ہے، اسی لئے علماء نے ان لوگوں کے لئے جو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، تقلید کو واجب قرار دیا ہے۔ (۱)

ایک ہی امام کی تقلید کیوں؟

مطلق تقلید کی ضرورت سے کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کرسکتا، اگر کچھ اشکال ہوسکتا ہے تو شخصی تقلید پر کہ تمام مسائل میں کسی ایک ہی امام کی تقلید کیوں کی جائے؟ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہے کہ شریعت میں کچھ واجبات وہ ہیں جو بجائے خود مقصود ہیں اور کچھ باتیں وہ ہیں جو اس لئے واجب ہیں کہ وہ ان واجبات کو ادا کرنے کا ذریعہ و وسیلہ بنیں، اسی طرح بعض چیزیں وہ ہیں جو بجائے خود حرام ہیں اور بعض اُمور وہ ہیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے ممنوع نہیں، لیکن حرام کا ذریعہ بن سکتے ہیں تو ایسے ذرائع سے بھی بچنا واجب ہے۔

ذرائع کو مقصود کے حکم میں رکھنا خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے ثابت ہے، مثلاً اصل حرمت تو سود لینے کی ہے، لیکن آپ ﷺ نے سود دینے والے، سودی کاروبار لکھنے والے اور اس معاملہ پر گواہ بننے والے کو بھی گنہگار قرار دیا، سنن ابی داؤد میں مروی ہے: لعن رسول اللّٰہ آکل الربا ومؤکلہ وشاھدہ وکاتبہ (۲) کیوں کہ یہ معاملات سود کے پنپنے اور فروغ پانے کا باعث ہیں۔

---

(۱) الاحکام للآمدی ۲۲۴/٤ وتیسیر التحریر ۲٤٦/٤

(۲) سنن ابی داؤد، باب فی آکل الربوا وموکلہ، کتاب البیوع

تقلیدِ شخصی کا واجب ہونا بھی اسی قاعدہ کے تحت ہے۔ اتباعِ نفس کی حرمت و معصیت میں ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کو اختلاف نہیں، آپ ﷺ نے خواہشاتِ نفس کی پیروی سے منع فرمایا اور کتنے ہی مواقع پر اس کی مذمت فرمائی، اگر شخصی تقلید کو واجب قرار نہ دیا جائے اور ہر شخص کو اپنی رائے کے مطابق احکام ومسائل میں اخذ وانتخاب کا اختیار دے دیا جائے تو اس سے اتباعِ ہویٰ، نفس پرستی اور بددینی وگمراہی کا ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ پھر اس کو بند کرنا آسان نہ ہوگا۔ اسی راستہ کو بند کرنے کے لئے خوب سوچ سمجھ کر چوتھی صدی ہجری کے بعد سلف صالحین نے تقلیدِ شخصی کو واجب قرار دے دیا اور آج تک ہر دور کے فقہاء ومحدثین، علماءِ صالحین اور اپنے عہد کے محققین نے یہی تقلیدِ شخصی کی راہ اختیار کی ہے اور اس فتنہ وہوا پرستی کے دور میں تقلید کو ایک ضرورت تسلیم کیا ہے، کیوں کہ تقلید سے آزادی انسان کی نفس پرستی اور بالآخر دین سے آزادی کا ذریعہ بن جاتی ہے، جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا اور اس کی مذمت بھی فرمائی اور یہ صرف نظریہ ہی نہیں ہے، بلکہ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جن کا تذکرہ مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا، قارئین اس کے لئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی مؤلفہ تحریر "راہِ اعتدال" کے صفحہ ۵۵ تا ۶۸ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالویؒ (م ۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

> پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدِ مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر وارتداد، فسق وفجور کے اسبابِ دنیا میں اور بھی بہ کثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے گمراہ ہوجانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے، گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہوکر ترکِ تقلید کے مدعی ہیں، وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوجاتے ہیں۔ (۱)

یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ تقلیدِ شخصی بعد کے ادوار کی بات ہے، عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہ

---

(۱) رسالہ اشاعۃ السنہ ۱۱، ط: ۱۸۸۸

ﷺ میں تقلیدِ شخصی کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ ﷺ کو یمن بھیجا، تاکہ وہاں انتظامی اُمور کو بھی انجام دیں اور مسلمانوں کی دینی رہنمائی بھی کریں اور اسی لئے آپ ﷺ نے سیدنا معاذ ﷺ سے چند ضروری سوالات بھی کئے، جو احادیث کی کتابوں میں معروف و مشہور ہیں، چنانچہ ترمذی کی روایت ہے:

عن معاذ ان رسول اللہ ﷺ بعث معاذاً الی الیمن فقال کیف تقضی فقال أقضی بما فی کتاب اللّٰہ قال فان لم یکن فی کتاب اللّٰہ قال فبسنة رسول اللّٰہ ﷺ قال ان لم یکن فی سنة رسول اللّٰہ ﷺ قال اجتھد رائی قال الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لمایحب ویرضی .(۱)

معاذ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یمن بھیجا اور فرمایا تم کس طرح فیصلہ کروگے؟ اُنھوں نے عرض کیا کتاب اللہ کے ذریعہ، آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس میں نہ ہو؟ عرض کیا پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ذریعہ، آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس میں نہ ہو؟ تو اُنھوں نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق عطا کی جو اس کی رضا اور خوشنودی کے مطابق ہے۔

ظاہر ہے آپ ﷺ کی طرف سے تنہا سیدنا معاذ ﷺ کو مسلمانانِ یمن پر رہنما بنانا اس بات کی تعلیم ہے کہ وہ سیدنا معاذ ﷺ کے فتاویٰ پر عمل کریں اور اسی کا نام تقلیدِ شخصی ہے کہ آدمی اپنے مسائل میں کسی ایک مجتہد کی طرف رجوع کرے اور معاذ ﷺ کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف صحابہ ﷺ کو مختلف علاقوں میں تبلیغ اور تعلیم کے نقطۂ نظر سے آپ ﷺ نے روانہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس علاقہ اور قبیلہ کے مسلمان شرعی احکام و مسائل میں انہی سے رجوع کرتے تھے اور

---

(۱) سنن الترمذی باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی کتاب الاحکام ، حدیث ۱۲۱۳

نیز ملاحظہ ہو : سنن ابی داؤد باب الاجتھاد والرائی فی القضاء کتاب القضاء ، حدیث ۳۵۹۲

انہی کے فتاویٰ کی اتباع کرتے تھے، یہی تقلیدِ شخصی ہے، اس کے علاوہ عہدِ نبوی کی بیسیوں مثالیں تقلید واقتداء کے جائز ہونے پر ملتی ہیں۔

عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تقلیدِ شخصی کی نظیریں ملتی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں عام اعلان فرمایا تھا کہ: فرائض میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عام احکام میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ پر عمل کریں، بخاری میں روایت موجود ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک فتویٰ کی بابت اہل مدینہ نے کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم آپ کا قول لے لیں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ دیں، ظاہر ہے کہ یہ تقلیدِ شخصی ہی کی صورت ہے، تاہم عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت سے مجتہدین کی موجودگی، نیز خدا ترسی اور خیر کے غلبہ کی وجہ سے تقلیدِ شخصی کی زیادہ حاجت نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود فی الجملہ تقلیدِ شخصی کا تصور اس عہد میں بھی تھا۔

ائمۂ اربعہ ہی کی تقلید کیوں؟

اب ایک اہم سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تقلید کو ائمۂ اربعہ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تک کیوں محدود کر دیا گیا اور دوسرے ائمہ وفقہاء کی تقلید کی اجازت کیوں نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ تقلید کا ائمۂ اربعہ میں منحصر ہوجانا منجانب اللہ ہے، کیونکہ دوسرے فقہاء ومجتہدین کی فقہ آج مرتب اور مکمل صورت میں ہمارے سامنے موجود نہیں ہے، کسی کی رائے سو (۱۰۰) مسئلہ میں منقول ہے، کسی کی پچاس میں، کسی کی اس سے کم میں اور کسی کی اس سے زیادہ میں، ظاہر ہے کہ ایسے فقہاء کی تقلید زندگی کے تمام مسائل میں مفید اور کافی نہیں ہوسکتی، ائمۂ اربعہ کی فقہ مرتب اور محفوظ شکل میں ہم تک پہنچی ہے اور ان مکاتبِ فقہ کے علماء کی مسلسل کوششوں نے ان مذاہب کو ایک مکمل اور مرتب قانونِ زندگی کی صورت دے دی ہے، اس لئے اب ان کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

> ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مذاہبِ اربعہ جو لکھی ہوئی مدوّن صورت میں موجود ہیں، پوری اُمت یا کم از کم اُمت کے قابلِ لحاظ طبقہ نے آج تک ان کی تقلید جائز ہونے پر اتفاق کیا ہے، ان میں جو مصلحتیں ہیں، بالخصوص

موجودہ حالات میں، جب کہ ہمتیں کوتاہ ہیں، ہویٰ پرستی کا دور ہے اور ہر
شخص اپنی رائے پر نازاں ہے، وہ مخفی نہیں۔(۱)

غرض یہ کہ ائمہ اربعہ میں تقلیدِ شخصی کا انحصار اور عام مسلمانوں میں اس کا مقبول ہونا اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے بخاری یا مسلم یا صحاح ستہ کی مقبولیت ہے، حالاں کہ حدیث کے کتنے ہی مجموعے مرتب ہوئے اور آج ان کے نام صرف کتابوں میں پڑھنے کو ملتے ہیں، انسانی نگاہیں ان کی دید سے محروم ہیں۔

❖ ❖ ❖

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ : مترجم ۱/ ۳۷۶

دوسرا باب

پاکی وناپاکی

اگر دانت میں سیمنٹ بھروائے؟

سوال میرے دانتوں کے درمیان کچھ فاصلہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس جا کر اس فاصلہ کو دور کروں، سیمنٹ یا کسی اور چیز کے ذریعہ، کیا اس طرح کے عمل سے میرا وضو درست ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ اس عمل کے بعد وضو کے دوران پانی دانتوں کی جڑوں تک نہیں لگتا۔ (نور خان، جدہ)

جواب اس عمل سے آپ کے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور وضو آپ کا بالکل درست ہوگا، کیوں کہ وضو میں دانتوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری نہیں، کلی کرنا بھی واجب نہیں بلکہ مسنون ہے، اس کے علاوہ جب کوئی چیز جسم کا دائمی جزو بن جائے تو وہ خود جسم کے حکم میں ہے اور اس پر پانی کا پہنچ جانا کافی ہے۔ ہندیہ میں ہے:

وأما الشفة فما يظهر منها عند الانضمام فهو من الوجه وما ينكتم عند الانضمام فهو تبع للفم، وهو الصحيح. (۱)

بہر حال ہونٹ تو صحیح قول کے مطابق اس کا وہ حصہ جو منہ بند کرنے کی حالت میں نظر آتا ہے وہ چہرہ کا حصہ ہے اور جو حصہ منہ بند کرنے کی حالت میں چھپ جاتا ہے وہ منہ کے تابع ہوگا۔

دانت میں کوئی چیز پھنس جائے

سوال دانت میں اگر کھانے کی کوئی چیز پھنس جائے، جو نکالنے کے باوجود نہ نکلے اور وضو کریں تو وضو ہو جائے گا یا نہیں؟ (الطاف ہاشمی، مکہ مکرمہ)

---

(۱) الفتاوی الهندیه ۴/۱ ط: بیروت

جواب ایسی حالت میں اگر وضو کرلیں تو وضو ہو جائے گا، کیوں کہ ایسی چیزیں یا تو پانی پہنچنے میں رکاوٹ نہیں ہوتیں یا ان کا نکالنا دشوار ہوتا ہے اور ایسی صورتوں میں ان کا نکالنا ضروری نہیں۔

نواقض وضو

سوال کن وجوہات کی بنا پر وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (عبدالعزیز، مکہ مکرمہ)

جواب پیشاب پاخانہ یا اس مقام سے کسی اور چیز، مثلاً ریح کے خارج ہونے سے (۱) — نیز بدن کے کسی حصہ سے خون یا پیپ وغیرہ نکل کر بہنے لگے، تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے (۲) منہ بھر کر قے ہو، دانتوں سے خون نکلے یا تھوک میں خون کا رنگ غالب ہو، لیٹ کر یا ٹیک لگا کر سو جائے، بے ہوشی، غشی، نشہ، یا جنون طاری ہو جائے، زور سے نماز میں قہقہہ لگا دے (۳) تو یہ بھی وضو کو توڑ دیتے ہیں (۴) — البتہ امام احمدؒ کے نزدیک قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ولیس فی القهقهة وضوء . (۵)

اور قہقہہ لگانے کی صورت میں وضو واجب نہیں۔

اور یہی مسلک امام شافعیؒ اور مالکؒ کا بھی ہے۔ (۶)

کیا گالی سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

سوال وضو کرنے کے بعد اگر کوئی آدمی گالی دے یا جھوٹ بات کہے یا کسی سے ایسی بات کہے جس سے اس شخص کو تکلیف ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ (محمد معروف خاں، بریدہ)

جواب اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ یہ نواقض وضو میں سے نہیں ہے۔ البتہ یہ گناہِ کبیرہ ہے، وہ شخص گنہگار ہوگا، ایسی باتوں سے خوب بچنا چاہئے۔

---

(۱) النساء ٤٣

(۲) الدراية فی تخريج احاديث الهداية ۳۷/۱ ط : دار الفكر بيروت

(۳) هدايه ۱۲/۱-۱۰ ط : ديوبند

(۴) تفصيل كے لئے ملاحظه هو : الفتاوىٰ الهنديه ۹/۱-۱۳

(۵) المغنی ۲۲۹/۱ ط : الرياض (۶) حواله سابق

کیا ٹی وی ناقضِ وضو ہے؟

سوال کیا ٹیلی ویژن دیکھنے سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ (حامد خان، جدہ)

جواب ٹیلی ویژن کا دیکھنا نواقضِ وضو میں سے نہیں، اس لئے اس سے وضو تو نہیں ٹوٹے گا، ویسے خود ٹی وی دیکھنے سے اجتناب کرنا چاہئے اس لئے کہ اس میں فحش اور گندے پروگرام اور عریاں تصاویر دکھائی جاتی ہیں۔

کپڑے پر خون لگ جائے

سوال اگر کوئی آدمی وضو کر کے کسی نماز کے وقت کوئی جانور ذبح کرے اور اس کا خون کپڑوں پر لگ جائے، تو کیا اس سے اس شخص کا وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ (محمد یوسف، ڈھولن، جیو ان)

جواب جانور ذبح کرنے اور کپڑوں کو خون لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی وضو سے نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ خون چوں کہ ناپاک ہے، اس لئے بدن یا کپڑے کے اس حصے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہے جس حصے پر خون لگا ہوا ہو، وضو کرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ وضو کا تعلق نجاستِ حکمیہ سے ہے، جب کہ خون وغیرہ کا تعلق نجاستِ حقیقیہ سے، جسم یا کپڑے پر نجاستِ حقیقیہ لگنے سے نجاستِ حکمیہ پیدا نہیں ہوتی ہے کہ وضو یا غسل کرنا پڑے، البتہ جس جگہ نجاستِ حقیقیہ مثلاً خون اور بول و براز لگ جائے اسے دھولیا جائے۔

اگر پاؤں میں ناپاک پانی لگ جائے

سوال حالیہ بارش میں پانی کی کثرت کی وجہ سے گٹر لائنوں (بیارہ) کا گندا پانی سڑکوں پہ بہہ نکلا، اس صورت میں مسجد جانے کے لئے لازماً اس گندے پانی سے گذرنا پڑا، کیا اس صورتِ حال میں وضو باقی رہا، جب کہ مسجد تک پانی بھرا تھا؟ (حفیظ، جدہ)

جواب ناپاک پانی سے گذرنے کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا، جسم سے نجاست کا نکلنا ناقضِ وضو ہے، دُرِ مختار میں ہے:

وينقضه خروج كل خارج نجس بالفتح و الكسر منه اى من

المتوضی الحی معتاداً أو لا من السبیلین أو لا إلی ما یطهر بالبناء للمفعول ای یلحقه حکم التطهیر . (۱)

باوضوزندہ آدمی کے سبیلین یا غیر سبیلین سے کسی بھی قسم کی نجس (جیم کے فتحہ اور کسرہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں یعنی ناپاک) چیز خواہ وہ معتاد ہو یا غیر معتاد، کے نکلنے سے اس کا وضوٹوٹ جائے گا، جب کہ وہ بدن کے اس حصہ تک بہہ گئی ہو جس کے پاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے (یُطهر مجہول ہے)

اور اس صورت میں نہ تو جسم سے کوئی نجاست نکلی ہے اور نہ داخل ہوئی ہے، لہٰذا وضو نہیں ٹوٹے گا، البتہ جسم کے جتنے حصہ پر پانی لگے وہ حصہ ناپاک ہوجاتا ہے، اس کو دھوکر پاک کرنا ضروری ہے۔ مذکورہ صورت میں اگر کہیں یہ یقین ہو کہ یہاں کا پانی ناپاک ہے تو وہاں احتیاط سے گذر جائیں، مسجد جاکر پیر دھولیں، دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

وضو کا بار بار ٹوٹنا

سوال ہاضمہ کی خرابی کی وجہ سے وضو بار بار ٹوٹ جاتا ہے، وضو کر کے مسجد جاتا ہوں دوبارہ وضو کرنا پڑتا ہے، نماز کے لئے بڑی مشکل پیش آرہی ہے، کوئی حل بتائیں جس سے نماز میں آسانی ہو۔ (محمد کلیم اللہ، ریاض)

جواب وضو بار بار ٹوٹنے کی وجہ اگر ہاضمہ کی خرابی یا دوسری کوئی بیماری ہے تو اپنا علاج کروائیں اور مسجد میں اس وقت جائیں جب اقامت کا وقت ہو، یا اقامت کے ساتھ ہی فوراً وضو کر کے فرض نماز جماعت سے پڑھ لیا کریں، اگر اتنا وقت نہ مل سکے کہ وضو کر کے نماز اس عذر کے بغیر ادا کرسکیں، تو آپ معذور ہیں، معذور آدمی کو نماز کے وقت میں ایک دفعہ وضو کرلینا کافی ہے، پورے وقت میں اس عذر کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے، پھر جیسے ہی وقت ختم ہو، وہ وضو باطل ہوجاتا ہے اور یہ رخصت اس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ وہ عذر بالکل ختم نہ ہوجائے۔ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں :

صاحب عذر من به سلس بول أو استطلاق بطن أو انفلات ریح أو

---

(۱) دُرِمختار مع رد المحتار ۱/۱۴۵-۱۴۴ ط : بیروت

استحاضة، إن استوعب عذره تمام وقت صلوٰة و لو حكما، وهذا شرط في حق الابتداء و في حق البقاء كفى وجوده في جزء من الوقت و في الزوال استيعاب الانقطاع حقيقة و حكمه لكل فرض ثم يصلي فيه فرضا و نفلا، فإذا خرج الوقت بطل. (۱)

صاحب عذر وہ شخص ہے جس کو پیشاب کے قطرات آنے یا پیٹ چلنے (پیچش) یا ریح خارج ہونے یا استحاضہ کی بیماری ہو، جب کہ اس کا عذر پوری ایک نماز کے وقت کو خواہ حکما ہو، محیط ہو، یہ ابتداء (شروعاتِ عذر) میں شرط ہے اور اس (بیماری) کے باقی رہنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وقت کے کسی حصہ میں یہ بیماری پائی جائے اور اس کے ختم ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ بالکلیہ ختم ہو جائے، اس کا حکم ہر فرض نماز کے لئے (وضو کرنا ہے)، پھر وہ اس وضو سے فرض و نفل پڑھ سکتا ہے، لیکن جب وقت ختم ہوگا وضو باطل ہو جائے گا۔

ہاں! اگر ایک نماز کا مکمل وقت ایسا گذر جائے کہ اس میں ایک دفعہ بھی وہ عذر نہ پایا گیا ہو، تو اب وہ معذور نہیں رہے گا۔ (۲)

وضو کے درمیان وضو ٹوٹ جائے؟

سوال اگر وضو کے دوران ریاح خارج ہو جائے تو کیا وضو جاری رکھنا چاہئے یا پھر سے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے؟

جواب ایسی صورت میں نئے سرے سے وضو کرنا ضروری ہے، کیوں کہ خروجِ ریح سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام ترمذی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں وضوء من الريح کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے (۳) — جب اس سے پورا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو خروجِ ریح اگر وضو

---

(۱) تنوير الابصار مع الدر المختار على هامش ردّالمحتار ۱/۳-۲۰۲

(۲) تبيين الحقائق ۱/۶۵

(۳) ملاحظہ ہو: ترمذی، ابواب الطهارة، حديث ۷۳، بيهقی ۱/۱۱۷

کے درمیان ہو جائے تب بھی نئے سرے سے وضو کرنا ہوگا۔

ٹخنہ سے نیچے کپڑا پہننے والے کا وضو اور نماز

سوال ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے رکھنے کے بارے میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں ابوداؤد کی ایک حدیث ذکر کی، جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ: ''جاؤ وضو کرو اور دوبارہ نماز پڑھو'' تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کپڑا ٹخنے سے نیچے ہو تو وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور نماز بھی نہیں ہوتی، حالاں کہ آپ نے مجھے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ وضو اور نماز تو ہو جائے گی، لیکن یہ کبیرہ گناہ ہے، اُمید ہے کہ آپ اس کی مزید وضاحت فرمائیں گے۔ (امجد علی خاں، بحرین)

جواب جس حدیث کا ہم نے حوالہ دیا تھا، اس کے الفاظ یہ نہیں کہ اس شخص کی نماز صحیح نہیں ہوتی، بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی ''ان اللہ جل ذکرہ لایقبل صلوٰۃ رجل مسبل''(۱) — یعنی وہ نماز عند اللہ مقبول نہیں، حدیث کے ترجمے میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، بہر حال قبولیت اور صحت دو الگ الگ چیزیں ہیں، صحت کا تعلق عام طور پر ظاہری افعال وارکان سے ہوتا ہے، جب کہ قبولیت کا زیادہ تر تعلق عمل کرنے والے کے باطن یعنی اس کی نیت، خشوع وخضوع کی کیفیت اور اخلاص وغیرہ سے ہے، جو چیز صحیح ہو، ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شرف قبولیت سے بھی نوازی جائے اور وہ باعثِ اجر وثواب قرار پائے، اگر کوئی شخص نماز میں اس کے تمام فرائض و واجبات کی ادائیگی صحیح طریقے پر کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی نماز کو صحیح ہی کہا جائے گا، اس کے باطل یا فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اگرچہ ریاکاری کی بنا پر یا خشوع وخضوع کے نہ ہونے یا اس جیسی دوسری مذموم صفات یا حرکات کے پائے جانے کی وجہ سے وہ نماز بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے نوازی نہ جائے، جیسا کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ بہت سے نماز پڑھنے والوں کی نماز انہی کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ بہت

---

(۱) ابوداؤد عن ابن مسعود ۹۳/۱، باب الاسبال فی الصلاۃ ط: دیوبند

سے نماز پڑھنے اور رات کو قیام کرنے والوں کے حصہ میں صرف رات کا جاگنا ہی آتا ہے، نماز اور قیام کے ثواب سے وہ محروم رہتے ہیں، جیسا کہ بعض روزہ داروں کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ان کے نامہ اعمال میں بھوکا پیاسا رہنا ہی لکھا جاتا ہے، روزہ کے ثواب سے وہ محروم رہتے ہیں۔

پھر جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکائے رکھنا تکبر کی علامت ہے اور تکبر مذموم صفت ہے، جو اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں، اس لئے کہ ہر طرح کی بڑائی اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہے، نماز میں بندہ حقیقتاً اپنے عجز اور اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا اعتراف کرتا ہے، اب اگر کوئی نماز پڑھتے ہوئے اپنی بڑائی اور تکبر کا مظاہرہ اپنے کسی عمل سے کرے تو ظاہر ہے کہ ایسی نماز کیسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے تقویٰ و پرہیزگاری کی تعلیم کی غرض سے اس صحابی ؓ کو (جن کا کپڑا ٹخنے سے نیچے تھا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے) بار بار یہ حکم دیا کہ جاؤ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھو۔ سنن ابوداؤد کی روایت کے الفاظ ہیں :

بینما رجل یصلی مسبلاً ازارہ ، إذ قال له رسول اللّٰه ﷺ: إذهب فتوضأ ، فذهب فتوضأ ثم جاء ، فقال له رجل : یا رسول اللّٰه ! مالك أمرته أن یتوضا ؟ فقال : إنه کان یصلی و هو مسبل إزارہ ، و ان اللّٰه تعالیٰ لایقبل صلوٰۃ رجل مسبل ازارہ . (۱)

ایک دفعہ ایک شخص ٹخنہ سے نیچے چادر لٹکائے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جاؤ پھر وضو کرلو، چنانچہ وہ گیا اور دوبارہ وضو کیا، پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اس دفعہ بھی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جاؤ پھر وضو کرلو، چنانچہ وہ شخص گیا اور پھر سے وضو کر کے آیا، اس موقع پر ایک دوسرا شخص بولا : اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ آپ ﷺ نے اسے وضو

---

(۱) سنن ابوداؤد عن ابی ھریرۃ ، باب الاسبال فی الصلوٰۃ ، کتاب الصلوٰۃ ،
مسند احمد ۵/۱۵ حدیث ۲۲۱۳۳

کرنے کا حکم دیا؟ آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: دراصل یہ شخص اس حالت میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس نے چادر ٹخنے کے نیچے لٹکائی ہوئی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک کسی ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جو اپنا کپڑا ٹخنے کے نیچے لٹکائے رکھے۔

یہ حکم اس لئے نہیں تھا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا یا نماز فاسد و باطل ہوگئی، بلکہ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسی نماز کی طرف نظر نہیں فرماتا اور ایسی نماز اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اس تشریح وتوضیح سے یہ بات ہرگز نہ سمجھی جائے کہ نماز روزہ یا دیگر عبادات میں ان چیزوں سے بچنے کی زیادہ ضرورت یا اہمیت نہیں جو اس عبادت کی قبولیت میں رکاوٹ ہوں، بلکہ غور کرنے سے یہ حقیقت بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ نماز اور روزہ وغیرہ کو مقبول اور مفید بنانے کی فکر اور کوشش کرنا ہی اصل اور مقدم ہے، لیکن یہ سوچ کر کہ پتہ نہیں ہماری نماز وغیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے یا نہیں؟ اور ہم ایسی عبادت کہاں کر سکتے ہیں جو شرفِ قبولیت سے نوازی جائے؟ اس طرح کے خیال سے فرائض میں لاپرواہی کسی طرح درست نہیں اور یہ زیادہ موجبِ گناہ اور باعثِ وبال ہے، بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ بندہ اپنی استطاعت کی حد تک عبادت کو بہتر سے بہتر طریقہ سے انجام دے کر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتا رہے اور بندگی واطاعتِ رب میں مزید کمال پیدا کرنے کی ہر وقت کوشش کرتا رہے۔

بلا وضو قرآن کی تلاوت

سوال کیا بلا وضو قرآن پاک کی زبانی تلاوت کی جاسکتی ہے؟

(محمد رحیم الدین کاظم، دہران)

جواب بغیر وضو کے قرآن پاک کی زبانی تلاوت کی جاسکتی ہے، البتہ قرآن پاک کے چھونے کے لئے باوضو ہونا ضروری ہے۔

(ومنع المحدث المس) ای عن القران (ومنعهما) ای المس وقراءة القران (الجنابة و النفاس). (۱)

---

(۱) البحر الرائق ۲۰۳/۱ ط: پاکستان

بے وضو شخص کے لئے قرآن چھونا ممنوع ہے اور جنابت و نفاس قرآن چھونے اور پڑھنے دونوں کی ممانعت کا سبب ہے۔

ابن قدامہ کا بیان ہے :

وعنها أن يمنع قراءة القران لقوله ﷺ لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القران .(۱)

قرآن پڑھنا ممنوع ہے اس لئے کہ ارشاد نبوی ہے کہ حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔

وضو کے بعد اسپرے

سوال وضو کرنے کے بعد باڈی اسپرے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس سے وضو پر کوئی اثر پڑے گا؟ (محمد محسن صدیقی، جدہ)

جواب اگر اسپرے میں کوئی ناپاک یا حرام مواد نہ ہو تو اس کا استعمال کبھی بھی کر سکتے ہیں، اس سے وضو متاثر نہ ہوگا۔

نیل پالش اور وضو

سوال کیا ناخنوں پر اگر نیل پالش لگی ہوئی ہو تو وضو ہو جاتا ہے؟

جواب نیل پالش لگی ہوئی ہو تو وضو نہیں ہوتا، اسے کھرچ کر صاف کر لیجئے پھر وضو کیجئے۔

والخضاب إذا تجسد و يبس يمنع تمام الوضوء و الغسل .(۲)

کہ رنگ جب گاڑھا اور خشک ہو جائے تو اس سے وضو اور غسل دونوں صحیح نہیں ہوتے۔

وضو کا بچا ہوا پانی ناپاک نہیں

سوال میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ وضو کے لئے جو پانی استعمال ہو گیا وہ ناپاک ہو جاتا ہے، چاہے وہ جسم پر ہی کیوں نہ ہو، اگر یہ صحیح ہے تو ''حوض''

---

(۱) المغنی ۱۸۸/۱ ، ترمذی عن ابن عمر باب ماجاء فی الجنب والحائض أنهما لایقرأن القرآن

(۲) هندیة ۳/۱ ط : بیروت

میں وضو کرنا کیسا ہے؟ (ایم فاروق ویانی، مکہ مکرمہ)

جواب وضو کرنے کے بعد جو پانی برتن یا حوض میں باقی رہتا ہے، وہ بلاشبہ پاک ہے، اس سے پاکی بھی حاصل کی جاسکتی ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ سے وضو کا بچا ہوا پانی، وضو سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو کر پینا بھی ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے :

ثم قام فاخذ فضل طهوره فشربه . (۱)

پھر کھڑے ہوئے اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو لیا اور پی گئے۔

وہ پانی جو وضو میں استعمال ہو چکا ہے، یعنی وضو میں دھلنے والے اعضاء سے لگ کر الگ ہو چکا وہ اگر کہیں جمع ہو جائے تو اس سے دوبارہ پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی، لیکن وہ پانی بھی بہر حال پاک ہی رہتا ہے، ناپاک نہیں، اگر اس کا کوئی چھینٹا بدن یا کپڑے پر پڑ جائے تو وہ حصہ ناپاک نہیں ہوتا۔

وقد صحت الروايات عن الكل انه طاهر غير طهور و قد ذكر النووىؒ ان الصحيح من مذهب الشافعىؒ انه طاهر غير طهور و به قال احمد و هو رواية عن مالك و لم يذكر ابن المنذر عنه غيرها و هو قول جمهور السلف و الخلف . (۲)

تمام ہی لوگوں سے صحیح روایات یہی مروی ہیں کہ وہ پاک ہے لیکن اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں، امام نووی نے امام شافعیؒ کا صحیح مذہب بھی یہی نقل کیا ہے کہ وہ پاک ہے، تاہم اس میں پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور اسی کے قائل امام احمد ہیں اور یہی امام مالک کی ایک روایت بھی ہے، ابن منذر نے ان سے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری روایت ذکر نہیں کی ہے، یہی جمہور سلف و خلف کا قول ہے۔

---

(۱) مشکوۃ عن ابی حیة ۴۶/۱ باب سنن الوضوء ، الفصل الثانی

(۲) البحر الرائق ۹۴/۱

وضو کی دُعائیں

سوال دورانِ وضو کون سی دُعائیں پڑھی جائیں؟

جواب وضو کرتے ہوئے کوئی دُعا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، البتہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد دُعا مسنون ہے اور کئی صحیح احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے مسنون طریقہ پر وضو کیا اور پھر دُعا پڑھی، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیتے ہیں۔ دُعا یہ ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ . اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَ اجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ . (۱)

میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا حقیقت میں کوئی عبادت کے لائق نہیں، جو یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے بار بار توبہ کرنے والوں میں سے شمار فرما اور خوب پاک و صاف رہنے والوں میں سے بنا دے۔

وضو کے دوران کون سی دُعا؟

سوال وضو کرتے ہوئے بعض لوگ کلمۂ شہادت پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اگر نہیں تو وضو کے درمیان کون سی دُعا پڑھنی چاہئے؟ (عرفان عبداللطیف، ۰۰)

جواب وضو کے درمیان کلمۂ شہادت یا کسی اور دُعا کا پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، البتہ وضو کے بعد دُعا اور اس کی فضیلت رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ مشہور محدث حافظ ابن العربی مالکیؒ نے سنن ترمذی کی شرح ''عارضۃ الاحوذی'' میں لکھا ہے کہ وضو ایک عبادت ہے جس کے شروع میں کوئی ذکر مسنون ہے اور نہ درمیان میں، البتہ وضو کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا پڑھنا سنت ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے:

لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يُسَمِّ اللّٰهَ . (۲)

---

(۱) ترمذی عن عمر ابن الخطاب، باب مایقال بعد الوضوء

جو بسم اللہ پڑھ کر وضو شروع نہ کرے اس کا وضو اچھا نہیں ہوتا۔

نیز وضو کے درمیان پڑھنے کے لئے جو بعض اذکار اور دُعائیں روایت کی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، اس سلسلے میں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جو قابلِ اعتماد ہو، سوائے سیدنا عمرؓ کی روایت کے، کہ اس میں وضو کے بعد دُعا کے پڑھنے کا ذکر ہے۔ (۱)

بے وضو قرآن یا حدیث پڑھنا

سوال میں سوتے وقت چند قرآنی آیتیں اور دُعائیں پڑھتا ہوں، کیا انھیں باوضو پڑھنا چاہئے؟ نیز کیا بغیر وضو کے قرآن کا درس دیا جاسکتا ہے اور حدیث کی کتاب پڑھی جاسکتی ہے؟

جواب زبانی قرآن پاک کی تلاوت کرنے کے لئے، اسی طرح حدیث کی کتاب پڑھنے اور دُعائیں پڑھنے کے لئے باوضو ہونا ضروری نہیں (۲) ــــ تاہم زبانی قرآن پاک کی تلاوت اور حدیث کی کتاب پڑھنے کے لئے بھی وضو کا اہتمام جہاں تک ہوسکے کرنا چاہئے، بغیر وضو کے انھیں پڑھنا (اگرچہ جائز ہے لیکن) خلافِ ادب ہے۔

وفي الخلاصة يكره مس كتب الاحاديث و الفقه للمحدث عندهما و عند ابي حنيفة الأصح أنه لايكره . و في شرح الدرر والغرر ، رخص المس باليد في الكتب الشرعية إلا التفسير ، ويستحب ان لا يأخذ كتب الشرعية بالكم ايضًا بل يجدد الوضوء كلما أحدث ، و هذا أقرب إلى التعظيم . (۳)

اور خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک بے وضو شخص کے لئے احادیث اور فقہ کی کتابوں کو چھونا مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح روایت کے مطابق ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔ ''شرح الدرر والغرر'' میں ہے کہ تفسیر کے علاوہ دیگر کتبِ شرعیہ کو ہاتھ سے چھونے کی اجازت ہے، تاہم مستحب

---

(۱) ترمذی عن ابن عمرؓ، باب مایقال بعد الوضوء، کتاب الطهارة

(۲) دُرمختار علی الرد ۱/۱۱۶ (۳) البحر الرائق ۱/۲۰۲

یہی ہے کہ جب بھی حدث لاحق ہو تو کتب شرعیہ کو آستین سے پکڑنے کے بجائے ازسرنو وضو کرلے، یہ تعظیم کے زیادہ مناسب ہے۔

اسی طرح ہمیشہ باوضو رہنے کا اہتمام کرنا بھی مستحب ہے ایسے شخص کے لئے جس میں ہمت ہو۔ اصل میں قرآن و تفسیر کے علاوہ تمام شرعی و فقہی کتابوں کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر کی بہ نسبت ادب کا زیادہ تقاضا اس میں ہے کہ بلاوضو ان کتابوں کو نہ چھویا جائے۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وأما مس كتاب الفقه فلا بأس به و المستحب له أن لا يفعل. (۱)

فقہ کی کتابوں کو چھونے میں کوئی حرج تو نہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

درود وسلام کے لئے باوضو ہونا ضروری نہیں

سوال: آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا نام مبارک باوضو لینا چاہئے، اس حساب سے "ﷺ" کہنا بھی ہر ایک کے لئے مشکل ہے، اس لئے کہ ہر وقت باوضو رہنا کوئی آسان بات نہیں، جب ہم لوگ کوئی دینی باتیں کرتے یا سنتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا نام درمیان میں آتا ہے، تو پھر ہم لوگ کس طرح سلام بھیجیں؟ (کنول عبدالقیوم، دہران)

جواب: رسول کریم ﷺ کا نام لینا اور درود وسلام پڑھنا بلاوضو جائز تو ہے، لیکن خلافِ ادب ہے۔ روزمرہ بول چال اور عام گفتگو میں آپ ﷺ کا نام مبارک لیا جانا خواہ بے وضو کیوں نہ ہو، یہ جائز ہے، ہم نے ادب کے حوالے سے لکھا تھا کہ کمالِ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ نامِ مبارک اور درود وسلام باوضو ہی پڑھا جائے، چنانچہ فقہاء نے ہر ذکر کے لئے وضو کے اہتمام کو بہتر قرار دیا ہے۔

الوضوء لمطلق الذكر مندوب و تركه خلاف الاولى و هو مرجع كراهة التنزيه. (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع ۱۴۹/۱ (۲) درمختار علی الرد ۱۱۷/۱

کسی بھی ذکر کے لئے وضو کرنا مستحب ہے اور اس کا چھوڑنا خلاف اولیٰ ہے جو کراہت تنزیہی کا باعث ہے۔

ویجوز للجنب و الحائض الداعوات و جواب الاذان و نحو ذلك كذا في السراجية .(۱)

اور جنبی، حائضہ کے لئے دعائیں کرنا، اذان کا جواب دینا وغیرہ جائز ہے، جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں لکھا ہے۔

بے وضو یا سگریٹ پیتے وقت درود پڑھنا

سوال اگر کوئی شخص حالتِ وضو میں نہ ہو اور سگریٹ پی رہا ہو تو ایسے وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

جواب جائز تو ہے، مگر ایسا کرنے میں کراہیت اور بے ادبی ہے، خاص کر سگریٹ نوشی کے دوران، کیوں کہ اس سے منہ بدبودار ہو جاتا ہے، اس لئے اس سے احتیاط کرنا چاہئے اور درود شریف بھی باوضو ادب سے پڑھنا چاہئے۔(۲)

ناپاکی کے دنوں میں درود پڑھنا

سوال کیا ماہواری کے ایام میں عورت درود شریف پڑھ سکتی ہے؟

جواب عورت ایام ماہواری میں سوائے تلاوتِ قرآن کے دوسرے اذکار اور درود وغیرہ پڑھ سکتی ہے۔(۳)

انگوٹھا چومنا

سوال وضو کے درمیان بعض لوگ مسح کرتے وقت انگوٹھا چومتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں، لہٰذا یہ عمل درست نہیں ہے۔

اخبار بے وضو پڑھنا

سوال وہ اخبارات جن میں قرآن و حدیث کی معلومات ہوتی ہیں، انھیں بغیر وضو

---

(۱) هندية ۳۸/۱ (۲) درمختار : على هامش الرد ۱۱۷/۱

(۳) البحرالرائق ۲۰۲/۱

پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا اخبار کو دسترخوان کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں؟ (محمد احسن، مکہ مکرمہ)

جواب دینی کتابیں یا اخبار کے وہ صفحات جن میں دینی و اسلامی مضامین ہوتے ہیں، انھیں اگر باوضو پڑھا جائے، تو یہ قابل ستائش اور مستحب بات ہے، لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں، خود قرآن پاک کی زبانی تلاوت بھی بغیر وضو کے تمام ائمہ کے ہاں جائز ہے، البتہ قرآن چھونے کے لئے فقہاء نے وضو کو ضروری قرار دیا ہے، اگر کوئی کتاب یا مضمون ایسا ہو کہ جس میں قرآن پاک کی آیت بھی لکھی ہوئی ہو تب بھی اس کتاب کو بغیر وضو کے پڑھ سکتا ہے اور چھو سکتا ہے، البتہ ضروری ہے کہ وضو نہ ہو تو قرآن پاک کی آیت پر ہاتھ نہ رکھے۔ لایحرم في غیر المصحف إلا المکتوب أی موضع الکتاب (۱) —— یعنی قرآن شریف کے علاوہ کسی دوسری جگہ جہاں قرآنی آیات لکھی ہوئی ہوں، وہاں صرف آیات کو بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے، باقی آس پاس کے مقام کو چھونا حرام نہیں، البتہ خلافِ اولیٰ ضرور ہے (۲) اس لئے حتی الامکان قرآنی آیات والے صفحہ کو باوضو ہاتھ لگانے کی کوشش کی جائے۔

اخبار اگر عام قسم کا ہو تب بھی اسے دسترخوان کے طور پر استعمال کرنا مناسب نہیں، لیکن اگر قرآن وحدیث یا دینی مضامین پر مشتمل ہو تو ناجائز اور دین کی بے حرمتی اور بے ادبی ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

کھڑے ہو کر وضو کرنا

سوال بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کھڑے ہو کر وضو کرنا صحیح نہیں، اس سے نماز بھی ادا نہیں ہوتی ہم دفتر میں واش بیسن میں کھڑے ہو کر ہی وضو کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب وضو کرنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وضو بیٹھ کر کیا جائے اور قبلہ رُخ بیٹھا جائے، لیکن یہ فرض یا واجب نہیں، کھڑے ہو کر وضو کرنا بھی جائز ہے اور اس سے نماز ادا ہو جاتی ہے۔

---

(۱) درمختار ۱۱۶/۱ (۲) بدائع الصنائع ۱۴۱/۱

چائے کے بعد کلی کرنا

سوال وضو کے بعد اگر کوئی شخص چائے، دودھ یا پیپسی وغیرہ پئے تو اسی طرح نماز پڑھ سکتا ہے یا نماز سے پہلے کلی کرنا ضروری ہے؟

جواب چائے یا دودھ پینے کے بعد فوراً ہی نماز پڑھنا ہو تو کلی کر لینی چاہئے، تاکہ منہ میں ان کا مزہ اور اثر باقی نہ رہے، ورنہ نماز کا خشوع و خضوع اس سے ضرور متاثر ہوگا اور اگر چائے یا دودھ پئے دیر ہوگئی ہو تو نماز سے پہلے کلی کرنا ضروری نہیں۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ان رسول اللہ ﷺ شرب لبناً فمضمض ۔ (۱)

آپ ﷺ نے ایک موقع سے دودھ نوش فرمایا اور اس کے بعد کلی فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ چائے اور دودھ وغیرہ پینے کے بعد کلی کر لینی چاہئے۔

وضو کے بعد تولیہ کا استعمال کرنا

سوال کیا وضو کے بعد ہاتھ اور چہرہ کسی کپڑے سے خشک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(امان اللہ، جیز ان)

جواب ہاں یہ جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے وضو کے بعد کپڑے وغیرہ سے اعضاء وضو خشک کرنا ثابت ہے، چنانچہ ام المومنین عائشہؓ سے مروی ہے:

کانت لرسول اللہ ﷺ خرقة ینشف بها بعد الوضوء ۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے وضو کے بعد اعضاء خشک کرتے تھے۔

اگرچہ بعض سلف سے اس کی کراہت منقول ہے، اس لئے کہ اس عمل کو بھی قیامت کے دن وزن کیا جائے گا، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدنا انس رضی اللہ عنہ، مسروق تابعیؒ اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ جیسے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے وضو کے بعد چہرہ اور ہاتھ خشک کرنے کے لئے

---

(۱) بخاری عن ابن عباس، باب هل یمضمض من اللبن؟ کتاب الوضوء حدیث ۲۱۱

(۲) سنن الترمذی ۱/۱۸ باب المندیل بعد الوضوء، ابواب الطهارة، حدیث ۵۳

رومال کا استعمال ثابت ہے(۱)— بلکہ ایک روایت میں (اگرچہ وہ ضعیف ہے) یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لئے بھی ایک کپڑا خاص تھا جس سے آپ ﷺ وضو کے بعد چہرہ اور ہاتھ خشک کرتے تھے(۲)— چہرہ یا ہاتھ خشک کرنے سے وضو کی نیکی یا اس کے وزن میں ان شاء اللہ کمی نہ ہوگی اور علامہ ابن قدامہ کا بیان ہے :

ولابأس بتنشيف اعضائه بالمنديل من بلل الوضوء والغسل . (۳)

رومال (تولیہ) کے ذریعہ جسم کے اعضاء سے وضو اور غسل کی تری کو خشک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نیز فتاویٰ ھندیہ میں تبیین کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے :

ولاباس بالتمسح بالمنديل بعد الوضوء . (۴)

وضو کے بعد رومال سے خشک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

غسل کی جگہ تیمم

سوال اگر غسل فرض ہو جائے اور پانی کم ہو، تو کیا تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یا پانی کی آمد کا انتظار کرنا اور غسل کر کے نماز پڑھنا ضروری ہے؟

(ف-م-س، نامعلوم)

جواب وضو اور غسل دونوں کی طرف سے، یعنی دونوں کے بدل کے طور پر دونوں صورتوں میں تیمم جائز ہے، ایک تو یہ کہ پانی موجود ہے مگر کوئی شخص بیماری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے اس کے استعمال پر قادر نہیں اور اگر استعمال کرے گا تو شدید نقصان کا قوی اندیشہ ہے، ایسی صورت میں وضو اور غسل کے بدلے تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے اور تیمم سے پڑھی گئی یہ نمازیں بعد میں لوٹانے کی ضرورت نہیں، تیمم کے جائز ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ پانی

---

(۱) تبيين الحقائق ۷/۱

(۲) ابن ماجه ۳۶/۱ ، حديث ۴۶۵-۴۶۸ ، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل ، كتاب الطهارة

(۳) المغني ۹۵/۱

(۴) الفتاوىٰ الهنديه ۱۰۹/۱ ، الفصل الرابع في مكروهات الوضوء ، كتاب الطهارة

ہی موجود نہ ہو یا اتنی تھوڑی مقدار میں ہو کہ اگر اسے وضو یا غسل میں استعمال کر لے تو پینے کے لئے پانی نہ رہے اور دُشواری کا سامنا کرنا پڑے، اس صورت میں بھی تیمم کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے، دوبارہ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، البتہ پانی نہ ہونے کا اعتبار اُس وقت ہوگا جب کہ آدمی شہر سے باہر ہو اور ایک میل کے اندر یعنی اپنے اطراف ایک میل کی دوری تک پانی کا نام ونشان نہ ہو، اگر اس مسافت کے اندر پانی مل سکتا ہو اور اس کو وہاں تک پہنچنے میں دُشواری نہ ہو تو اس کو تلاش کرنا اور پانی حاصل کر کے وضو یا غسل کرنا ضروری ہے، شہروں میں عام طور پر پانی موجود رہتا ہے، اس لئے اس کے حصول کی کوشش ضروری ہے، اگر مناسب اور عام قیمت میں پانی مل جاتا ہو، اور آدمی کی استطاعت بھی ہو تو خریدنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے پانی کے حصول کی کوشش کئے بغیر تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو اس تیمم کا کوئی اعتبار نہیں اور نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

عذرِ شرعی کی موجودگی میں تیمم کر کے پڑھی گئی نماز کا اعادہ اگرچہ ضروری نہیں، لیکن چوں کہ تیمم سے عارضی طہارت و پاکی حاصل ہوتی ہے، اس لئے عذر کے ختم ہونے کے بعد، یعنی پانی کے استعمال پر قدرت یا پانی کے حصول کے بعد تیمم سے حاصل کی گئی طہارت ختم ہو جائے گی اور تیمم ٹوٹ جائے گا، اس کے بعد کی نمازوں کے لئے وضو یا اگر تیمم غسل جنابت وغیرہ کے بدلے کیا گیا ہو، تو غسل کرنا ضروری ہے۔

ومن شرطه عجزه عن استعمال الماء حتى أن المريض إذا خاف زيادة المرض أو ابطاء البرء جاز له التيمم و الجنب الصحيح في المصر إذا خاف أن يمرضه يتيمم عند أبي حنيفة و إن كان خارج المصر فالاتفاق إن كان بينه و بين الماء نحو الميل أو أكثر. (۱)

تیمم کے جواز کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ آدمی پانی کے استعمال سے عاجز ہو، یہاں تک کہ اگر بیمار شخص کو مرض بڑھ جانے یا شفایابی میں تاخیر کا خوف اور اندیشہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے پاس ایسے جنبی کے

(۱) منية المصلي مع الكبيري ٦٤-٦٢

لئے تیمم جائز ہے۔ جو تندرست ہو اور شہر میں رہتا ہو کہ جہاں عموماً پانی دستیاب ہوتا ہے، بشرطیکہ اسے یہ ڈر ہو کہ پانی کے استعمال سے وہ بیمار پڑ جائے گا اور اگر ایسا تندرست آدمی جنابت کی حالت میں اور شہر سے باہر (کسی دشت و بیابان میں) ہو اور ایک میل سے کم فاصلہ میں پانی دستیاب نہ ہو تو تمام ائمہ کے نزدیک اس کے لئے تیمم جائز ہے۔

کاندھے تک غسل یا تیمم

سوال میرے ایک دوست کے کان کا آپریشن ہوا ہے، ڈاکٹر نے ایک ماہ تک نہانے سے منع کیا، اب اگر اس دوران اس پر غسل فرض ہو جائے تو وہ کیا کرے؟ کاندھے تک غسل کرے یا تیمم کافی ہے؟ (محمد ساجد، رابغ)

جواب اگر مطلقاً پانی کا استعمال نقصان دہ ہے اور ماہر ڈاکٹر نے اس سے منع کیا ہے تو تیمم کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر زخم پر اور آپریشن شدہ جسم کے حصہ پر پانی کا استعمال نقصان دہ ہے، باقی جسم پر نہیں تو پھر تیمم کافی نہ ہوگا، بلکہ سارے جسم پر پانی اور زخم کی جگہ کا مسح کرنا ضروری ہے، اگر پٹی بندھی ہو تو مکمل پٹی کے حصہ پر مسح کیا جا سکتا ہے۔

سردی کے موسم میں تیمم

سوال سردی کے موسم میں بیوی سے صحبت کے بعد نماز فجر تیمم کر کے ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ (کمال الدین، اٹک)

جواب تیمم جس طرح وضو کی جگہ درست ہے، اسی طرح غسل کے بدلے بھی کیا جا سکتا ہے، اس کے جائز ہونے کے لئے عذر شرعی یعنی پانی کے استعمال سے عاجز ہونا ضروری ہے، اس وجہ سے کہ پانی موجود نہ ہو یا اس وجہ سے کہ پانی کے استعمال سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، یا سردی کی وجہ سے ہلاکت یا نئی بیماری کے لاحق ہو جانے کا ڈر ہو، پس اگر پانی موجود نہ ہو، یا ان میں سے کوئی شرط پائی جائے تو تیمم جائز ہے، ورنہ نہیں، کم ہمتی عذر نہیں، اگر واقعی سردی اتنی شدید ہو کہ ٹھنڈے پانی سے غسل کریں تو سخت بیمار پڑ جائے گا اور نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، نیز پانی گرم کرنے کا انتظام بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کیا جا سکتا ہے، البتہ

بدن پر لگی ہوئی ظاہری نجاست کو پانی سے دور کرلیا جائے، اگر پانی کا انتظام ہے یا معمولی درجہ کی سردی ہے تو پھر تیمم کی اجازت نہیں۔

الاصل أنه متى قدر على الاغتسال بوجه من الوجوه لايباح له التيمم اجماعا ۔ (۱)

یعنی اصل شرعی قاعدہ یہ ہے کہ معذور آدمی اگر کسی بھی لحاظ سے غسل کرنے پر قادر ہو جائے تو بالاتفاق اس کے لئے تیمم جائز نہیں ہے۔

جرابوں پر مسح

سوال کیا آج کل روزمرہ کے استعمال کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

(نذیر احمد، رحیم)

جواب اصل میں قرآن کریم میں وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ (المائدۃ ۶) میں دو طرح کے حکم ارشاد ہوئے ہیں: ایک یہ کہ تم اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک دھولو اور دوسرے یہ کہ تم اپنے پاؤں پر مسح کرلو، پہلا حکم جو دھونے کا ہے، عام حالات کے لئے فرض ہے اور عزیمت کا درجہ رکھتا ہے، جب کہ دوسرا حکم مخصوص حالات کے لئے ہے اور رخصت کا درجہ رکھتا ہے۔ (۲)

دوسری جانب صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ''خف'' یعنی چمڑوں کے موزوں پر مسح فرمایا اور یہ چاروں ائمہ کے نزدیک بالاجماع جائز ہے (۳) — اسی طرح بوٹ یا ریگزین، ربڑ یا سخت موٹے کپڑے کے وہ جوتے جو ٹخنوں کو ڈھانک لیتے ہوں اور دو ایک میل تک چلنے میں خود بخود یا زنجیر یا بٹن یا تسمہ کے ذریعہ باندھنے سے پاؤں کے ساتھ جڑے رہتے ہوں، وہ خف یعنی چمڑے کے موزوں میں شامل اور ان کے حکم میں ہیں۔ (۴)

---

(۱) درمختار ۱/۱۵۱

(۲) اضواء البیان ۲/۸ ، التفسیر المنیر ۵-۶/۱۰۵ ، فتح القدیر ۱/۱۴۴

(۳) بدائع الصنائع ۱/۷۶

(۴) کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ، باب المسح علی الخفین

سوتی، اُونی اور نائیلون کے موزوں پر مسح

جہاں تک آج کل کی سوتی، اُونی، نائیلون اور دیگر مصنوعی دھاگوں سے تیار کردہ ہلکی پتلی جرابوں کا تعلق ہے، تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے(۱) — کیوں کہ ایک تو رحمتِ عالم ﷺ نے ایسی جرابوں پر کبھی بھی مسح نہیں فرمایا اور نہ ہی صحابہ کرام ؓ سے کوئی تعامل ثابت ہے، دوسرے یہ کہ عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہ ؓ میں اس طرح کی جرابیں سرے سے دستیاب ہی نہیں تھیں، تیسرے یہ کہ مسح کے سلسلہ میں تمام ذخیرۂ احادیث کو کھنگال کر دیکھنے کے بعد جو نتیجہ سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ :

۱) امام حسن بصریؒ اور ابن جریرؒ نے کہا کہ صحیح اور مرفوع احادیث سے اور ستر سے زائد صحابہ کرام ؓ کی زبانی اور تعامل سے جو چیز ثابت ہے وہ صرف ''چمڑے کے موزوں پر مسح'' ہے(۲) —— جس سے قرآن کے حکمِ عزیمت (پاؤں کو دھولو) کو چھوڑ کر حکمِ رخصت (پاؤں پر مسح کرلو) پر عمل کرنا شرعاً جائز ہوسکا ہے۔(۳)

۲) صحیح اور بعض روایاتِ ضعیفہ میں کل جن اشیاء پر مسح کا ذکر آیا ہے، وہ درجِ ذیل ہیں : (۴)

۱) ''خفین'' یعنی چمڑے کے موزے

۲) ''جورب'' جو کہ ''گورب'' کا معرب لفظ ہے، یعنی سخت اور موٹے کپڑے کا بنا ہوا پاؤں کا کور (Cover) جو خف نما تھا۔

۳) ''موق'' یا ''جرموق'' جو کہ گرموق کا معرب ہے اور جسے خف کی حفاظت کے لئے اس کے اُوپر پہن لیا جاتا تھا۔

۴) ''عصائب'' یا ''عمائم'' یعنی پٹیاں اور پگڑیاں

۵) ''تساخین'' اس کے تین معنی ہیں، جن میں ایک خف ہی ہے، باقی دونوں معنوں

---

(۱) بدائع ۸۳/۱ (۲) التفسير المنير ۵-۱۰۶/۶

(۳) فتح القدير ۱۴۴/۱

(۴) بخاری ، باب المسح على الخفين ، مسلم ، باب المسح على الناصية والعمامة ، ابوداؤد ، باب المسح على الخفين

میں بھی موجودہ زمانے کی عام جرابیں تعریف کے لحاظ سے کسی طرح شامل نہیں ہیں نیز قدیم عربی لفظ ''جورب'' جدید اُردو کی ''جراب'' نہیں بلکہ اُردو کی موجودہ جراب کے لئے عربی میں لفظ ''شراب'' کا استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ضعیف روایات کے لفظ جوربین کو دیکھ کر جرابوں پر مسح کا جواز نکالنا اور خف والی احادیثِ صحیحہ سے استدلال کر کے خفین کا مروجہ شفاف موزوں سے ترجمہ کرنا بالکل مناسب نہیں اور نہ اُصولاً درست ہے۔

۳) سنن ترمذی میں موجود ''جوربین'' والی حدیث سمیت اس موضوع کی تمام روایات کو محدثین کرام نے ضعیف یا منقطع یا منکر یا غیر مقبول قرار دیا ہے(۱) — لہٰذا ایسی روایات سے قرآن کریم کے عزیمت والے حکم کو ترک کرنا یقیناً ناانصافی ہے۔

مزید براں یہ مسئلہ چوں کہ اس لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے وضو درست ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ جس پر نماز کے صحیح ہونے کا انحصار ہے، اس لئے چاروں ائمہ مذاہب میں سے کسی نے بھی یہ جرأت نہیں کی کہ عام جرابوں کو چمڑے کے موزوں پر قیاس کر کے جوازِ مسح کا فتویٰ دیں، بلکہ عام طور پر فقہاء نے صفیقین، ثخینین، منعلین اور مجلدین کی مختلف تعبیرات کے ذریعہ اس امر کا عندیہ دیا ہے کہ موزے اگر کپڑے کے ہوں تو جوازِ مسح کے لئے وہ خف نما ہونے چاہئے کہ اتنے موٹے ہوں کہ پانی سرایت کر کے پاؤں تک نہ پہنچے، اسی طرح پر تلے ان کے چمڑے کے ہوں یا کم از کم چاروں طرف سے چمڑے لگے ہوئے ہوں، بلکہ امام مالکؒ نے جنہیں ''عالم المدینة'' کہا جاتا تھا، فرمایا کہ موزے اگر خالص چمڑے کے نہ ہوں تو ان پر مسح ہی جائز نہیں۔ الاول فی الممسوح : کونه جلداً فلایصح المسح علی غیره . (۲)

اب جہاں فقہاءِ کرام نے مسح کی بابت اس قدر احتیاط سے کام لیا، وہاں آج کل کی ہلکی اور پتلی جرابوں پر محض سہولت پسندی اور سستی کی بنا پر بے دریغ مسح کیے جانا کتنی بڑی

---

(۱) تحفة الاحوذی ۳۲۷/۱-۳۴۱، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین

(۲) الشرح الصغیر ۱۵۴/۱ فصل المسح علی الخف، کتاب الطهارة،

نیز ملاحظہ ہو : بدائع ۸۳/۱

جرأت ہے، جب کہ چند صحابہ ؓ کی ایڑیاں وضو کے دوران خشک رہ جانے پر نبی رحمت ﷺ نے جہنم کی سخت وعید سنائی : ویل للاعقاب من النار ۔ (۱)

اسلامی شریعت کی نظر میں سخت سردی یا گرمی کی وجہ سے انسانی جسم کو نقصان پہنچنے کا خطرہ عذر ہے، لیکن کاہلی، سستی، سہولت پسندی اور احکامِ اسلام سے لاپرواہی قطعاً شرعی عذر میں شامل نہیں، لہٰذا خوب احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔

حالتِ نماز میں پیشاب کے قطرات

سوال اگر کوئی شخص پہلی صف میں امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو، اس کے پیچھے بھی کئی صف ہوں اور حالتِ رکوع میں چند قطرے پیشاب کے نکل جائیں تو ایسا شخص کیا کرے؟ اگر وہ اسی حالت میں نماز پڑھ لے تو اس کا کیا کفارہ ہے؟ سنا ہے کہ بے وضو نماز پڑھنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(الف،ص، احمد)

جواب حالتِ نماز میں اگر پیشاب کے قطرے نکل جائیں یا کوئی اور ناقضِ وضو پیش آئے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ صف کے پیچھے سے یا آگے سے کنارہ ہو کر باہر آجائے اور وضو کر کے نیز کپڑا پاک کر کے دوبارہ نماز پڑھے اور اگر صف سے نکلنا ممکن نہ ہو تو نماز توڑ کر اپنی جگہ بیٹھا رہے، عمداً بے وضو نماز پڑھنا بڑا سخت گناہ ہے، اس سے آدمی اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا، البتہ بعض علماء نے فرمایا کہ عمداً ایسا کرنے اور اس صورت میں نماز کی بے حرمتی کی وجہ سے کفر کا شبہ ضرور ہے، بہر حال ایسے شخص کو چاہئے کہ سچے دل سے توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرے، چوں کہ بغیر وضو کے نماز درست نہیں، لہٰذا اسے نماز لوٹانا بھی ضروری ہے

استنجاء کے بعد پیشاب کے قطرات

سوال استنجاء کے بعد بھی پیشاب کے چند قطرے آجاتے ہیں اور یہ مسلسل تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آتے رہتے ہیں، اس کا کیا حل ہے؟ دورانِ نماز اگر یہ

---

(۱) مسلم، باب وجوب غسل الرجلین، کتاب الطہارۃ

محسوس ہوتو جا کر دوبارہ وضو کروں یا نماز اسی حالت میں ادا کروں؟

(فیاض احمد اعظمی، حائل)

جواب مسلسل اور بار بار پیشاب کا آنا اور تسلسل سے قطروں کا آتے رہنا ایک بیماری ہے، آپ اس کا علاج کرائیں، اگر دو چار منٹ تک نہ آنے کا یقین ہو تو صرف فرض نماز پڑھ لیا کریں اور اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں ڈھیلے اور پانی سے استنجاء کر کے شرم گاہ کے سوراخ میں روئی وغیرہ رکھ لیں، تاکہ تری کے خروج کا شبہ نہ رہے۔

یستحب للرجل أن یحتشی إن رابه الشیطان ویجب إن کان لاینقطع إلا به قدر ما صلی . (۱)

اگر کسی کو شیطان بار بار شک میں مبتلا کرے تو مستحب ہے کہ وہ اپنی شرم گاہ میں روئی وغیرہ رکھ لے اور اگر وہ نماز پڑھنے کے بقدر بھی نہ رکتا ہو تو روئی رکھنا واجب ہے۔

کاغذ سے استنجاء

سوال کیا کاغذ سے استنجاء اور پھر تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟ سنا ہے کہ یورپ میں بعض مسلمان اسی طرح کرتے ہیں، کیا ان کی نماز ہو جاتی ہے؟

(احترام علی)

جواب کاغذ قابل احترام اشیاء میں سے ہے، یہ علم حاصل کرنے، اسلامی تعلیمات کو پھیلانے اور ضبطِ تحریر میں لانے کا بہترین ذریعہ ہے، جیسے علم دین کا احترام اہم ترین فریضہ ہے، ایسے ہی وسائل علم دین کا احترام بھی دینی فریضہ ہے، اس لئے لکھنے پڑھنے کے لئے جو کاغذات ہیں ان سے استنجاء کرنا احترام کے پیش نظر بالکل جائز نہیں، البتہ جو کاغذ (ٹشو پیپر) اسی مقصد کے لئے تیار کئے جاتے ہیں اور لکھنے پڑھنے کے کام میں نہیں آسکتے، ان سے نجاست دور کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ نجاست جسم پر دور تک پھیلی نہ ہو، ورنہ پانی سے بھی استنجاء کرنا ضروری ہوگا، اسی طرح کاغذ سے نجاست دور کرنے کے بعد پانی نہ ہونے

(۱) دُرِ مختار ۱/۱۰۰، کبیری ۱۴۳

کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لیں تو نماز ہو جائے گی۔(۱)

ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخلہ

سوال علم نہ ہونے کی بنا پر اگر کوئی عورت ایامِ ماہواری میں مسجدِ حرام یا کسی اور مسجد میں داخل ہو جائے تو کیا اس کا کفارہ ہے؟ (آصفہ)

جواب ناپاک حالت میں مسجدِ حرام یا کسی اور مسجد میں مرد وعورت کے لئے داخل ہونا ممنوع ہے اور یہ گناہ کی بات ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

إني لا احل المسجد لحائض و لا جنب . (۲)

میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال نہیں کرتا ہوں۔

اگر کسی سے یہ غلطی ہو گئی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگے، اللہ تعالیٰ ہی گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، نیز ہو سکے تو استطاعت کے مطابق کچھ صدقہ وخیرات کر دیں، کیوں کہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں، متعین طور پر اس غلطی کا کوئی کفارہ شریعت میں نہیں ہے۔

پیشاب سے احتیاط

سوال اکثر پیشاب سے فراغت کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ جب میں کھڑا ہوتا ہوں یا دو ایک قدم چلتا ہوں تو دو تین قطرے نکل آتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں مجھے کپڑا بدلنا ہوگا؟ (محمد اشرف، مکہ مکرمہ)

جواب اگر یہ شکایت زیادہ ہو تو آپ کسی ماہر ڈاکٹر سے علاج کروائیں، تاہم پیشاب سے اچھی طرح فراغت کے بعد استنجا کریں، اس سلسلے میں مٹی کے ڈھیلوں یا ٹشو پیپر کا استعمال بھی ان شاء اللہ مفید ہوگا، پھر بھی چلتے پھرتے میں اگر کپڑوں کو پیشاب کے قطرات لگ جائیں تو چوں کہ یہ ناپاک ہیں، اس لئے اتنے حصے کو دھولیں یا کم از کم نماز کے وقت دوسرے کپڑے پہن لیں، اس سے زیادہ بہتر بات یہ ہوگی کہ پیشاب وغیرہ سے فراغت کے لئے

---

(۱) دُرمختار ۲۲۷/۱

(۲) ابوداؤد : عن عائشة ، باب في الجنب يدخل المسجد

الگ تہبند وغیرہ کا استعمال کریں، قطرات سے مکمل اطمینان کے بعد استنجا کر کے دوسرا کپڑا پہن لیں۔ (۱)

بدن یا کپڑوں پر نجاست

سوال اگر آدمی ڈیوٹی پر ہو اور پیشاب کرتے ہوئے اس کے چھینٹے کپڑے یا جسم پر پڑیں، پھر اسی حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ لی جائے تو کیا نماز ہو جائے گی؟ نیز اس حالت میں کلمہ یا درود وغیرہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور کیا ایسی حالت میں وضو کر کے قرآن پاک کو ہاتھ لگا سکتا ہے؟ (مسعود احمد انجم، بحرین)

جواب پیشاب کی چھینٹیں اتنی باریک ہوں کہ سوئی کے ناک کے برابر ہو، تو ایسے کپڑے کے ساتھ نماز درست ہے۔

اما البول المنتضح قدر رؤوس الابر فمعفو عنه للضرورة و ان امتلأ الثوب. (۲)

بہر حال سوئی کے ناک کے برابر پیشاب کی چھینٹیں ہو تو وہ ضرورت کے تحت معاف ہے، اگرچہ پورے کپڑے میں ہو۔

اسی طرح پیشاب جسم یا کپڑے پر، ہتھیلی کی گولائی یعنی درمیانی حصہ کی بقدر یا اس سے کم لگ جائے تو اس کو صاف کئے بغیر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے لیکن نماز ہو جائے گی، دہرانے کی ضرورت نہیں۔

وقدر الدرهم و ما دونه من النجس المغلظ كالدم و البول و الخمر و خرء الدجاج و بول الحمار، جازت الصلوٰة معه و إن زاد لم تجز. (۳)

ایک درہم کے برابر یا اس سے کم نجاستِ غلیظ (مثلاً خون، پیشاب، شراب، مرغی کی بٹ اور گدھے کا پیشاب) لگ جائے تو اس کے ہوتے ہوئے نماز

---

(۱) هندية ۴۹/۱ (۲) البحر الرائق ۲۳۵/۱

(۳) هدايه ۵۸/۱، ط: ديوبند

صحیح ہو جائے گی اور اس سے زیادہ ہو تو درست نہیں ہو گی اور اگر نجاست اس سے زیادہ ہو تو اس کو پاک کرنا ضروری ہے۔

اس حالت میں وضو کر کے نماز پڑھ لی جائے تو نماز نہیں ہو گی، دوبارہ پاک کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہو گا، البتہ کلمہ اور درود شریف پڑھنے یا ذکر واذکار کرنے اور قرآن پاک چھونے کے لئے کپڑے اور بدن کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا ضروری نہیں، اسی حالت میں ذکر وغیرہ کیا جا سکتا ہے، بلکہ غسل کی حالت ہو تو ایسی صورت میں بھی تلاوتِ قرآن کے علاوہ دوسرا کوئی اور ذکر کرنا جائز ہے، قرآن کو چھونے کے لئے وضو ضروری ہے، اگر آدمی باوضو ہو تو قرآن کو ہاتھ لگا سکتا ہے، اگر چہ اس کے جسم پر یا کپڑے پر ظاہری نجاست ہو۔ سیدنا علی ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہم (یعنی صحابہ ﷺ) کو ہر حال میں قرآن پڑھاتے تھے، سوائے اس کے بہ حالتِ جنابت ہوتے تو آپ ﷺ قرآن نہیں پڑھاتے، کان رسول اللہ ﷺ یقرئنا القران علی کل حال ما لم یکن جنباً ۔ (۱)

وضو کے بعد پیشاب کے قطرات نکلنے کا شک ہو جائے

سوال جب میں استنجاء کرتا ہوں تو اس کے بعد کبھی مجھے ایسا شک ہوتا ہے کہ ایک دو قطرے پیشاب کے نکل گئے ہیں، جس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے، میں اس سوچ میں رہتا ہوں کہ میرا وضو ہوا یا نہیں، میری نمازیں ہو رہی ہیں یا نہیں؟ نیز کبھی اِدھر اُدھر کے خیالات آتے ہیں تو پانی کی طرح کوئی چیز نکلتی ہے جو کپڑوں میں بھی لگ جاتی ہے، یہ پاک ہے یا ناپاک؟ کیا اس کی وجہ سے غسل کرنا یا وضو کرنا ضروری ہے؟ (اختر محمد افغان، تبوک)

جواب استنجاء کرنے پھر وضو کرنے کے بعد پیشاب کے قطرات نکلنے کا اگر وہم اور شک ہے تو شک سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

ومن شک فی الحدث فھو علی وضوئه ۔ (۲)

(۱) ترمذی عن علیؓ ، باب ماجاء فی الرجل یقرأ القرآن علی کل حال مالم یکن جنباً ، أبواب الطهارة

(۲) الفتاویٰ الهندیه ۱۳/۱ ، قبیل الباب الثانی فی الغسل

حدث کے بارے میں کسی کو شک ہوا تو وہ باوضو ہی رہے گا۔

آپ اس خیال اور وہم کو آہستہ آہستہ دور کریں، وضو کرنے کے بعد پیشاب کی جگہ پر پانی کے چھینٹے ماریں، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ آپ کا شک دور ہو جائے گا اور اگر پیشاب کے قطرات آتے ہوں تو آپ کسی ڈاکٹر سے علاج کرواسکتے ہیں، ایسی صورت میں استنجاء کے بعد فوراً وضو نہ کریں بلکہ کچھ انتظار کر کے قطرات نکل جانے اور دوبارہ نہ آنے کا یقین ہو جانے کے بعد وضو کریں اور نماز کے لئے الگ پاک کپڑے استعمال کریں، بعض دفعہ مختلف جنسی خیالات کی وجہ سے پیشاب کی جگہ سے تری نکلتی ہے، اسے ''مذی'' کہتے ہیں، یہ ناپاک ہے، اسی طرح پیشاب کے راستے سے بیماری کے نتیجہ میں کبھی ایک طرح کا سفید مادّہ نکلا ہوا ہوتا ہے، جسے ''ودی'' کہا جاتا ہے، یہ دراصل پیپ ہوتی ہے، جو گندے خیالات و تفکرات کی وجہ سے پیشاب کی نالیوں میں زخم پڑ جانے کی نشاندہی کرتی ہے، یہ بھی ناپاک ہے، لہٰذا کپڑے پر لگ جائے تو اتنے حصے کو دھو کر پاک کرنا ضروری ہے، ان دونوں کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

من المذی الوضوء و من المنی الغسل . (۱)

مذی نکلنے کی صورت میں وضو اور منی خارج ہونے کی صورت میں غسل واجب ہے۔

امام ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے :

عن ابن عباس ؓ قال : المنی ، و الودی ، و المذی ، أما المنی ففیہ الغسل ، و أما المذی و الودی ففیہما اسباغ الطہور . (۲)

سیدنا ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ منی، ودی اور مذی میں سے منی میں غسل واجب ہے اور مذی، ودی میں مکمل وضو کرنا۔

---

(۱) دیکھئے : ترمذی عن علیؓ ، باب ماجاء فی المنی والمذی ، أبواب الطہارۃ

(۲) المغنی ۱/۲۳۳ ، بخاری عن علیؓ باب غسل المذی والوضوء منہ ، کتاب الغسل حدیث ۲۶۹

ایامِ حیض میں تلاوتِ قرآن

سوال ایامِ حیض میں عورت کے لئے نماز روزہ منع ہے، کیا وہ ان دنوں میں قرآن کی تلاوت زبانی یا دیکھ کر کر سکتی ہے؟ (منظر امام صدیقی، جدہ)

جواب ناپاکی کے ان دنوں میں عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ قرآن پاک کو چھوئے اور اس کی تلاوت کرے، نہ زبانی اور نہ دیکھ کر (۱) —— البتہ عورت اگر معلمہ ہو تو اس کو حروفِ تہجی کی طرح الگ الگ ہجے کرا کر ضرورتاً پڑھا سکتی ہے۔

و یمنع قراۃ قران و لو دون ایۃ من المرکبات لا المفردات لانہ جوز للحائض المعلمۃ تعلیمہ کلمۃ کلمۃ. (۲)

قرآن پڑھنا ممنوع ہے اگرچہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو، مرکبات میں سے، نہ کہ مفردات، اس لئے کہ معلمہ اگر حائضہ ہو تو ایک ایک کلمہ پڑھا سکتی ہے۔

البتہ ان ایام میں دوسرے اذکار اور تسبیح وتحمید وغیرہ پڑھ سکتی ہے، اسی طرح قرآن پاک کی دُعائیہ آیات بھی بطورِ دُعا کے زبانی پڑھ سکتی ہے۔

ولا بأس بالحائض و الجنب بقراء ۃ أدعیۃ و مسھا و حملھا وذکر اللہ و تسبیح و زیارۃ قبور و دخول مصلی العید. (۳)

حائضہ اور جنبی کے لئے دُعائیں پڑھنے، اس کو چھونے، اس کو اُٹھانے، اللہ کا ذکر کرنے، تسبیح پڑھنے، قبروں کی زیارت کرنے اور عیدگاہ میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

چلے کی رسم اور ناپاکی کا مسئلہ

سوال ہمارے یہاں کئی صوبوں میں یہ تصور ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد ۴۰/ روز تک زچہ (ماں) کو ناپاک قرار دیا جاتا ہے اور چالیس روز بعد پاکی کا غسل

---

(۱) المغنی ۱۹۹/۱ (۲) دُرمختار ۱۹۵/۱، المغنی ۹۷/۱

(۳) دُرمختار ۱۹۵/۱

دے کر چلے کی رسم منائی جاتی ہے، جس میں بچے کا نام رکھا جاتا ہے، اب آپ بتائیں کہ بچے کی پیدائش کے بعد عورت کتنے دن تک ناپاک رہتی ہے اور نماز وغیرہ چھوڑ سکتی ہے؟ اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(مشرف جہاں لیاقت، ریاض)

جواب یہ غلط تصور ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد ماں ۴۰/دن تک ناپاک رہتی ہے، بلکہ فقہاء نے ایسی عورت کے لئے ناپاکی کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن تک بتائی ہے، لیکن نفاس ایک دن میں بھی ختم ہو سکتا ہے، کم سے کم مدت مقرر نہیں، ہندیہ میں ہے :

اقل النفاس ما یوجد و لو ساعة و علیه الفتویٰ و اکثره اربعون یوما . (۱)

نفاس کی کم سے کم مدت جو بھی پایا جائے اگرچہ ایک لمحہ ہی کیوں نہ ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی اکثر مدت چالیس دن ہے۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں :

لایقربها زوجها في الفرج حتی تُتِمَّ الاربعین استحباباً . (۲)

مستحب یہ ہے کہ نفاس والی عورت سے اس کا شوہر چالیس دن تک وطی نہ کرے۔

اس سلسلے میں مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو ولادت کے بعد جتنے دن خون آتا ہو وہ اتنے ہی دن ناپاک سمجھی جائے گی اور جب یہ سلسلہ بند ہو جائے تو شرعاً وہ پاک ہوگی اور پھر غسل وغیرہ کر کے نماز وغیرہ پڑھنا ضروری ہوگا، چاہے یہ مدت تین چار دن کی ہو یا دس پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی، ہر عورت کے لئے اس کی عادت کے لحاظ سے یہ مدت مختلف ہو سکتی ہے، ہاں اگر کسی عورت کو چالیس دن گذرنے کے بعد بھی خون کی آمد جاری ہو اور یہ سلسلہ منقطع نہ ہو تو اب چالیس روز کے بعد وہ پاک سمجھی جائے گی اور اس کے خون کو بیماری پر محمول کیا جائے گا۔

ایسے ہی چلے کی رسم ہندوؤں سے اختلاط کی بنا پر ہمارے معاشرے میں داخل ہوگئی

---

(۱) هندية ۳۶/۱ (۲) المغنی ۲۰۹/۱

ہے، اسلام اور شریعتِ مطہرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ اس طرح کے رسوم کو ترک کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک بچے کا نام رکھنے کا تعلق ہے، اس سلسلے میں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں دن ہی بچے کا نام رکھ دیا جائے اور اسی دن اس کا عقیقہ کیا جائے جو کہ مسنون ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :

کل غلام رهينة بعقيقته ، تذبح عنه يوم سابعه و يسمى فيه و يحلق رأسه . (۱)

ہر بچہ مرہونِ عقیقہ ہوتا ہے، پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کا جانور ذبح کیا جائے اور اسی روز نام رکھا جائے، نیز اس کا سر منڈوالیا جائے۔

اگر ساتویں دین ممکن نہ ہو تو چودہویں یا اکیسویں روز کو عقیقہ کر لیا جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پیدائش کے لحاظ سے کسی بھی ساتویں دن کو عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔ (۲)

استنجاء خانے قبلہ کی سمت نہ بنائے جائیں

سوال پاکستان میں ہمارے محلے کی مسجد یوں بنی ہوئی ہے کہ جہاں امام کا محراب ہے اور قبلہ کی دیوار ہے اس کے ساتھ پیشاب خانے بھی بنے ہوئے ہیں، کیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ (محمد خالد، جدہ)

جواب مساجد کے ساتھ پیشاب خانے یا استنجاء خانے اس طریقے پر بنائے جائیں کہ اوّل تو یہ قبلہ کی سمت میں نہ ہوں، یعنی مسجد کی محراب قبلہ کی سمت والی دیوار کی طرف نہ ہو، دوسرا ادب یہ ہے کہ ان کو اس طرح سے بنایا جائے کہ بیٹھنے والا شخص نہ تو قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور نہ پیٹھ، جب کہ تیسرا ادب بے حد ضروری ہے کہ استنجاء خانہ، پیشاب خانہ اور مسجد کی دیواریں الگ الگ ہوں یا فاصلے پر ہوں کہ ان کی بدبو مسجد میں نہ آئے بلکہ یہ مسجد سے الگ ہوں۔

يكره بجنب المساجد و مصلى العيد . (۳)

---

(۱) ابوداؤد عن سمرة بن جندب ، باب في العقيقة ، كتاب الضحايا ، حديث ۲۸۳۷

(۲) المغنى ۳۹٦/۱۳ "محقق نسخه"

(۳) هداية ۵۰/۱

مسجدوں یا عیدگاہ کے بازو میں بنانا مکروہ ہے۔

ناپاکی کے ایام میں غسل

سوال کیا عورت ناپاکی کے ایام میں نہاسکتی ہے؟

جواب ہاں عورت ان ایام میں نہاسکتی ہے، شرعاً اس بارے میں کوئی قباحت نہیں۔

زچگی کے بعد غسل کب واجب ہے؟

سوال الحمدللہ میرے یہاں چند ماہ قبل بچے کی ولادت ہوئی، غالباً بتیس دن بعد میں اپنے آپ کو بالکل پاک صاف محسوس کرنے لگی، چنانچہ میں نے غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا، کئی عورتوں نے مجھے بتایا کہ تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے، چالیس دن پورے نہیں کئے، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

جواب اگر کوئی خاتون ولادت کے بعد چالیس دن پورے ہونے سے قبل ہی پاک وصاف ہوجاتی اور غسل کر لیتی ہے تو یہ صحیح ہے اور ایسا ہی کرنا واجب ہے۔ ابن قدامہ رقم طراز ہیں:

واذا طهرت دون الاربعين اغتسلت وصلت وصامت ويستحب أن لايقربها زوجها قبل الاربعين. (۱)

اگرچہ چالیس دن سے پہلے کسی بھی وقت پاک ہوجائے تو غسل کرے گی، نیز نماز پڑھنا شروع کرے گی اور (رمضان ہو تو) روزہ رکھے گی اور شوہر کے لئے مستحب ہے کہ ایسی پاکی میں بھی چالیس روز سے پیشتر ہم بستری نہ کرے۔

غسل جنابت

سوال غسل جنابت کے سلسلے میں سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنا سر دھولے، پھر اپنے پورے بدن پر پانی بہائے اور دوسری بار سر نہ دھوئے تو کیا غسل ہوگیا؟ (محمد عاشور، نور محمد، جدہ)

جواب غسل کرتے ہوئے پہلے سر دھو کر بعد میں باقی بدن پر پانی ڈالنا جائز ہے، دوبارہ سر کو

---

(۱) المغنی ۴۲۹/۱

دھونے کی ضرورت نہیں، غسل ہوجائے گا، البتہ بہتر ہے کہ سنت کے مطابق غسل کیا جائے اور پورا جسم تین تین بار دھویا جائے، نبی کریم ﷺ کے غسل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اُم المؤمنین میمونہؓ فرماتی ہیں :

وضعت للنبی ﷺ غسلا فاغتسل من الجنابة فاکفا الاناء بشماله علی یمینه فغسل کفیه ثم ادخل یده فی الاناء فأفاض علی فرجه ثم دلك بیده الحائط او الأرض ثم مضمض واستنشق وغسل وجهه وذراعیه فافاض علی رأسه ثلثا ثم افاض علی سائر جسده ثم تنحی فغسل رجلیه . (۱)

میں نے نبی ﷺ کے لئے غسل کا پانی رکھا، آپ نے جنابت کا غسل فرمایا۔ سب سے پہلے آپ نے بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ پر پانی کا برتن جھکا کر دونوں ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور شرم گاہ دھوئی، پھر ہاتھ کو دیوار پر یا زمین پر رگڑا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنے چہرہ و دونوں ہاتھوں کو دھویا، پھر اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہایا، پھر پورے بدن پر پانی ڈالا، پھر غسل مکمل ہونے کے بعد وہاں سے ہٹے اور دونوں پیروں کو دھویا۔

پیروں کو اخیر میں دھونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ غسل کرنے کی جگہ میں پانی جمع ہوجاتا تھا، اس لئے غسل سے پہلے دھونے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری روایت جو اُم المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یوں ہیں :

کان رسول اللّٰه ﷺ اذا أراد أن یغتسل من الجنابة بدأ بغسل یدیه قبل أن یدخلها الاناء ، ثم یغسل فرجه ویتوضأ للصلوة ثم یشرب شعره الماء ثم یحثی علی رأسه ثلث حثیات . (۲)

---

(۱) سنن الترمذی ۲۹/۱، باب ماجاء فی الغسل من الجنابة ، کتاب الطهارة

(۲) ترمذی عن عائشةؓ ، باب ماجاء فی الغسل من الجنابة ، کتاب الطهارة ، حدیث ۱۰۴/۱۰۳

رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے ان کو دھوتے، پھر شرم گاہ دھوتے اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے، پھر بالوں میں پانی ڈالتے، پھر اپنے سر پر تین چلو پانی ڈالتے۔

بند حمام میں برہنہ غسل

سوال کیا بند حمام میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے؟ نیز اس حالت میں کیا ہوا وضو درست ہے یا کپڑے پہننے کے بعد دوبارہ وضو کرنا ہوگا؟ (محمد سلیم، بحرین)

جواب بند حمام میں جہاں کسی کی نگاہ نہ پڑے اور بے پردگی نہ ہو برہنہ غسل کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے، بہتر یہی ہے کہ غسل کرتے وقت اور تنہائی میں بھی برہنہ نہ ہوا جائے، اسی طرح کے ایک سوال پر کہ کوئی تو دیکھنے والا نہیں ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

الله احق أن يستحى منه من الناس . (۱)

اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ لوگوں کے مقابلے میں اس سے شرم کی جائے۔

نیز ایسی حالت میں کیا گیا وضو بھی درست ہے، دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۲)

غسل کرتے وقت ستر عورت

سوال کیا تنہائی میں غسل کرتے وقت آدمی اپنی شرم گاہ دیکھ سکتا ہے یا پھر بغیر شرم گاہ چھپائے غسل صحیح ہے یا نہیں؟ (قدیر و عرفان، جدہ)

جواب غسل کرتے ہوئے یا استنجاء کرتے ہوئے اپنی شرم گاہ کو صاف کرنا یا دیکھنا جائز ہے، نیز تنہائی میں بغیر شرم گاہ کو چھپائے بھی غسل درست ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ایوب علیہ السلام کے بغیر شرمگاہ چھپائے غسل کرنے کا ایک واقعہ بیان فرمایا اور ان کے اس عمل پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرم گاہ چھپائے بغیر بھی غسل کر سکتے ہیں۔ امام بخاری نقل فرماتے ہیں:

---

(۱) بخاری، باب من اغتسل عریانا وحده فی المغتسل

(۲) کبیری ۴۹

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال بينا أيوب يغتسل عريانا الخ . (۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایوب علیہ السلام بغیر شرمگاہ چھپائے غسل کر رہے تھے کہ.....الخ

غسل کے وقت گفتگو

سوال کیا انسان غسل کرتے وقت بات کرسکتا ہے؟ ہمارے چند دوست حمام میں غسل کرتے ہوئے کھڑے لڑکوں سے باتیں کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ (اسلام اللہ راجہ، طائف)

جواب غسل کرتے وقت بات کرنا ناجائز یا حرام نہیں، البتہ بے مقصد، بلاضرورت یا لغو باتیں کرنا مناسب نہیں، لایعنی باتوں سے تو ہر وقت اجتناب کرنا چاہئے۔

جنبی کے کپڑے

سوال جن کپڑوں کے ساتھ بیوی سے صحبت کی گئی ہو، اگر یقین ہو کہ یہ کپڑا پاک ہے تو کیا ان کپڑوں میں نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ (محمد جمیل اختر، حفرالباطن)

جواب صحبت کے وقت جو کپڑے بدن پر ہوں، اگر یہ کپڑے پاک ہیں تو ان سے نماز پڑھی جاسکتی ہے، حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ سیدنا معاویہ نے اپنی بہن ام المومنین ام حبیبہ سے دریافت کیا :

هل كان رسول الله ﷺ يصلی فی الثوب الذی يجامع فيه ؟ قالت : نعم ! اذا لم يكن فيه أذى . (۲)

کیا نبی کریم ﷺ اس کپڑے میں نماز پڑھتے تھے جسے پہن کر آپ (ﷺ) صحبت کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا : جی ہاں! جب کہ اس میں نجاست لگی نہ ہوتی۔

---

(۱) صحيح بخاری ۱/۴۲ ، باب من اغتسل عريانا الخ ، كتاب الغسل

(۲) ابن ماجه عن معاوية ، باب الصلاة فی الثوب الذی يجامع فيه أبواب الطهارة حديث ۵۴۰ ، ۱/۴۱

ناپاکی میں بال کاٹنا

سوال حالتِ ناپاکی میں غسل سے پہلے بال کٹوانا، ناخن کاٹنا اور بدن کے دوسرے حصوں کی صفائی کرنا جائز ہے؟ (ب۔م اظہر، جدہ)

جواب جی ہاں جائز ہے، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الاظافير . (۱)

بال مونڈنا، ایسے ہی ناخن کاٹنا حالتِ جنابت میں مکروہ ہے۔

بال کی جڑ تک پانی پہنچانا

سوال فرض غسل میں کیا عورت کے لئے سر کے بال دھونا بھی ضروری ہے؟ جب کہ بال کافی لمبے ہوں یا صرف بدن دھونے سے پاکی حاصل ہو جائے گی؟ اگر بال دھونا ضروری ہو تو صرف بالوں پر پانی ڈالنا کافی ہوگا یا شمپو (صابن لگانا) ضروری ہوگا؟

جواب عورتوں کے سر کے بال چاہے بڑے ہوں یا چھوٹے، اگر وہ کھلے ہوں تو ایک ایک بال کا دھونا اور ان کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے، ورنہ پاکی حاصل نہ ہوگی، ہاں اگر بال گندھے ہوں تو بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جانا بھی کافی ہے، انھیں کھولنا ضروری نہیں، لیکن اس صورت میں اگر جڑوں تک پانی نہ پہنچتا ہو تو انھیں کھول کر سر دھونا ضروری ہوگا اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

وليس على المرأة أن تنقض ضفائرها في الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر وليس عليها بل ذوائبها كذا في الهداية ، ولو كان شعر المرأة منقوضا يجب ايصاله الىٰ اثنائه . (۲)

غسل کے لئے چوٹیوں کا کھولنا عورت کے لئے ضروری نہیں جب کہ پانی بال کی جڑ تک پہنچ جائے اور نہ ہی جوڑوں کا کھولنا ضروری ہے، جیسا کہ

(۱) هندية ۳۵۸/۵

(۲) الفتاوىٰ الهندية ۳/۱ الباب الثاني ، في الغسل ، كتاب الطهارة

ہدایہ میں ہے اور اگر عورت کے بال کھلے ہوں تو بالوں کے درمیان پانی پہنچانا ضروری ہے۔

لیکن فقہِ حنبلی کی شہرۂ آفاق کتاب "المغنی" میں ہے:

وتنقض المرأة شعرها لغسلها من الحيض و ليس عليها نقضة من الجنابة إذا اروت اصوله . (۱)

حیض سے پاکی کے لئے غسل کرتے وقت عورت بال کھولے گی، البتہ جنابت سے طہارت حاصل کرتی وقت بال نہیں کھولے گی اگر جڑیں بھیگ چکی ہوں۔

پاکی حاصل کرنے کے لئے بالوں میں شمپو یا بدن پر صابن وغیرہ لگانا ضروری نہیں، صرف ایک مرتبہ سارے بدن پر سے اچھی طرح پانی بہانا ضروری ہے، اس طرح کہ بدن کا کوئی حصہ حتیٰ کہ ایک بال بھی خشک نہ رہنے پائے۔

غسل سے قبل وضو

سوال: غسل کرتے وقت پہلے وضو کیا جاتا ہے، تو کیا وضو مکمل طور پر ویسے ہی کریں جیسے نماز کے لئے کرتے ہیں؟ پھر غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا ہوگا یا ویسے ہی نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ غسل کے وقت آدمی برہنہ بھی ہو۔

جواب: غسل سے قبل وضو کرنا مسنون و مستحب ہے، وضو اسی طرح مکمل کیا جائے جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہیں۔

سنة الغسل ان يقدم الوضوء عليه كوضوء الصلوة من غير استثناء مسح الراس وهو الصحيح . (۲)

غسل کی سنت یہ ہے کہ غسل سے پہلے ویسے ہی وضو کیا جائے جیسا نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے سر کا مسح ترک کئے بغیر، یہی صحیح قول ہے۔

غسل سے قبل وضو کریں یا نہ کریں، دونوں صورتوں میں غسل کے بعد وضو کرنا

---

(۱) المغنی ۱/۱۴۲ (۲) کبیری ۴۸

ضروری نہیں، اگر بغیر وضو کئے بھی نماز پڑھ لیں تو درست ہے، کیوں کہ غسل کرتے ہوئے وضو کے سارے اعضاء بھی دھل جاتے ہیں، نیز برہنہ ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ درمختار میں ہے:

لو توضا اوّلا لایأتی به ثانیا . (۱)

کہ اگر پہلے وضو کر لیتا ہے تو پھر دوبارہ وضو نہ کرے۔

البتہ اگر آدمی ایسا بیمار ہو کہ غسل کے دوران یا آخری بار سر پہ پانی ڈالنے سے محسوس کرے کہ پیشاب کے راستہ سے کچھ رطوبت خارج ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں بعد از غسل دوبارہ وضو کرلے، دراصل سر پر پانی ڈالنے سے جسم کی حرارت نیچے اُتر آتی ہے، جس کے نتیجہ میں کمزور آدمی کی شرم گاہ سے رطوبت نکل آتی ہے اور جس سے غسل کے ذریعہ حاصل ہونے والی طہارت ٹوٹ جاتی ہے، اس لئے پھر سے وضو کرنا ہوگا۔

غسل ضروری نہیں

سوال مجھے پیشاب کی نالی سے پانی کی طرح دو تین بوندیں یا کبھی اس سے زیادہ نکل جاتی ہیں، جن میں چکناہٹ بھی ہوتی ہے، کیا ایسی صورت میں بغیر نہائے یا بغیر کپڑے بدلے نماز پڑھ سکتا ہوں؟ (محمد شارق کمال، جدہ)

جواب اس صورت میں آپ کے لئے غسل کرنا ضروری نہیں، البتہ وضو کرنا ضروری ہے۔

إن خرج منه ودى أومذى كان عليه الوضوء . (۲)

اگر اس سے ودی یا مذی نکل آئے تو اس پر وضو ہے۔

نیز ان قطروں کے ناپاک ہونے کی وجہ سے اگر بدن یا کپڑے پر لگ جائیں تو اس جگہ کو دھونا بھی ضروری ہے، غسل شہوت کے ساتھ خروجِ منی کی صورت میں واجب ہوتا ہے:

إن بال الرجل فخرج منه ان كان ذكره منتشرا كان عليه الغسل . (۳)

---

(۱) دُرمختار ۹۸/۱ (۲) قاضی خان علی الهندية ۴۳/۱

(۳) قاضی خان علی الهندية ۴٦/۱

اگر آدمی نے پیشاب کیا اور اس سے منی نکل گئی تو اگر اس کا آلہ تناسل منتشر ہے تو غسل واجب ہوگا۔

ناپاک آدمی سے بات کرنے پر غسل فرض نہیں

سوال دو تین آدمی ایک کمرہ میں رہتے ہیں، ان میں سے کسی ایک کو احتلام ہو جائے تو کیا کسی سے بات کرنے سے پہلے غسل کر لینا ضروری ہے؟ نیز میں نے سنا ہے کہ اگر وہ غسل کرنے سے پہلے کسی سے بات کرے گا تو اس آدمی پر بھی غسل فرض ہو جائے گا، کیا یہ بات درست ہے؟ (صمد لطیف، طائف)

جواب جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نظافت و ستھرائی اور پاکی ایمان کا ایک حصہ ہے، اس لئے مسلمان کو ہر وقت پاک و صاف رہنا چاہئے اور جب بھی احتلام و جنابت وغیرہ کی وجہ سے ناپاکی لاحق ہو جائے اور غسل فرض ہو جائے تو جتنا جلد ہو سکے غسل کر لینا چاہئے، تھوڑی بہت تاخیر سے کوئی حرج اور گناہ نہیں، لیکن اس کا خیال رہے کہ اس کی وجہ سے نماز کا وقت نہ نکل جائے، اسی طرح یہ بات بھی غلط اور بے بنیاد ہے کہ ناپاک آدمی اگر کسی سے بات کرے تو اس آدمی پر بھی غسل فرض ہو جائے گا۔

غسل جنابت کا طریقہ

سوال جنابت کے غسل کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیا صرف نہانے سے غسل ہو جاتا ہے؟

جواب غسل کے معنی ہی نہانے کے ہیں، نہانے سے غسل ہو جاتا ہے، البتہ جنابت کے بعد نہاتے ہوئے اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ پورے جسم پر سے پانی اچھی طرح بہہ جائے اور ذرا سا حصہ بھی خشک نہ رہے، ورنہ غسل صحیح نہ ہوگا۔

و اما ركنه فهو اسالة الماء على جميع ما يمكن اسالته عليه من البدن من غير حرج مرة واحدة حتى لو بقيت لمعة لم يصبها الماء لم يجز الغسل. (۱)

بغیر مشقت و دُشواری کے بدن کے جتنے حصہ میں پانی پہنچانا ممکن ہو، ان

---

(۱) البحر الرائق ۴۶/۱

تمام پر پانی بہانا غسل کا رکن ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی خشک حصہ باقی رہ گیا جہاں تک پانی نہ پہنچ سکا تو غسل نہ ہوگا۔

نیز غسل کا صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ظاہری نجاست اور ناپاکی کو دور کیا جائے، خواہ وہ جسم کے کسی بھی حصہ پر لگی ہوئی کیوں نہ ہو، اس کے بعد وضو کیا جائے، جیسے نماز کے لئے وضو کرتے ہیں، پھر سارے بدن پر پانی بہایا جائے۔ واضح رہے کہ غسل سے قبل وضو کرنا ضروری نہیں، اگر کوئی شخص بھول جائے یا کسی وجہ سے وضو نہ کر سکے تو اس کا غسل صحیح ہو جائے گا اور غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا بھی ضروری نہ ہوگا، البتہ احناف کے یہاں غسل میں کلی کرنا اور ناک میں اس طرح پانی ڈالنا ضروری ہے کہ ایک تو اس کے آخری نرم حصے تک پانی پہنچ جائے اور دوسرے یہ کہ ناک کے اندر خشک رینٹ ہو تو اسے صاف کرلیا جائے۔(۱)

بحالتِ جنابت کھانا پینا

سوال کیا غسل جنابت سے قبل کھانا پینا جائز ہے؟

جواب ہاں! غسل جنابت سے پہلے ہاتھ صاف کر کے اور بہتر یہ ہے کہ وضو کر کے کھا پی سکتے ہیں۔(۲)

مسواک کب کرنی چاہئے؟

سوال کیا مسواک بغیر پانی کے تر کئے ہوئے ہر وقت کی جاسکتی ہے؟ کیا مسواک اپنے منہ میں استعمال کر کے اسے دھونا چاہئے یا نہیں؟ (فیاض احمد بھٹی، طائف)

جواب مسواک کا مقصد دانتوں کی صفائی ہے، سرکار دو عالم ﷺ کثرت سے مسواک فرمایا کرتے تھے۔ مسواک استعمال کر کے اسے دھولیا جائے، تاکہ مسواک صاف ستھری رہے۔ اقامت کے وقت مسواک کر کے بعد میں گھر جا کر اسے دھویا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس بات کا عادی ہے کہ مسواک کر کے اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے اور منہ میں زیادہ تھوک جمع نہیں

---

(۱) هندية ۱۳/۲

(۲) ابو داؤد عن عائشةؓ، كتاب الطهارة، حديث ۲۲۳، باب الجنب يأكل

ہوتا تو اس کا یہ عمل جائز ہے، لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ مسواک کرتے ہوئے ایسی ہیئت اور ایسے طریقے سے مسواک نہ کی جائے جس سے دوسروں کو کوفت یا تکلیف ہوتی ہو۔ بعض لوگ عجیب وغریب طریقوں سے مسواک کرتے ہیں جس سے دیکھنے والوں پر اچھا اثر نہیں پڑتا، یہ نامناسب حرکت ہے۔ احادیث کے مجموعے کو سامنے رکھ کر اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں مسواک کے مواقع کے بارے میں جو نتیجہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آٹھ موقعوں پر مسواک کرنی چاہیے: (۱) کسی بھی نماز سے پہلے (۲) جب دانت میلے ہوں (۳) وضو کرتے ہوئے، یعنی وضو سے پہلے (۴) قرآن پاک کی تلاوت سے پہلے (۵) جب منہ میں بو آئے (۶) لوگوں کے ساتھ مل بیٹھنے سے پیشتر (۷) نیند سے بیدار ہونے کے بعد (۸) باہر سے گھر آنے کے بعد۔(۱)

تیمّم کی اجازت

سوال دورانِ سفر اگر پانی میسر نہ ہو یا تھوڑی مقدار میں ہو تو وضو کیسے کیا جائے؟

(محمد ندیم شاہد، مکہ مکرمہ)

جواب ایسی حالت میں تیمّم کرلیا جائے تو جائز ہے اور خود قرآن مجید میں صراحتاً اس موقع پر تیمّم کی اجازت دی گئی ہے:

وَ اِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰىٓ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا. (سورة المائدة ۶)

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے بیویوں سے صحبت کی ہو اور تمہیں پانی میسر نہ ہو تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو

بے وضو ریال کا چھونا

سوال میں جب بھی ایک ریال کا نوٹ اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں تو فوراً وضو کرنے کا خیال آتا ہے، کیوں کہ اس نوٹ پر کلمہ لکھا ہوا ہے۔ (آصف محمود بٹ، جدہ)

جواب ایک ریال کے نوٹ کو بغیر وضو کے چھونا اور ہاتھ میں لینا جائز ہے، وضو شرط نہیں،

---

(۱) البحرالرائق ۲۰/۱، ردالمحتار ۷۷/۱، کبیری ۳۲۰

پاکی کی حالت میں ہونا صرف آیت قرآنی کو چھونے کے لئے شرط ہے۔

ناپاکی کی حالت میں قرآن کی تلاوت

سوال ایام اور نفاس والی خواتین قرآن کو بغیر چھوئے اور بغیر دیکھے زبانی تلاوت کر سکتی ہے؟

جواب قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کے ادب کا تقاضہ ہے کہ پاکی ہی کی حالت میں اس کو چھوا اور پڑھا جائے، عورت چوں کہ اس حالت میں ناپاک ہوتی ہے، لہٰذا اس حالت میں زبانی تلاوت کرنا بھی درست نہیں، البتہ قرآن کا کوئی ٹکڑا بطور ذکر یا دُعا کے پڑھا جا سکتا ہے

ولا تقرأ الحائض و النفساء و الجنب شيئا من القرآن ، و الآية و ما دونها سواء في التحريم على الاصح إلا أن لا يقصد بما دون الآية القراءة مثل أن يقول : الحمدلله يريد الشكر أو بسم الله عند الأكل أو غير فانه لاباس به . (۱)

حائضہ نفساء اور جنبی کے لئے قرآن میں سے کچھ بھی پڑھنا جائز نہیں، پوری آیت اور آیت سے کم حرمت میں برابر ہے صحیح قول کے مطابق، البتہ اگر ایک آیت سے کم پڑھنے کا مقصد تلاوتِ قرآن نہ ہو، مثلاً شکریہ کے طور الحمد للہ کہنا یا کھانے وغیرہ کے وقت بسم اللہ کہنا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

سوال کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کیا ہر حال میں گناہ ہے؟ (محمد افضل، جدہ)

جواب صحیح اسلامی طریقہ تو یہی ہے کہ بیٹھ کر پیشاب سے فراغت حاصل کی جائے اور پھر ڈھیلا، پانی یا دونوں سے پاکی حاصل کی جائے، لیکن اگر کسی وجہ سے بیٹھنا دُشوار ہو تو بدرجہ مجبوری کھڑے ہو کر بھی پیشاب کیا جا سکتا ہے، اس صورت میں بھی صفائی اور پاکی کا خاص اہتمام کیا جائے، ناپاک قطرے بدن یا کپڑے پر لگنے نہ پائیں۔

ویکره ان یبول قائما او مضطجعا او متجردا عن ثوبه من

---

(۱) هندية ۳۸/۱

غیر عذر، فإن کان بعذر فلا بأس به . (۱)

اور یہ مکروہ ہے کہ آدمی بغیر کسی عذر کے کھڑے ہو کر یا ٹیک لگا کر یا برہنہ ہو کر پیشاب کرے، ہاں اگر کوئی عذر ہو تو پھر حرج نہیں۔

تلاوت کی کیسٹ بے وضو چھونا

سوال قرآن پاک اور احادیث کی کتب کو بلا وضو چھونا مناسب نہیں ہے، لیکن کیا قرآن کی تلاوت کے آڈیو کیسٹ کو بھی بلا وضو چھونا بے ادبی و نامناسب ہے؟

جواب وہ کیسٹ جن میں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے، ان کو بلا وضو چھونا خلافِ ادب ہے، ان کیسٹوں کا احترام ضروری ہے، بلا وضو انھیں نہیں چھونا چاہئے، لیکن کیسٹ کے اُوپر پلاسٹک کور کی حیثیت غلاف کی ہے، کور (Cover) کو چھونا اور پکڑنا جائز ہے اور پکڑا جا سکتا ہے۔ (۲)

وضو کے بعد آئینہ دیکھنا

سوال وضو کرتے وقت یا وضو کر کے آئینہ دیکھنے سے کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟ وضو کے وقت سر پر دوپٹہ نہ ہو تو کیا وضو صحیح ہے؟ اکثر عورتیں نماز کے بعد سر سے دوپٹہ اُتار دیتی ہیں اور غلط باتیں اور قہقہے بھی لگاتی ہیں، کیا ان کی دوسری نماز سابقہ وضو سے ہو سکتی ہے؟ اور کیا وضو کرنے کے بعد میک اَپ کیا جا سکتا ہے؟

جواب آئینہ دیکھنے، سر سے دوپٹہ اُتارنے یا باتیں کرنے اور قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ بعض فقہاء کے نزدیک نماز کی حالت میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کبیری میں ہے:

فالقهقهة فی الصلوٰة ذات الرکوع و السجود تنقض الوضوء

---

(۱) هندية ۱/ ۵۰

(۲) جدید فقهی مسائل ۱/ ۳۳

والصلوۃ جمیعًا ، سواء کان عامدًا أو ناسیًا .(۱)

رکوع اور سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جاتی ہیں، خواہ جان بوجھ کر لگایا ہو یا بھولے سے۔

اور جب تک وضو برقرار رہے ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، اگرچہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرلینا مستحب اور بہتر ہے۔

إن النبی کان یتوضأ لکل صلوۃ طاھرًا أو غیر طاھر . (۲)

نبی ﷺ ہر نماز کے لئے خواہ پاک ہوں یا ناپاک وضو فرماتے تھے۔

وضو سے پہلے یا بعد میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے عورتوں کو زیب و زینت اختیار کرنے (میک اَپ کرنے) کی گنجائش ہے، لیکن ایسی چیز استعمال نہ کرنی چاہئے جس میں حرام یا ناپاک چیزوں کی آمیزش کا شبہ ہو، لپ اسٹک کے بارے میں بعض حضرات کی تحقیق سامنے آئی ہے کہ اس میں خنزیر کی چربی ملائی جاتی ہے، لہٰذا اس طرح کی لپ اسٹک سے احتیاط بہتر ہے۔

کیا ران پر نظر پڑنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال بہت سے لوگ وضو کرتے ہوئے رانوں تک کپڑا اُٹھالیتے ہیں، اگر اس پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ (عامل، جدہ)

جواب ران کا حصہ ستر میں شامل ہے اور اس کا چھپانا ضروری ہے، لیکن اس پر اپنی یا کسی کی نظر پڑ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، لہٰذا دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

غسل جنابت کا طریقہ

سوال غسل جنابت کیسے کیا جائے؟ کیا غسل سے پہلے استنجاء اور وضو کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب غسل کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے جائیں، پھر اگر بدن پر

---

(۱) کبیری ۱۳۹

(۲) ترمذی عن انس ، باب الوضوء لکل صلاۃ ، کتاب الطھارۃ ، حدیث ۵۸

کہیں نجاست وغیرہ لگی ہے تو اسے صاف کیا جائے، استنجا کیا جائے پھر وضو کرے اور اس کے بعد غسل کرے، غسل کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہ جائے۔ غسل اگر واجب ہو چکا ہے تو غسل سے پہلے صرف استنجاء وغیرہ کر کے نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔

غسل کے بعد دوبارہ وضو

سوال کیا غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے؟ (ولی محمد خاکسار، جدہ)

جواب غسل کا بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے وضو کریں، پھر سارے بدن پر پانی بہائیں، لیکن اگر غسل سے پہلے وضو نہ بھی کیا جائے تو چوں کہ غسل میں سارے بدن پر پانی بہایا جاتا ہے، اس لئے غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یاد رکھیں کہ غسل اگر فرض ہے تو اس طرح غرارہ کرنا کہ پانی حلق تک پہنچ جائے، ناک کی اندرونی ہڈی تک پانی کا پہنچانا اور پورے جسم پر ایک بار پانی بہانا لازم ہے، ورنہ غسل نہ ہوگا۔

و إذا توضأ اوّلا لایأتی به ثانیا بعد الغسل فقد اتفق العلماء علی أنه لایستحب وضوء ان. (۱)

اگر پہلے وضو کرلیا تو دوبارہ غسل کے بعد نہ کرے، علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دو وضو مستحب نہیں ہے۔

غسل ضروری نہیں

سوال رفع حاجت کے وقت پیٹ اگر سخت ہو تو منی نکل جاتی ہے، اس صورت میں کیا غسل کرنا ضروری ہے؟ (کمال خاں، جدہ)

جواب: خروجِ منی شہوت اور انتشار کے ساتھ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے، اگر بلا کسی شہوت کے بیماری کی وجہ سے، پیٹ کی سختی یا جسم پر بوجھ اور دباؤ پڑنے کی وجہ سے منی نکل جائے تو اس صورت میں غسل ضروری نہیں، صرف ناپاک حصہ کو دھو لینا ہی کافی ہے۔

رجل بال فخرج من ذکرہ منی ان کان منتشرا فعلیه الغسل و إن

(۱) البحر الرائق ۱/۵۲

كان منكسرا فعليه الوضوء . (۱)

کسی نے پیشاب کیا اور اس کے آلۂ تناسل سے منی خارج ہوگئی تو اگر اس کا آلۂ تناسل منتشر ہے تو اس پر غسل کرنا ضروری ہے اور اگر آلۂ تناسل (منتشر نہیں ہے بلکہ) منکسر ہے تو اس پر صرف وضو لازم ہے۔

غسل میں سر کا دھونا

سوال حالتِ جنابت کے بعد کیا عورت کا غسل کرتے ہوئے سر دھونا بھی ضروری ہے؟ (محمد عثمان، دمام)

جواب عورت کو صرف اس قدر اجازت ہے کہ اس کے بال اگر گندھے ہوئے ہوں تو ان کا کھولنا اور تمام بالوں کا تر کرنا ضروری نہیں، بلکہ بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچا دینا کافی ہے اور اگر بال کھلے ہوئے ہیں تو تمام بالوں کا تر کرنا ضروری ہے۔

عن أُم سلمة قالت قلت يا رسول الله ﷺ انى امرأة اشد ضفر راسى أفأنقضه لغسل الجنابة ؟ قال لا انما يكفيك أن تحثى على رأسك ثلث حثيات من ماء ثم تفيضى على سائر جسدك الماء فتطهرين (۲)

اُم سلمہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ایسی عورت ہوں کہ اپنے سر کے بال کا جوڑا بناتی ہو، کیا غسل جنابت کے لئے اسے میں کھول لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں! تمہارے لئے اتنا کر لینا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہالو، پھر اپنے پورے جسم پر پانی ڈال لو، تم پاک ہو جاؤ گی۔

لیکن غسل جنابت میں سر بہر حال دھونا ہے۔

ایام میں کھانا پکانا

سوال کیا عورت ایامِ ماہواری میں کھانا پکا سکتی ہے؟ (شفیق احمد، جدہ)

---

(۱) هندية ۱/۱٤

(۲) ترمذى عن ام سلمةؓ ، كتاب الطهارة ، حديث ۱۰۵ ، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل ؟

جواب عورت ماہواری کے ایام میں کھانا بھی پکا سکتی ہے اور سارے کام کاج بھی کر سکتی ہے۔صرف نماز، روزہ، تلاوت اور مسجد الحرام سمیت کسی بھی مسجد میں داخل ہونا منع ہے اور اسی طرح وظیفہ زوجیت بھی ممنوع ہے۔(۱)

مہندی لگانے کا حکم

سوال کیا حیض ونفاس والی عورت ہاتھ پاؤں پر مہندی لگا سکتی ہے؟

جواب لگا سکتی ہے،کوئی قباحت نہیں،قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی ہے۔

استعمال شدہ پانی کا حکم

سوال اگر غسل واجب ہو اور نہاتے وقت جسم سے پانی کی چھینٹیں کپڑوں پر پڑ جائیں یا بالٹی کے پانی میں گر جائیں تو کپڑے اور پانی پاک سمجھے جائیں گے یا ناپاک؟ (الف۔گ۔ل،تبوک)

جواب نجاست دو طرح کی ہوتی ہے،ایک وہ جو ظاہری ہوتی ہے، جیسے بول و براز اور خون وغیرہ اور دوسرے باطنی نجاست، جس میں ظاہر میں تو کوئی ناپاکی یا گندگی نہیں ہوتی لیکن ازروئے شریعت اس پر ناپاکی کا حکم لگایا جاتا ہے، جیسے احتلام یا بیوی سے صحبت و تعلق کے بعد سارے جسم کا ناپاک ہو جانا یا کسی ناقض وضو کے پیش آنے کی وجہ سے وضو کا ٹوٹ جانا اور وضو کرنے تک آدمی کا ناپاک رہنا، ظاہر ہے غسل واجب ہونے کی صورت میں بظاہر آدمی کے سارے جسم پر کوئی ناپاکی یا نجاست لگی نہیں رہتی، اسی طرح اعضاءِ وضو پر بھی کوئی ظاہری نجاست نہیں ہوتی، لیکن شریعت نے انھیں ناپاک قرار دیا اور وضو و غسل کے ذریعہ پاکی کا حکم دیا۔

ظاہری نجاست دور کرنے کے لئے جو پانی استعمال کیا جائے وہ بہر حال ناپاک ہوتا ہے، جیسے بدن یا کپڑوں پر خون یا پیشاب وغیرہ لگا ہوا ہے، پھر اسے پانی سے دھو کر پاک کیا گیا اور وہ استعمال شدہ پانی کسی جگہ جمع ہو گیا تو وہ ناپاک سمجھا جائے گا، بے احتیاطی سے وہ کسی پاک پانی میں پڑ جائے یا پاک کپڑوں پر یا بدن پر پڑ جائے تو وہ پانی نیز بدن اور کپڑوں

(۱) المغنی ۱/۱۸۸ ، نیز ملاحظہ ہو : الفتاویٰ الھندیہ ۱/۳۸-۳۹ ، احکام الحیض و النفاس

کا اتنا حصہ ناپاک ہو جائے گا، اس لئے کہ نجاستِ ظاہری کے ازالہ کی وجہ سے وہ استعمال شدہ پانی بھی ناپاک ہو گیا، لیکن جس پانی سے باطنی نجاست دور کی جائے یعنی جو وضو یا غسل میں استعمال کیا جائے (چاہے غسل واجب ہو) وہ پانی پاک ہی رہتا ہے، ناپاک نہیں ہوتا (البتہ اس سے دوبارہ پاکی حاصل نہیں کی جاسکتی) لہٰذا نہاتے وقت جسم سے پانی کی چھینٹیں کپڑوں پر پڑ جائیں یا پاک پانی میں گر جائیں تو اس سے کپڑے یا پانی ناپاک نہیں ہوتے، البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے جسم سے ظاہری نجاست دور کر دی جائے اور غسل کا بہتر طریقہ بھی یہی ہے کہ جسم پر اگر ظاہری نجاست لگی ہو (جیسے منی وغیرہ) تو پہلے اس حصے کو دھو کر پاک کر لیا جائے، پھر سارے بدن سے پانی بہایا جائے، اب یہ پانی ناپاک سمجھا جائے گا(۱)

مونچھ پانی میں ڈوب جائے

سوال پانی پیتے وقت اگر مونچھ پانی میں ڈوب جائے تو کیا پانی ناپاک اور اس کا پینا حرام ہو جاتا ہے؟ اسی طرح انگلیوں کے ناخن پانی میں ڈوب جائیں تو کیا حکم ہے؟ (یوسف قاضی، مکہ مکرمہ)

جواب مونچھ کے بال اور ناخن تراشنا اُمورِ فطرت میں سے ہے، ان کو بڑھانا پسندیدہ نہیں، اگر یہ پانی میں ڈوب جائیں تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، البتہ اتنے زیادہ بال یا ناخن بڑھانا مکروہ ضرور ہے، اس لئے کہ مونچھیں بڑھانا اور بڑی، لمبی اور طویل مونچھیں رکھنا مجوسیوں کی نشانی ہے، اس لئے اتنی لمبی مونچھیں نہیں رکھنی چاہئے کہ پانی پیتے وقت مونچھ پانی میں ڈوب جائیں۔ مسلمانوں کو اپنے حبیب ﷺ کی متابعت ومحبت میں داڑھی رکھنی چاہئے اور مونچھیں کتروانی چاہئے۔ مونچھیں لمبی رکھنا ناپسندیدہ عمل تو ہے ہی، اس سے انسانی ہیئت بھی بگڑ جاتی ہے۔

بلی کا جھوٹا پاک ہے

سوال پانی کی ٹنکی یا پانی کے برتن میں بلی اگر منہ ڈال دے یا پانی پی جائے تو ایسا پانی درست ہے یا اسے بہا دینا چاہئے؟ کیوں کہ پتہ نہیں کہ بلی نے کیا کھایا

---

(۱) المغنی ۳۰/۱، بدائع الصنائع ۲۱۲/۱ ط: بیروت

ہے؟حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔ (م۔ع،جدہ)

جواب پانی میں بلی یا ایسے جانور منہ ڈال دیں جو عام طور پر گھروں میں رہتے ہوں اوران سے بچنا مشکل ہو، جیسے چوہا، چھپکلی، مرغیاں وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے، پانی میں ان کے منہ ڈال دینے یا پانی پی لینے سے باقی پانی ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ اس کا استعمال درست ہے، البتہ بلی نے چوہا کھا کر یا مرغ وغیرہ نے گندگی کھا کر فوراً پانی میں منہ ڈال دیا ہو تو پانی ناپاک سمجھا جائے گا(۱)— (سوائے اس کے کہ پانی کی ٹنکی یا حوض وغیرہ بڑا ہو) پتہ نہیں کہ بلی نے کیا کھایا؟ صرف اس وہم کی بناء پر پانی ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ یقین یا کم از کم غالب گمان نہ ہو جائے۔ابن قدامہ مقدسی جانور کے جھوٹے کے سلسلہ میں امام احمد کی رائے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

السنور و ما دونها في الخلقة كالفارة و ابن عرص فهذا و نحوه من حشرات الارض سؤره طاهر ، يجوز شربه و الوضوء به و لا يكره و هذا قول أكثر أهل العلم . (۲)

بلی اوراس جیسے چھوٹے جانور جیسے چوہا، نیولا وغیرہ کا جھوٹا پاک ہے،اس کا پینا اوراس سے وضو کرنا جائز ہے، اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے۔

البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس قسم کے جانوروں کے جھوٹے پانی کے استعمال سے پرہیز کیا جائے ، کیوں کہ ناپاکی کے علاوہ بعض جانوروں کے جسم میں غلاظت یا زہریلے اثرات بھی پائے جاسکتے ہیں، مثلاً چھپکلی اور چوہا وغیرہ ،لہٰذا اس قسم کے پانی کو استعمال نہ کیا جائے خصوصاً چھپکلی کا جھوٹا کہ یہ ایک زہریلا جانور ہے۔

مسواک کی فضیلت اوراس کے اوقات

سوال مسواک کرنا سنت ہے، مگر کئی لوگ چلتے پھرتے ، اُٹھتے بیٹھتے ، گاڑی میں، بس میں مسواک کرتے رہتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو مسواک کن اوقات میں کرنا چاہئے؟ (ارشد محمود، جدہ)

---

(۱) کبیری ۱۶۷ (۲) المغنی ۱/ ۴۵

جواب مسواک کرنے کی بہت زیادہ تاکید صحیح احادیث میں منقول ہے، ایک روایت میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

السواك مطهرة للفم مرضاة للرب . (۱)

مسواک منہ کو پاک کرنے اور رب کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔

اور ایک روایت میں جسے اکثر محدثین نے روایت کیا ہے، رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے "اگر مجھے اپنی اُمت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا" یعنی اسے واجب وضروری قرار دیتا(۲) — بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ "ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا" اسی تاکید کی بناء پر تقریباً اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ مسواک کرنا نہ صرف مستحب ہے، بلکہ "سنتِ موکدہ" ہے۔ ایک حدیث میں مسواک کو اُمورِ فطرت میں شمار کیا گیا ہے(۳) رسولِ کریم ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ "رسول اللہ ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کیا کرتے؟" اُم المومنین نے جواب دیا "مسواک"(۴)۔ اسی طرح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی آپ مسواک فرماتے تھے۔ علامہ شوکانیؒ نے "نیل الاوطار" میں امام نوویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسواک کرنا تمام اوقات میں مستحب ہے، لیکن پانچ وقتوں میں اس کا استحباب زیادہ ہے یعنی ان اوقات میں اس کا اہتمام زیادہ کیا جانا چاہئے (۱) نماز کے وقت، چاہے نماز پڑھنے والے نے پانی سے پاکی حاصل کی ہو یا مٹی سے، یا وہ پاکی ہی حاصل نہ کرسکا ہو، جیسے وہ شخص جو نہ پانی پائے اور نہ (تیمم کے لئے) مٹی (۲) وضو کے وقت (۳) قرآن کی تلاوت کے وقت (۴) نیند سے

---

(۱) مسند احمد ۶/ ۴۷ ، نسائی عن عائشہ ، باب الترغیب فی السواك ۱/ ۴۰۵ ، فی الکبری ۱/ ۱۰ فی الصغری

(۲) ترمذی عن أبی ہریرۃ ، باب ماجاء فی السواك ، نسائی عن أبی ہریرۃ ، باب ماجاء فی السواك

(۳) ابو داؤد عن عائشۃ ، باب السواك من الفطرۃ ، کتاب الطهارة

(۴) نسائی عن المقدام ، باب السواك فی کل حین ، ابواب الطهارة

بیدار ہونے کے بعد (۵) تغیر فم یعنی منہ کی حالت بدلنے اور اس میں بو پیدا ہونے کے بعد اور تغیر فم چند اسباب سے ہوتا ہے، اس میں (طویل وقت تک) کھانا پینا چھوڑ دینا یا ایسی کوئی چیز کھانا جس کی بو ناپسندیدہ ہو یا بہت دیر تک خاموش رہنا اور اسی طرح اس میں کثرتِ کلام بھی شامل ہے، ان تمام حالات میں مسواک کے استحباب پر دلائل موجود ہیں۔ (۱)

مسواک کا ظاہری فائدہ اور ایک اہم مقصد منہ کی صفائی اور اس کی پاکی ہے، لہٰذا ہر ایسے وقت مسواک کرنا پسندیدہ و مستحب ہے، جس وقت کہ منہ میں کسی بھی سبب سے بو پیدا ہو جائے، تاکہ اس ناپسندیدہ بو کی وجہ سے سامنے والے کسی انسان یا فرشتوں کو تکلیف و اذیت نہ ہو۔ مذکورہ بالا اوقات میں اس کا اہتمام زیادہ ہونا چاہئے، بالخصوص وضو کے وقت، کیوں کہ وضو کی ایک اہم سنت مسواک ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کی مسواک کے سلسلے میں سخت ترین تاکید کے باوجود اکثر لوگ اس سے غافل ہیں اور اس کا اہتمام نہیں کرتے، اس سنت نبوی کو زندہ رکھنے کی اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

ہر نماز کے وقت استنجاء

سوال کیا ہر نماز کے وقت وضو کے ساتھ استنجا کرنا ضروری ہے، جب کہ آدمی نے کوئی حاجت وغیرہ نہ کی ہو یا صرف وضو کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

(سید واجد علی شاہ، پیٹنہ)

جواب ہر نماز کے وقت استنجاء ضروری نہیں، یہ صرف قضاءِ حاجت کے بعد ضروری ہے، صرف وضو کر کے پانچوں نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں، بلکہ اگر آدمی باوضو ہو تو ہر نماز کے وقت وضو کرنا بھی ضروری نہیں، البتہ باوضو ہونے کی صورت میں بھی ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا مستحب ہے، اگر کوئی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کی نماز درست ہے۔

کیا مجھے نماز روزے لوٹانے ہوں گے؟

سوال اِدھر چند دنوں سے میری پیشاب کی نالی سے زرد قسم کا پانی خارج ہوتا ہے، جس کی وجہ سے نماز، روزوں کے بارے میں شک میں پڑ گیا ہوں، باوجود

(۱) نیل الاوطار ۱۲۴/۱، باب السواك ط: مصر

یہ کہ اچھی طرح وضو کر لیتا ہوں اور پہنا ہوا کپڑا بھی دھولیتا ہوں، پھر بھی شک رہتا ہے کہ آیا میری نماز اور روزہ دُرست ہے یا نہیں؟ اگر یہ دُرست نہیں تو کیا تندرستی کے بعد مجھے دوبارہ نماز قضا کرنی ہوگی اور روزے بھی دوبارہ رکھنے ہوں گے؟ نیز اس وقت کیا مجھے ہر نماز کے لئے غسل کرنا پڑے گا؟ (تنہا خنک، جدہ)

جواب چوں کہ یہ مرض اور بیماری کی وجہ سے ہے، اس لئے ہر نماز کے وقت غسل واجب نہیں، البتہ یہ چیز ناپاک ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ہر نماز کے وقت وضو کرلیں اور پاک صاف کپڑوں میں نماز ادا کرلیں۔ اسی طرح کے مسئلہ میں نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا کو حکم دیا تھا کہ :

توضئی لوقت کل صلوٰۃ . (۱)

ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرلیا کرو۔

ابن قدامہ نے بھی یہی لکھا ہے :

والمبتلٰی بسلس البول و کثرۃ المذی فلاینقطع کالمستحاضۃ یتوضا لکل صلوٰۃ بعد أن یغسل فرجہ . (۲)

سلسل البول اور کثرتِ مذی کے مریض کا وضو مستحاضہ کی طرح نہیں ٹوٹے گا، وہ ہر نماز کے وقت اپنی شرم گاہ دھولے اور وضو کر کے نماز پڑھ لے۔

احناف کا بھی اس مسئلہ میں یہی مسلک ہے کہ ''معذور'' شخص ہر نماز کے لئے وضو کرے گا اور نماز کا وقت نکلتے ہی اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، چنانچہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں :

وحکمہ ان یتوضأ لکل فرض ثم یصلی فیہ فرضاً و نفلاً فاذا خرج الوقت بطل . (۳)

(۱) معانی الآثار للطحاوی عن عائشۃؓ، باب المستحاضۃ کیف تتطہر للصلوٰۃ

(۲) المغنی ۲۰۶/۱

(۳) تنویر الابصار مع الدرالمختار علی ھامش الرد ۲۰۲-۳/۱

اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے لئے وضو کرے، پھر اس وقت فرض نفل جو چاہے پڑھے لیکن وقت کے نکلتے ہی وضو باطل ہو جائے گا۔

البتہ یاد رہے کہ وضو سے نماز اُسی وقت دُرست ہوگی جب کہ دوسرے نواقض وضو نہ پیش آئے ہوں، لہٰذا آپ نے جو صورت دریافت کی ہے، اس خاص صورت میں آپ کی نماز اور روزے دُرست ہیں، خواہ مخواہ شک میں پڑنے کی ضرورت نہیں، روزوں کے دُرست ہونے کے لئے تو ویسے بھی پاک ہونا ضروری نہیں۔

پاک و ناپاک کپڑوں کی دُھلائی

سوال ناپاک کپڑوں کو پاک کپڑوں کے ساتھ واشنگ مشین میں دھویا جائے تو کیا پاک کپڑے بھی ناپاک ہو جائیں گے؟ اور پھر صاف پانی میں ایک بار نکال کر خشک کرنے سے پاک سمجھے جائیں گے؟ نیز اس پانی کی چھینٹیں اگر خود کو لگ جائیں تو کیا حکم ہے؟ (الف۔گ۔ل، تبوک)

جواب ایک ہی پانی میں پاک کپڑوں کے ساتھ ناپاک کپڑوں کو بھی ڈال دیا جائے تو پانی اور تمام کپڑے ناپاک ہو جائیں گے، یہ ناپاک پانی اگر جسم پر پڑ جائے تو وہ حصہ جسم بھی ناپاک سمجھا جائے گا، اسے دھونا اور پاک کرنا ضروری ہوگا، اسی طرح تمام کپڑوں کو تین مرتبہ صاف پانی میں ڈال کر ہر مرتبہ نچوڑنا (یا مشین کے ذریعہ خشک کرنا) ضروری ہوگا، ایک مرتبہ سے کپڑے پاک نہیں ہوں گے۔

ایام میں روزے

سوال شروع شروع ناپاکی کے ایام میں، میں نے روزے بھی رکھے اور قرآن کی تلاوت بھی کی، جب کہ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ ان دنوں میں قرآن کو چھونا بھی جائز نہیں، مجھ پر اس غلطی کا کیا کفارہ ہے؟ (فریدہ بانو، بدہ)

جواب توبہ واستغفار کریں، چوں کہ لاعلمی اور جہالت میں آپ نے ایسا کیا، اس لئے انشاء اللہ اس پر مواخذہ نہ ہوگا، نیز کوئی کفارہ بھی واجب نہیں، اس لئے کہ اس قسم کی جہالت اور لاعلمی شریعت کی نگاہ میں قابلِ مواخذہ نہیں ہے، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں نقل کیا گیا ہے:

الجهل بالتحريم مسقط للاثم ...... وان علم ان جنس الكلام يحرم ولم يعلم ان التنحنح والمقدار الذى نطق به محرم فمعذور فى الأصح . (١)

کسی چیز کی حرمت سے ناواقفیت گناہ کو ختم کرنے والی ہے ...... اگر کسی کو معلوم ہے کہ نماز میں باتیں کرنا حرام ہے، لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ کھانسنا اور اس کی وہ مقدار جس سے آواز بن جاتی ہے، حرام ہے تو وہ صحیح قول کے مطابق معذور سمجھا جائے گا۔

مہندی اور پینٹ کے بعد وضو غسل

سوال کوئی شخص غسل فرض ہونے کے بعد بالوں میں مہندی لگائے، پھر بال لال ہونے کے بعد غسل کرے تو کیا غسل صحیح ہوگا؟ نیز عورتیں ناپاکی کے ایام میں ناخنوں پر نیل پالش لگائیں اور پھر اسے صاف کئے بغیر غسل کرلیں تو کیا پاکی حاصل ہوجائے گی؟ (اختر بانو، جیز ان)

جواب بالوں میں مہندی لگانے کی صورت میں تو غسل صحیح ہے، کیوں کہ مہندی کی سرخی پانی کے پہنچنے میں مانع نہیں، یہی حکم عورتوں کے لئے ہاتھ پیر پر مہندی لگانے کا ہے، البتہ ناخن پر پینٹ و نیل پالش ہو تو چوں کہ اس سے ناخن تک پانی نہیں پہنچ پاتا، اس لئے اس کو دور کئے بغیر نہ وضو دُرست ہوگا اور نہ غسل۔ (٢)

ایام کی مدت

سوال عورتوں کے لئے ماہانہ ناپاکی کے ایام کی مدت کتنی ہے؟ نیز ولادت کے کتنے دن بعد عورت پاک سمجھی جائے گی؟ ہمارے یہاں چالیس دن کا رواج ہے، چالیس دن تک عورت ناپاک سمجھی جاتی ہے، کیا یہ دُرست ہے؟ اسی طرح ناپاکی کے ایام میں عورت کے ہاتھ سے پکا ہوا کھانا پینا جائز ہے یا

---

(١) الموسوعه الفقهيه ٢٠١/١٧ ، ماده جهل ط : وزارة الأوقاف والشئون الاسلاميه كويت

(٢) دیکھئے : جدید فقہی مسائل ٨٧ ط : دیوبند

نہیں؟ (مجتبیٰ صدیقی، مکہ مکرمہ)

جواب ایام کی کم سے کم مدت تین دن تین رات اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے (۱) —— یعنی تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ اگر کسی کو خون آئے تو اسے حیض نہیں بلکہ ''استحاضہ'' کہتے ہیں (۲) مستحاضہ عورت شرعاً ناپاک نہیں سمجھی جاتی اور اس کے لئے نماز روزہ معاف نہیں، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر نماز کے وقت ظاہری نجاست کو دور کر کے اور وضو کر کے نماز پڑھے، پھر تین دن اور دس دن کے درمیان عورتوں کی عادت مختلف ہوتی ہے اور عادت میں تبدیلی بھی ہوسکتی ہے، جو شرعاً معتبر ہے، ولادت کے بعد عورت کی ناپاکی کی کم سے کم کوئی مدت متعین نہیں، وہ چند گھنٹے بھی ہوسکتی ہے اور چند دن بھی، البتہ زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے (۳) — یہ خیال صحیح نہیں کہ عورت ہر صورت میں چالیس دن ناپاک سمجھی جائے گی، بلکہ جب بھی خون کی آمد رک جائے، شرعاً عورت پاک سمجھی جائے گی، اس کو غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھنا ضروری ہوگا، البتہ چالیس دن سے بھی زیادہ اگر کوئی عورت ناپاکی محسوس کرے تو شرعاً چالیس دن کے بعد وہ پاک تصور کی جائے گی، اس کو غسل کر کے نماز شروع کر دینا ہوگا اور چالیس دن کے بعد کی ناپاکی کو ''استحاضہ'' شمار کیا جائے گا، ناپاکی کے ایام میں عورت کے ساتھ بات چیت، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا سب جائز ہے، البتہ شوہر کے لئے ایسی عورت سے صحبت جائز نہیں جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائے۔ (۴)

تیمّم کا طریقہ

سوال تیمّم کا طریقہ کیا ہے اور تیمّم کی نیت کس طرح کرنی چاہئے؟ نیز کیا تیمّم میں نیت کے علاوہ بھی کچھ پڑھنا چاہئے؟ (قمر خان، طائف)

جواب تیمّم وضو کا بدل اور نائب ہے، پانی نہ ہونے یا شدید بیماری وغیرہ کی وجہ سے وضو پر قدرت نہ ہو تو شریعت نے وضو کی جگہ تیمّم کی اجازت دی ہے، تیمّم میں زبان سے نیت کرنا یا

---

(۱) الفقه الاسلامی و أدلته ۴۵۹/۱ (۲) الفقه الاسلامی و أدلته ۴۶۰/۱

(۳) الفقه الاسلامی و أدلته ۴۶۶/۱ (۴) الفقه الاسلامی و أدلته ۴۷۲/۱

کچھ پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ صرف دل میں یہ ارادہ کرنا کافی ہے کہ "میں پاکی حاصل کرنے (یا نماز وقرآن وغیرہ پڑھنے) کے لئے تیمم کر رہا ہوں" أن ينوى عبادة مقصودة (۱) — اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دیوار یا مٹی پر مار کر چہرہ پر پھیر لیں، پھر اسی طرح دوسری مرتبہ ہاتھ مٹی پر مار کر کہنیوں تک دونوں ہاتھ پر پھیر لیں، بس یہی تیمم ہے، اس سے زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ اس کا خیال رہے کہ چہرہ یا دونوں ہاتھ کے کہنیوں تک کا کوئی حصہ خالی نہ رہے، تمام حصوں پر ہاتھ پھیرا جائے۔ (۲)

◆◆◆

---

(۱) هنديه ۲۵/۱ التيمم

(۲) المغنى ۱/ ۵۶-۱۵۵ ، نیز ملاحظہ ہو: الفتاوى الهنديه ۲۶/۱ ، الفصل الأول من الباب الرابع في التيمم كتاب الطهارة

تیسرا باب

نماز

نماز کی فرضیت

سوال نماز کتنے سال کی عمر سے فرض ہو جاتی ہے؟ (محمد ندیم، طائف)

جواب نماز اور دیگر احکامِ شریعت کا مکلف کوئی بھی شخص بالغ ہونے کے بعد سے ہوتا ہے، لہٰذا نماز بھی بالغ ہونے کے بعد ہی سے فرض ہوتی ہے، لیکن نماز کی اہمیت، اس کی تعلیم اور بلوغت کے بعد عمدگی اور پابندی سے ادائیگی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے والدین کو حکم دیا کہ وہ اپنی اولاد کو اسی وقت سے نماز پڑھنے کا حکم دیں جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور دس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی اگر نماز نہ پڑھیں تو ان کو ماریں اور تنبیہ کریں، جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی موجود ہے۔(۱)

نماز وقت پر پڑھنا فرض ہے

سوال میرے کچھ ساتھی دو بجے رات ہی سحری کھا کر سو جاتے اور صبح آٹھ بجے اُٹھ کر نمازِ فجر پڑھا کرتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کی نماز درست نہیں، لیکن وہ کہتے ہیں کہ نماز ترک کرنا گناہ ہے، تاخیر سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(محبوب الرحمٰن، ریاض)

جواب نماز اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور یہ اپنے وقت پر فرض ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

ان الصلاة كانت على المؤمنين كتابا موقوتاً ۔ (نساء ۱۰۳)

---

(۱) ترمذی ، باب ماجاء متی یؤمر الصبی بالصلاۃ / کتاب الصلاۃ حدیث ٤٠٧ ، ابوداؤد / کتاب الصلاۃ / باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ ، حدیث ٤٩٤

بے شک نماز مؤمنین پر اپنے مقررہ وقتوں میں فرض ہے۔

بعض احادیث سے اوّلِ وقت نماز پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، بلا کسی شرعی عذر کے اخیر وقت تک نماز کو مؤخر کرنا مناسب نہیں، نماز کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کرنا کہ اس کا وقت ہی نکل جائے کسی طرح جائز نہیں اور یہی تو نماز کا ترک کرنا ہے، بعد میں جو نماز پڑھی جائے وہ ''قضاء'' ہوتی ہے نہ کہ ''ادا'' شریعت میں بلا عذر کے جماعت چھوڑنے کی اجازت نہیں، تو وقت نکلنے تک نماز کو مؤخر کرنے کی کس طرح اجازت ہوگی؟ شرح السنہ میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں:

لایؤخر الصلاة لطعام ولا لغیره. (۱)

رسول اللہ ﷺ نہ کھانے کے لئے نماز کو مؤخر کرتے اور نہ کسی اور وجہ سے۔

ترکِ جماعت کے سلسلے میں رسولِ کریم ﷺ کے یہ ارشادات بھی ملاحظہ کیجئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلاة التی صلی. (۲)

جو شخص اذان کہنے والے (یعنی مؤذن) کی اذان سنے اور مؤذن کی تابعداری (یعنی مسجد پہنچ کر جماعت میں شریک ہونے) سے اسے کوئی عذر نہ روکے، لوگوں نے پوچھا کہ عذر کیا ہے؟ فرمایا کہ (دشمن وغیرہ سے) خوف یا بیماری، تو اس کی نماز بغیر جماعت کے مقبول نہیں ہوتی۔

اسی طرح بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن ابی هریرة ان رسول اللّٰه ﷺ قال والذی نفسی بیده لقد هممت أن آمر بحطب لیحطب ثم آمر بالصلاة فیؤذن لها ثم آمر

---

(۱) شرح السنة ۳/ ۳۵۷، باب البراءة بالطعام اذا حضر وان أقیمت الصلاة

(۲) ابوداؤد عن ابن عباس، باب التشدید فی ترک الجماعة، نیز ملاحظه هو: ترمذی، باب ماجاء فی فضل الجماعة

رجلا فيؤم الناس ثم اخالف الى رجل فأحرق عليهم بيوتهم . (۱)

سیدنا ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے یہ ارادہ کیا کہ حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کی جائیں، پھر نماز کا حکم دوں اس کی اذان دی جائے، پھر ایک شخص سے کہہ دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان کو پیچھے چھوڑ کر ان لوگوں کے پاس جاؤں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے)، ان کے گھر جلا دوں۔

اس سلسلے میں اور بھی روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ بلا عذر شرعی جماعت چھوڑنا بھی جائز نہیں چہ جائے کہ نماز کو ترک کر دیا جائے اور وقت نکلنے کے بعد قضاء پڑھنے کا معمول بنا لیا جائے، ہاں بلا ارادہ واختیار کے کبھی نیند کے غلبہ سے آنکھ نہ کھلے اور نماز قضاء ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، صبح سویرے اُٹھنے میں آسانی کے لئے ہی عشاء کے بعد جلد سو جانے کی احادیث میں تاکید کی گئی ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا رات بھر عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ مؤطا امام مالک کی روایت ہے، ابوبکر بن سلیمان ابن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز میں (میرے والد) سلیمان ابن ابی حثمہ کو نہیں پایا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جب صبح کو بازار جانے لگے تو سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا، اس لئے وہ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آج میں نے سلیمان کو فجر کی نماز میں نہیں دیکھا؟ سلیمان کی والدہ کہنے لگیں کہ سلیمان نے آج پوری رات نماز پڑھنے میں گذار دی اور صبح ہوتے ہوتے ان کی آنکھ لگ گئی (اس لئے وہ نمازِ فجر میں حاضر نہ ہو سکے) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لأن اشهد صلاة الصبح في جماعة أحب الى من أن أقوم ليلة . (۲)

میں صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لینا رات بھر (عبادت کے لئے) کھڑے

---

(۱) صحيح البخاري، باب وجوب صلاة الجماعة، كتاب الأذان، حديث ٦٤٤

(۲) مشكوة المصابيح عن ابي بكر بن سليمان، باب الجماعة وفضلها، الفصل الثالث

رہنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

اس حدیث سے نمازِ فجر با جماعت پڑھنے کی اہمیت وفضیلت معلوم ہوتی ہے کہ سلیمان رضی اللہ عنہ رات بھر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے اور نماز پڑھتے رہے، مگر صبح ہوتے ہوتے آنکھ لگ جانے کی وجہ سے چوں کہ وہ فجر کی جماعت میں شریک نہ ہوسکے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی والدہ سے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ کوئی فضیلت کی بات نہیں کہ رات بھر عبادت کی جائے مگر فجر کی جماعت چھوڑ دی جائے، بہر حال صبح آٹھ بجے نمازِ فجر پڑھ کر آپ کے ساتھیوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ ''نماز کا ترک کرنا گناہ ہے، تاخیر سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔'' تمام نمازوں کو ان کے وقت پر جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اگر کبھی کوتاہی ہو جائے تو اپنے عمل کو صحیح قرار دینے اور غلطی و گناہ کی غلط توجیہ و تاویل کرنے کے بجائے دل سے نادم و شرمندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں۔

زبان سے نماز کی نیت

سوال نماز کی نیت کا طریقہ کیا ہے اور کیا نماز کی نیت زبان سے کی جاسکتی ہے؟

(عبدالعزیز، محمد عمر، جدہ)

جواب ۱) نیت عربی زبان میں قصد وارادہ کو کہتے ہیں اور شریعت کی رو سے نیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی نیک کام میں صرف اللہ کی رضا جوئی کا قصد کرے، دوسرے لفظوں میں نیت یہ ہے کہ اپنے عمل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کردے، کسی دوسرے کو خوش کرنا مقصود نہ ہو۔ نیت کے واجب ہونے پر علماء کا اتفاق ہے کہ نیت ہی سے عبادت اور غیر عبادت میں فرق کیا جاسکتا ہے اور اسی سے اخلاص وللّٰہیت آسکتی ہے۔

۲) نماز عبادت ہے اور عبادت نام ہی اس بات کا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے طریقہ و سنت کے مطابق تمام احکامِ الٰہی کو صرف اللہ کی رضا و تعظیم کی خاطر بجالایا جائے۔ ارشادِ باری ہے:

وَ مَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ (البینۃ ۵)

حالاں کہ ان لوگوں کو (کتب سابقہ میں) یہی حکم ہوا تھا کہ خالص اللہ ہی کی

عبادت کریں۔

آیت کی تفسیر میں علامہ ماوردیؒ لکھتے ہیں کہ اخلاص، نیت ہی کو کہتے ہیں (۱) ——— اس طرح قرآن کی آیت سے نیت کا ثبوت ہوا، حدیث میں بھی اس کی صراحت ہے کہ ''إنما الاعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوىٰ '' اس لئے نماز بھی بلانیت دُرست نہیں ہوگی کہ وہ تو مہتم بالشان عمل ہے۔

۳) نیت میں جن عناصر کا ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہیں :

(۱) اس امر کا یقین ہو کہ کس وقت کی نماز پڑھنی ہے مثلاً ظہر، عصر یا مغرب وغیرہ

(۲) کس نوعیت کی نماز ہے، فرض ہے، واجب ہے یا کہ سنت اور نفل؟

(۳) نماز امام کی اقتداء میں پڑھی جارہی ہے یا اکیلے؟

(۴) بعض اہل علم کے نزدیک مصلی اگر امام ہے تو مقتدیوں کی امامت کا قصد کرنا بھی نیت میں ضروری ہے۔

(۵) نماز ادا کی ہے تو ادا کی نیت اور قضا کی ہے تو قضا کی نیت ہو۔

(۶) یہ نماز صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی وتعظیم کے لئے پڑھی جارہی ہے۔

اس لئے تکبیر تحریمہ شروع کرنے سے لحہ بھر پہلے ان مذکورہ بالا پانچ چھ اُمور کا قصد کرکے نماز شروع کرنا ضروری ہے، ورنہ نماز دُرست نہ ہوگی، چنانچہ اس نیت اور تکبیر تحریمہ کے بیچ میں اگر کوئی دوسرا خیال آ گیا تو نیت کا اعادہ ضروری ہے، اگرچہ جماعت میں شامل ہونے کی صورت میں امام کے ساتھ رکوع نہ ملنے کا اندیشہ بھی کیوں نہ ہو۔ الغرض اسی خاص قصد وارادہ کا نام نماز کی نیت ہے، جس کا تعلق دل سے ہے نہ کہ زبان سے، اس لئے زبان سے کہنا بعض اہل تحقیق کے نزدیک بدعت ہے، اگر دل کی نیت کے بغیر کوئی شخص محض زبان سے نیت کا تلفظ کرے تو نہ اس کی یہ نیت صحیح ہوگی اور نہ نماز دُرست، بلکہ اگر حال ایسا ہو کہ دل سے نیت صحیح کی گئی مگر زبان کسی اور لفظ کی طرف سبقت کرگئی ہو تو اس سے کوئی فرق

(۱) المغنی ۲۷۸/۱

نہیں پڑے گا، بلکہ نیت درست سمجھی جائے گی، کہ اصل دار و مدار نیتِ قلبی کا ہے نہ کہ زبانی تلفظ کا(۱) —— ہاں البتہ علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے کہ چوں کہ موجودہ زمانہ میں لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے افکار وخیالات کا ہجوم رہتا ہے، اس لئے نیتِ قلبی کے ساتھ ساتھ زبان سے اس کا تلفظ بھی کرے تو بہتر ہے۔

ولكن يستحب أن يتكلم بلسانه و هو المختار . (۲)

لیکن زبان سے نیت کا تلفظ کرنا مستحب ہے اور یہی مختار قول ہے۔

ولا عبرة للذكر باللسان فإن فعله لتجتمع عزيمة قلبه فهو حسن . (۳)

زبان سے تلفظ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، تاہم اگر اس لئے تلفظ کرتا ہے تاکہ عزیمت قلبی (نیت قلبی) سے ہم آہنگ ہو جائے تو بہتر ہے۔

تارکِ نماز سے قطعِ تعلق

سوال میں اور ہمارے بہت سے رفقاء ایک مؤسسہ میں کام کرتے ہیں، کھانا پینا اور رہنا ایک ہی ساتھ ہے، سب لوگ نماز کے پابند ہیں، لیکن ہم میں ایک آدمی بالکل نماز نہیں پڑھتا، حتیٰ کہ جمعہ کی نماز بھی چھوڑ دیتا ہے، گندی اور اخلاق سے گری ہوئی باتوں کے سوا اس کو کوئی بات نہیں آتی، کیا ایسے آدمی کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا جائز ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ (محمد اکرم ہمنی، بنائل مسیر)

جواب جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے مسلسل نماز ترک کرنا گناہِ عظیم ہے، آپ اپنے ساتھی کو سمجھایئے اور اسے کفریہ عمل سے باز رکھئے۔ ایسے آدمی کے ساتھ کھانا پینا رہنا سہنا جائز ہے، البتہ جرأت دلانے اور احساس بیدار کرنے کے لئے وقتی طور پر قطع تعلق کر لینا بھی درست ہے، مگر مقصود اصلاح ہو نہ کہ نفرت وعداوت۔

---

(۱) المغني لابن قدامة مع تحقيق، ڈاکٹر عبداللہ ترکی ۱/۵

(۲) حاشیہ فتاوی عالمگیری ۱/۲ (۳) الفتاوی الهندية ۱/۶۵

بچوں کی تربیت کے لئے گھر پر نماز

سوال میرے بچے چھوٹے ہیں، میں ان کو نماز کی ترغیب دلانے کے لئے گھر پر نماز پڑھتا ہوں اور ان کو اپنے ساتھ کھڑا کر لیتا ہوں، مسجد میں اس لئے نہیں لے جاتا کہ نمازیوں کو تنگ نہ کریں، کیا میں بچوں کی خاطر گھر پر نماز پڑھ سکتا ہوں؟ (سید تنویر حسین شاہ، جدہ)

جواب آپ کا یہ عذر ترکِ جماعت کے لئے کافی نہیں، مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، البتہ سنت و نفل نماز گھر پر پڑھ سکتے ہیں، بلکہ ان کا گھر پر پڑھنا ہی افضل ہے، کبیری میں ہے:

وتطوعه بها في البيت افضل و هذا غير مختص بما بعد الفريضة بل جميع النوافل ما عدا التراويح و تحية المسجد الافضل فيها المنزل. (۱)

گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور یہ فرائض کے بعد کی سنتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ تراویح اور تحیۃ المسجد کے سوا تمام سنتوں کو گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

اس لئے آپ بچوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کا عادی بنائیں اور گھر پر بھی نفل کے ذریعہ بچوں کی تربیت کا مقصد آپ پورا کر سکتے ہیں۔

حرام لباس اور نماز

سوال محنت اور ایمانداری سے کمائی ہوئی دولت میں اگر ذرا سی بھی بے ایمانی یا حرام طریقے سے کمائی ہوئی دولت ملا دی جائے تو ساری کی ساری دولت حرام ہو جاتی ہے۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں، مگر پھر بھی ایسا کرتے ہیں۔ ایسی کمائی سے جو لباس تیار کیا جائے، کیا اسے پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے اور وہ نماز قبول ہوگی؟ کسی اور کے دیئے ہوئے لباس کو جس کے بارے میں یہ علم

---

(۱) کبیری ۳۸۲

ہو کہ اس میں حرام کمائی بھی لگی ہوئی ہے پہننا جائز ہے یا نہیں؟ ایسے لباس کو جلا دیا جائے یا غریبوں کو دے دیا جائے جن کے پاس لباس نہ ہو؟

(نجم الثاقب، وہران)

جواب آمدنی کے ذرائع اختیار کرنے میں حرام و حلال کی تمیز اور اس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ حرام لقمہ پیٹ میں جائے تو ایسے شخص کی دُعائیں قبول نہیں ہوتیں، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دُور دراز مقام سے سفر کر کے (مکہ مکرمہ) آتا ہے اور (خانۂ کعبہ سے چمٹ کر) آہ وزاری سے دُعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! اے میرے رب! لیکن اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کیسے قبول کرے؟

ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يارب ! يارب ! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام ، فاني يستجاب لذلك . (۱)

پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کا تذکرہ کیا کہ وہ لمبا سفر طے کر کے پراگندہ حال آتا ہے، دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر یارب یارب کرتا ہے، دراں حالاں کہ اس کا کھانا، اس کا پینا، اس کا پہناوا سب حرام اور اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کیسے قبول کرے؟

نیز دوسری حدیث میں ہے کہ جس جسم کی پرورش حرام سے ہو، آگ اس کی زیادہ مستحق ہے ايما عبدنبت لحمه من سخت فالنار اولىٰ به (۲) —— اس کے علاوہ اس سلسلے میں اور بھی ارشادات رسول ﷺ موجود ہیں، لیکن آپ کا یہ خیال ہے کہ حلال کمائی میں ذرا سا بھی حرام پیسہ مل جائے تو ساری دولت حرام ہو جاتی ہے، ایسا نہیں، بلکہ جو حلال ہے وہ حلال

---

(۱) مشكوة ۱/ ۲٤۱ عن ابى هريرة ، باب الكسب و طلب الحلال ، الفصل الأول ، كتاب البيوع

(۲) مجمع الزوائد ۱۰ / ۵۲۱ ، باب طلب الحلال والبحث عنه ، صحيح مسلم كتاب الزكاة / باب قبول الصدقة من الكسب الطيب حديث ۱۰۱۵

ہی رہے گا اور جو حرام ہے وہ حرام، البتہ حرام مال کو حلال سے الگ کرنا اور اسے استعمال میں نہ لانا ضروری ہوگا، حرام کمائی سے تیار کئے گئے لباس سے نماز پڑھی جائے تو نماز تو ادا ہوجائے گی، یعنی ذمہ سے فریضہ ساقط ہوجائے گا، لیکن اس بات کا ڈر ضرور ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت سے نوازی نہ جائے، مالِ حرام کو ضائع کرنے کے بجائے کسی مستحق و ضرورت مند کو بلانیتِ ثواب دے دیا جائے، لہٰذا اگر حرام مال سے سلا ہوا لباس کوئی آپ کو دے اور آپ فقیر و محتاج نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کے بجائے کسی مسکین کو دے دیں، اس سے یہ نہ کہیں کہ یہ فلاں کے حرام مال کا لباس ہے، اس کے حق میں یہ انشاء اللہ حرام نہ ہوگا، اس کو جلا کر ضائع کرنا درست نہیں۔

مقامی زبانوں میں اذان ونماز

سوال پاکستان میں صوبائی قانون ساز اداروں کے چند ممبران نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اذان اور نماز عربی کے بجائے مقامی زبان میں ادا کی جائے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ترکی کی تاریخ بھی ذہن میں رکھی جائے، جہاں کمال اتاترک نے اس قسم کے قوانین کا نفاذ کردیا تھا۔ (محمد ہاشم، ریاض)

جواب جن شعائرِ اسلامی سے دینِ اسلام کی مرکزیت، اجتماعیت اور اس کی ہمہ گیری و آفاقی ہونا ثابت ہے، ان میں ایک عربی زبان بھی ہے، اس زبان نے روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح سے مربوط کردیا ہے کہ زبان، زمین، لباس، شکل وصورت اور تہذیب و ثقافت کے اختلافات کے باوجود ایک مسلمان دوسرے دینی بھائی کو ایک ہی عربی کے جملے سے نہ صرف پہچان لیتا ہے بلکہ اس جملے کی وجہ سے اُخوت بھرے جذبات فوراً اُمڈ آتے ہیں اور وہ جملہ ہے ''السلام علیکم''

ان شعائرِ اسلامی میں سے دوسری اہم چیزیں اذان اور نماز ہیں، جو عربی زبان ہی میں ادا کی جاتی ہیں، اگر ہر زبان اور ہر علاقے کے لوگ اپنی اپنی زبانوں میں ان اہم شعائر کو انجام دینے لگیں تو اسلام کی اجتماعیت اور مرکزیت ختم ہوجائے گی، البتہ دوسری عبادات میں یہ چھوٹ دی گئی ہے کہ ہر شخص اپنی مادری زبان میں عبادات انجام دے سکتا ہے، مثلاً دُعا

وغیرہ۔(۱)

ہمارے ملک میں بعض بددین عناصر کی طرف سے اذان اور نماز کا علاقائی زبان میں پڑھنے کا مطالبہ کوئی نیا نہیں، اس قسم کے عناصر اس سے قبل بھی کئی دوسری اہم عبادات، شعائر اسلام کے بارے میں اس قسم کے خبثِ باطن کا مظاہرہ کر چکے ہیں، افسوس یہ ہے کہ ہمارے یہاں کسی بھی شخص کا محاسبہ نہیں ہوتا، لہٰذا ہر شخص کو کھلی آزادی وچھوٹ ملی ہوئی ہے کہ وہ جو چاہے سو کہتا پھرے، حالاں کہ اسلامی معاشرے میں اس قسم کی باتیں قابل گرفت ہیں اور اس قسم کی باتیں کرنے والے قابل سزا ہیں۔

خلافتِ اسلامی کی عظیم عمارت کو جس شخص کے ذریعہ گرایا گیا ہے وہ کمالِ اتاترک تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے ترکی میں عربی رسم الخط کو ختم کیا، اذان پر پابندی لگائی، نماز کو ترکی زبان میں پڑھنے کا حکم صادر کیا۔ آج کچھ لوگ دشمنانِ دین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پاکستان میں بھی انہی نظریات کا پرچار کر رہے ہیں۔ کاش کہ ذمہ دار لوگ، اہل اقتدار، علماء و صحافی اور قوم کے دانشور اس بات کو سمجھیں کہ ملک کی جغرافیائی حدود کی حفاظت سے کہیں زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع کیا جائے، ورنہ۔

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اذان کا جواب

سوال جب مؤذن اذان دے تو سننے والے کو جواب میں کون سے الفاظ دہرانے چاہئے؟ یعنی وہی الفاظِ اذان یا کچھ تبدیلی کے ساتھ؟ اگر تبدیلی ہو تو کن الفاظ کے بدلے کون سے الفاظ دہرائیں؟ وضاحت فرمائی جائے۔

(سید صلاح الدین، ریاض)

جواب اذان سننے والے کو اذان کے جواب میں اذان کے کلمات ہی دہرانے چاہئے، البتہ

---

(۱) اذان درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اذان عربی میں دی جائے، غیر عربی میں اذان دینا درست نہیں (بدائع الصنائع ۱/ ۱۴۹) نیز دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۱/ ۵۴۰ قاضی خان میں ہے: لایوذن بالفارسیۃ ولا بلسان آخر غیر العربیۃ (قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ۱/ ۸۰)

حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت لاحول ولا قوۃ إلا باللہ کہنا چاہئے۔(۱)

عمرؓ کی روایت ہے، فرمایا کہ جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہو، جب وہ اشھدأن لا الہ الا اللہ کہے تو تم بھی اشھدأن لا الہ الا اللہ کہو، جب وہ اشھدأن محمدا رسول اللہ کہے تو تم بھی اشھدأن محمدا رسول اللہ کہو، جب وہ حی علی الصلوٰۃ کہے تو لاحول ولا قوۃ إلا باللہ کہو، اسی طرح حی علی الفلاح کہے تو لاحول ولا قوۃ إلا باللہ کہو، اگر قدقامت الصلوٰۃ کہا جائے تو اقامھا اللہ وادامھا کہو۔(۲)

اذان کا جواب دینا فقہاءِ حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے، احناف کے یہاں ایک قول کے مطابق واجب ہے۔ یجب علی السامعین عند الأذان الاجابۃ ۔ (۳)

جماعت کے بعد دوبارہ اذان

سوال فرض کیجئے کہ ایک آدمی باجماعت نماز ادا کرنے مسجد جاتا ہے مگر اس کو اذان سنائی نہیں دی اور مسجد پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ فرض نماز ہو چکی ہے، اس صورت میں وہ شخص کیا اذان بھی دے گا یا صرف اقامت کہہ کر نماز پڑھ سکتا ہے؟

(عبدالقیوم، جدہ)

جواب اس صورت میں نہ اذان دینے کی ضرورت ہے اور نہ اقامت کہنے کی، کیوں کہ مسجد میں ایک مرتبہ اذان دینے اور جماعت ہونے کے بعد دوبارہ اسی نماز کے لئے اذان دینا جائز نہیں (۴) — بلکہ اگر اتفاقاً کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور جماعت ہو جانے کے بعد دوبارہ جماعت سے نماز پڑھیں تو اقامت کہنے کی بھی ضرورت نہیں، البتہ مسجد سے ہٹ کر گھر یا کہیں اور جماعت کر رہے ہوں تو صرف اقامت کہنا بہتر ہے، اذان دینے کی ضرورت نہیں، محلہ کی مسجد کی اذان کافی ہے۔

---

(۱) مسلم عن عمرؓ باب استحباب القول مثل قول المؤذن

(۲) المغنی ۲۵۵/۱ ، ط : بیروت (۳) ھندیۃ ۵۷/۱

(۴) أهل المسجد اذا صلوا بأذان وجماعة يكره تكرار الأذان والجماعة فيه . هداية ۵۴/۱

مشروعیتِ اذان کا سبب

سوال ہر نماز سے پہلے اذان کیوں دی جاتی ہے؟ اس کی حکمت اور سبب کیا ہے؟

(عبدالسلام، نجران)

جواب ہر نماز سے پہلے اذان اس لئے دی جاتی ہے کہ یہ شریعت کا حکم ہے، جس طرح ہمیں یہ حکم ہے کہ دن میں پانچ وقت نماز پڑھیں، اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے پہلے اذان دی جائے، اگرچہ نماز فرض اور اذان سنت ہے، لیکن اذان کی اہمیت اس بنا پر بھی ہے کہ یہ شعائرِ دین اور شعائرِ اسلام میں سے ہے، یعنی دین اسلام کی علامتوں اور پہچانوں میں سے ایک اہم علامت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام ؓ کو جہاد پر روانہ کرتے وقت مجاہدین اور امیر لشکر کو جو اہم ہدایات اور نصیحتیں فرماتے تھے، اس میں ایک یہ بھی تھی کہ اگر کسی علاقے میں اذان کی آواز سنائی دے تو وہاں حملہ نہ کیا جائے۔

نماز اسلام کا اہم رکن ہے اور تمام عبادات میں اس کو ایک اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے، پھر بھی بے شمار حکمت و مصالح کے پیش نظر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں مسجد میں اکٹھا ہو کر جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا اور اس کی تاکید کی گئی، اب ظاہر ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور نماز کے لئے مسجد آنے کی دعوت دینے کے لئے کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرنا ضروری ہے، اذان کی مشروعیت سے قبل صحابہ کرام ؓ وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، لیکن ہجرتِ مدینہ کے کچھ ہی دنوں بعد رسولِ کریم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کے مشورے سے اذان کی موجودہ شکل کو اختیار فرمایا، جس کی تلقین (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) خود نبی کریم ﷺ اور بعض صحابہ کرام ؓ کو خواب کے ذریعہ کی گئی، جس کی تفصیل کتبِ احادیث میں مذکور ہے، مثال کے طور پر ترمذی میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

إن هـذه لرؤيا حق فقم مع بلال، فإنه أندى و امدُّ صوتاً منك فألق عليه ما قيل لك و يناد بذلك . (۱)

---

(۱) ترمذی عن عبداللہ ابن زید، باب ماجاء فی بدأ الاذان

بے شک یہ ایک سچا خواب ہے، تو ایسا کرو کہ بلال کے ساتھ اُٹھو کیوں کہ
اس کی آواز تم سے زیادہ شیریں اور لمبی ہے، لہٰذا اسے وہ الفاظ بتادو جو تم سے
خواب میں کہے گئے اور وہ اسی کے ذریعہ نماز کا اعلان کردیں۔

اب اذان جہاں نماز کا وقت شروع ہونے کی اطلاع اور جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد آنے کی دعوت ہے، تو وہیں یہ دن میں پانچ دفعہ زمین پر کلمۃ اللہ کے اعلاء و سربلندی کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

اذان کے وقت فضول گفتگو

سوال اذان کے وقت فضول گفتگو یا ویڈیو اور ٹیپ کے بارے میں کیا حکم ہے؟
جب کہ گفتگو یا ویڈیو اور ٹیپ میں فحش باتیں ہوں، بہت سے مسلمان بھائی
اذان یا نماز کے وقت تاش کھیلتے ہیں، شرعاً ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(صلاح الدین ایوبی، طائف)

جواب عام حالت میں بھی فحش یا لغو باتوں میں مشغول ہونا جائز نہیں تو اذان و نماز کے وقت یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اذان کے وقت تو اذان کا جواب دینا چاہئے (جو کہ بعض علماء کے نزدیک واجب اور بعض کے یہاں مستحب ہے) پھر عملی طور پر نماز کی تیاری کر کے مسجد کا رُخ کرنا چاہئے(۱) — یہ ہرگز مسلمانوں کا شیوہ نہیں کہ وہ اذان کے بعد نماز کو چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول رہے، رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد کا ہے کہ :

قال رسول اللہ ﷺ لقد هممت ان آمر بالصلاة فتقام ثم آمر رجلا
فيصلي بالناس ثم انطلق معي برجال معهم حزم من حطب الى قوم
لايشهدون الصلاة فاحرق عليهم بيوتهم بالنار . (۲)

میں نے ارادہ کیا کہ کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر محلہ میں اپنے ساتھ
ایسے لوگوں کو لے کر جن کے پاس لکڑی کا گٹھا ہو، گشت کروں اور جو لوگ

---

(۱) کبیری ۳٦۲

(۲) ابوداؤد ۸۱/۱، عن ابی ہریرۃ، باب التشدید فی ترك الجماعۃ کتاب الصلاۃ

نماز کے لئے مسجد نہ آئیں اُن کے گھروں کو جلا ڈالوں۔

عمداً نماز کا ترک کرنا کفریہ عمل ہے کہ اس سے مسلمان اور کافر کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا، بلکہ بعض ائمہ کے یہاں تو عمداً ترک کرنے سے حقیقتاً کافر و مرتد ہو جاتا ہے اور اس بنا پر اس کا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے، نماز اسلام کا اہم رکن ہے، اس کے بارے میں ہرگز کوتاہی نہیں کی جانی چاہئے۔(۱)

اذان سے قبل نماز

سوال اگر کوئی شخص نماز کے لئے مسجد میں داخل ہو اور اس فرض نماز سے پہلے کی سنت موکدہ یا غیر مؤکدہ پڑھنے کے لئے اذان کا انتظار کرے یا اذان سے پہلے بھی سنتِ نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (حسن جمال الدین، طائف)

جواب مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت ادا کر لیں، پھر اذان کے بعد سنتِ نماز پڑھیں، جس طرح فرض نماز وقت شروع ہونے سے پہلے دُرست نہیں، اسی طرح ان نمازوں سے قبل کی سنتیں بھی وقت سے پہلے ادا نہیں کی جاسکتیں، البتہ اس کے لئے اذان ضروری نہیں، وقت شروع ہو گیا، لیکن اذان نہیں ہوئی تو نماز ادا کی جاسکتی ہے، یہاں عام طور پر اوّل وقت ہی اذان ہوتی ہے، اس لئے نماز کی دعوت کے ساتھ وقتِ نماز کے شروع ہونے کا اعلان بھی ہے۔ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں :

كل سنة قبل الصلوٰة فوقتها من دخول وقتها إلى فعل الصلوٰة وكل سنة بعدها فوقتها من فعل الصلوٰة إلى خروج وقتها . (۲)

جو سنتیں نماز سے پہلے کی ہیں، ان کا وقت نماز کا وقت شروع ہونے سے لے کر فرض نماز کی ادائیگی تک ہے اور جو سنتیں نماز کے بعد کی ہیں، ان کا وقت فرض نماز کے بعد سے وقت نکلنے تک ہے۔

اذان کا صحیح طریقہ

سوال اذان دیتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھانا چاہئے یا نہیں اور اگر کوئی

---

(۱) المغنی ۲/۲۴۲ (۲) المغنی ۱/۴۳۵

بغیر ہاتھ اُٹھائے اذان دے تو کیا اذان دُرست ہوگی یا نہیں؟ نیز کیا نماز پر بھی اس کا اثر پڑے گا؟ (محمد شہباز منہاس، ع ع)

جواب اذان دیتے وقت ہاتھوں کی اُنگلیاں کانوں میں دینا مسنون ہے، بعض علماء نے اسے مستحب بھی کہا ہے، امام ترمذیؒ نے اپنی جامع الترمذی کی کتاب الصلوٰۃ میں اس موضوع کا باقاعدہ باب باندھا ہے، جس کا عنوان ہے "باب ما جاء فی ادخال الاصبع فی الأذن عند الأذان "(اذان کے وقت کان میں اُنگلی ڈالنے کا بیان) اس باب میں روایت کی ہوئی حدیث میں ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم ﷺ کی موجودگی میں اذان دی اور دورانِ اذان اپنی اُنگلی اپنے کانوں میں دیں، امام ترمذی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی لئے بعض اہل علم نے کہا کہ اذان میں یہ عمل مستحب ہے، البتہ اگر کوئی شخص بھی بغیر ہاتھ اُٹھائے اور کانوں میں اُنگلیاں داخل کئے بغیر بھی اذان دے دے تو اذان دُرست ہوجائے گی اور اس سے نماز پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

ویجعل اصبعیه فی اذنه وان لم یفعل فحسن لأنه لیس بسنة اصلية وانما شرع لأجل المبالغة فی الاعلام۔ (۱)

اور اپنی دونوں اُنگلیوں کو دونوں کانوں میں ڈالے اور اگر نہ ڈالے تو بھی ٹھیک ہے، اس لئے کہ ایسا کرنا اذان کی سُنن اصلیہ میں سے نہیں ہے، بلکہ اعلان میں مبالغہ کے لئے اس کی مشروعیت ہوئی ہے۔

لیکن مستقل اس طرح اذان دینا مناسب نہیں۔

بلا وضو اذان دینا

سوال کیا بغیر وضو کے اذان دی جاسکتی ہے؟ (محمد عباس خمیش، مشیط)

جواب بغیر وضو کے اذان جائز ہے، لیکن بہتر نہیں اور باوضو اذان دینا مسنون اور مستحب ہے شامی میں ہے:

من سنن المؤذن کونه رجلا عاقلا صالحا عالما بالسنن و الأوقات

---

(۱) هندية ۵۶/۱ کلمات الأذان الخ

مواظبا عليه محتسبا ثقة مطهرا . (۱)

مؤذن کا مرد ہونا، عاقل ہونا، نیک ہونا سنن اور اوقات نماز سے واقف ہونا، اس کا پابند ہونا، مخلص ہونا، دیانت دار ہونا اور پاک وصاف ہونا مسنون ہے۔

نیز ہمیشہ بے وضو اذان دینے کی عادت بنالینا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے

اذان کا جواب

سوال وضو کرتے ہوئے اگر اذان شروع ہو جائے تو کیا کریں، وضو جاری رکھیں یا اذان کا جواب دیں؟ (احسان اللہ، حیران)

جواب بعض صورتوں کے علاوہ عام حالات میں اذان کا زبان سے جواب دینے کو بعض علماء نے واجب اور بعض نے مستحب قرار دیا ہے، احناف کے نزدیک یہ واجب ہے (۲) اور حنابلہ کے نزدیک مستحب (۳) ——— عملی جواب یعنی نماز کے لئے تیاری شروع کردینا اور نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد کی طرف چل پڑنا تو بہر حال واجب ہے، وضو کرتے ہوئے اذان کا جواب دیا جاسکتا ہے، لہٰذا وضو بھی جاری رکھیں اور اذان کا جواب بھی دیں۔

عورت کی اذان

سوال کیا عورت اذان دے سکتی ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

جواب عورت اذان نہیں دے سکتی ہے، پانچ افراد ایسے ہیں کہ ان کی اذان کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی اذان دے تو وہ اذان درست نہیں، اذان دوبارہ دینی ہوگی، انہی میں سے فقہاء نے عورت کو بھی شمار کیا ہے (۴) ——— اور اس لئے بھی کسی عورت کا اذان دینا درست نہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے کسی صحابیہؓ سے اذان نہیں دلوائی اور نہ صحابہ کرام ؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے ادوار میں خواتین کے اذان دینے کو شرعاً جائز قرار دیا گیا۔

---

(۱) ردالمحتار ۲۶۲/۱، ط: بیروت (۲) قاضی خان علی ہامش الهندية ۷۹/۱

(۳) المغنی ۲۵۵/۱، ط: بیروت (۴) قاضی خان علی ہامش الهندية ۷۷/۱

اذان سے قبل درود وسلام

سوال ہمارے علاقے میں اذان دینے سے قبل بلند آواز اور اہتمام سے درود وسلام پڑھا جاتا ہے، نیز فرض نماز کے اختتام پر اونچی آواز سے کلمہ پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل دُرست ہے؟ اسی طرح قبرستان کی طرف جنازہ لے جاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا کیسا ہے؟ (صاحب حسین، طائف)

جواب اذان سے قبل بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا یا نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، حدیث سے یا صحابہ کرام ﷺ، تابعینؒ اور سلفِ صالحینؒ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اسی طرح جنازے کے ساتھ بلند آواز سے اجتماعی انداز میں باقاعدہ لحن کے ساتھ ذکر کرنا بھی بدعت ہے۔(۱)

نومولود کے کان میں اذان

سوال جب کوئی بچہ یا بچی پیدا ہو تو اس کے کانوں میں اذان واقامت کہی جاتی ہے، ایک صاحب اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(ایم، احمد، جدہ)

جواب نومولود بچہ یا بچی کے کانوں میں اذان دینا سنت ہے، سیدہ فاطمہؓ کے ہاں جب حسن ﷺ پیدا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے خود آکر ان کے کان میں اذان دی۔ یہ حدیث ابو رافع اور عبداللہ بن عباس ﷺ سے مختلف محدثین نے اپنی اپنی کتبِ سنن میں روایت کی ہے (۲) اور یہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں لکھا ہے۔

اذان واقامت کے درمیان فرق

سوال ہمارے یہاں پاکستان میں اذان ہی کی طرح اقامت پڑھتے ہیں، جیسے اذان میں ''اللہ اکبر'' چار مرتبہ کہتے ہیں تو اقامت میں بھی چار ہی دفعہ، اسی طرح دوسرے کلمات، لیکن یہاں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اقامت میں ''اللہ

---

(۱) ھندیۃ ۱/۱۶۲

(۲) ترمذی، عن ابی رافع، باب الاذان فی اذن المولود، کتاب الأضاحی، حدیث ۱۵۱۴

اکبر'' صرف دو مرتبہ اور باقی کلمات ایک دفعہ کہتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ اقامت اذان ہی کی طرح ہے یا اس میں کچھ فرق ہے؟ (محمد نذیر بٹ، بیشہ)

جواب ''قد قامت الصلوٰۃ'' کے اضافہ کے علاوہ باقی کلمات کے درمیان اذان واقامت میں کوئی فرق نہیں، جہاں تک تعداد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اقامت میں بھی اذان ہی کی طرح ''اللہ اکبر'' چار دفعہ اور دیگر کلمات دو دفعہ پڑھے جائیں گے، سوائے آخری ''لا الٰہ الا اللہ'' کے جو ایک دفعہ کہا جائے گا، اس طرح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور اقامت میں سترہ کلمات ہیں(۱) ـــــ اذان کے کلمات میں امام احمدؒ کی بھی یہی رائے، تاہم امام شافعیؒ کے نزدیک شہادتین میں ترجیع مسنون ہے، اس لئے ان کے نزدیک اذان میں ۱۹ کلمات ہوتے ہیں، اقامت کے بارے میں امام احمدؒ اور امام شافعیؒ ہم خیال ہیں کہ اقامت کے کلمات گیارہ ہیں، اس طرح کہ اقامت میں ''اللہ اکبر'' اور ''قد قامت الصلوٰۃ'' تو دو دو دفعہ اور باقی کلمات ایک ایک دفعہ پڑھے جائیں۔(۲)

احناف کے مسلک میں اذان واقامت دونوں میں تمام کلمات دو دو بار پڑھے جائیں گے یعنی اذان واقامت میں صرف ''قد قامت الصلوٰۃ'' کا فرق ہے، اس کے بارے میں امام ابوداؤد نے سنن ابوداؤد میں کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان کے تحت کئی احادیث کے حوالہ سے اسی مسلک کو بیان کیا ہے(۳) ـــــ دونوں مسلک حدیث سے ثابت ہیں، لہٰذا دونوں صحیح ہیں، یہ اختلاف محض اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے، اس کو باہم افتراق وانتشار اور فتنہ و

(۱) هندية ۵۵/۱، الترمذی، باب ماجاء أن الاقامة مثنیٰ مثنیٰ، کتاب الصلاۃ

(۲) حنابلہ اور شوافع کی دلیل کے لئے ملاحظہ ہو: الترمذی باب ماجاء فی افراد الاقامة، کتاب الصلاۃ

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: احادیث ۵۰۱ / ۵۰۴ / ۵۰۷، جب کہ امام الترمذی نے سنن الترمذی کتاب الصلوٰۃ میں اس عنوان کا مستقل باب قائم کیا ہے، باب ماجاء أن الاقامة مثنیٰ مثنیٰ حدیث ۱۹۴

فساد کا موضوع نہیں بنانا چاہیے۔(۱)

اقامت کون کہے؟

سوال یہاں یہ چیز دیکھنے میں آئی کہ جو شخص اذان نہ دے وہ اقامت نہیں کہہ سکتا بلکہ اذان دینے والا ہی اقامت کہتا ہے، جب کہ پاکستان میں ایک آدمی اذان دے تو دوسرا اقامت کہہ سکتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے، اقامت اصلاً کس کا حق ہے؟ (محمد نذیر بٹ، بیشہ)

جواب ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "جو شخص اذان دے وہی اقامت کہے" (۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کا اصل حق دار مؤذن ہے، چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک یہ بات مکروہ ہے کہ مؤذن کے علاوہ کوئی دوسرا شخص تکبیر کہے (۳) —— البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ کراہت اُس وقت ہے جب کہ مؤذن سے اجازت نہ لی جائے یا مؤذن کو یہ بات ناگوار گذرے، ورنہ مؤذن اجازت دے دے تو مکروہ نہیں، کیوں کہ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی عبداللہ ابن اُم مکتوم ؓ اذان کہتے تو سیدنا بلال ؓ اقامت کہتے تھے۔(۴)

بہر حال مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کا اقامت کہنا سب کے نزدیک مکروہ ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مؤذن ہی اقامت کہے اور اگر دوسرا شخص کہنا چاہے تو مؤذن سے اجازت لے لے۔(۵)

منفرد کے لئے اقامت

سوال اگر کوئی شخص فرض نماز انفرادی طور پر پڑھ رہا ہو تو کیا نماز شروع کرنے سے قبل اسے اقامت کہنی چاہیے یا نہیں؟ (عتیق احمد راز، نجران)

---

(۱) المغنی ۲/ ۵۸-۵۶ (محقق)

(۲) ترمذی عن زیاد بن حارث الصدائی ، باب ماجاء أن من أذن فهو یقیم ، أبواب الصلوة

(۳) المغنی ۱/ ۲۴۹ (۴) المغنی ۲/ ۷۱ (محقق)

(۵) الفقه الاسلامي وأدلته ۱/ ۵۵۹ ، المغنی ۱/ ۲۴۹

جواب اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے مسجد نہیں جا سکا، گھر میں تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کے لئے اقامت کہنا ضروری نہیں، اقامت اصل میں جماعت کی اطلاع ہے، لہٰذا اگر مسجد میں اقامت کہے بغیر نماز ادا کرے تب کراہیت ہوگی۔ **ولو ترك الاقامة يكره**۔ (۱)

دوست کی وجہ سے ترکِ جماعت

سوال میرا ایک کرسچن ساتھی ہے، ہم نے ایک ساتھ پانچ سال ایک کمپنی میں کام کیا ہے، وہ بہت ہی بااخلاق ہے، اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا رہا ہے، ایک لحاظ سے میں اس کا احسان مند ہوں، میں اب دوسری کمپنی میں ملازمت کر رہا ہوں، جب آفس سے شام گھر واپس ہوتا ہوں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عشاء کی نماز راستے میں یا گھر پہنچ کر باجماعت ادا کروں، لیکن کبھی وہ دوست پیدل اپنے گھر واپس ہوتے ہوئے ملتا ہے تو اخلاقاً اسے اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا کر گھر چھوڑتا ہوں، ایسی صورت میں کبھی جماعت چھوٹ جاتی ہے، کیا مجھے میری نیت کی وجہ سے عشاء کی نماز باجماعت کا ثواب ملے گا یا میں جماعت کی خاطر اس سے جان چھڑا لوں؟

(محمد عزیر قیصر، جدہ)

جواب اگر کسی کی اطاعت و محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **انما الطاعة في المعروف** (۲) — آپ اپنے غیر مسلم دوست سے اپنی دوستی قائم رکھیں، انھیں گاہے گاہے اسلام کی دعوت بھی دیتے رہیں، لیکن ان کی دوستی اگر کسی فرض یا واجب کام میں رکاوٹ بن رہی ہے تو ایسا کرنا شرعاً ناجائز ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان رشتہ دار یا مسلمان دوست بھی اس سلسلے میں رکاوٹ بنتا ہے تب بھی یہ عمل ناجائز ہے، عشاء کی نماز اور ہر نماز کو اپنے صحیح وقت پر مسجد میں جماعت کے ساتھ

---

(۱) هندية ۵٤/۱

(۲) مسند احمد ۱۲۹/۱، صحيح مسلم / كتاب الامارة / باب بيان وجوب طاعة الأمراء، حديث ۱۸٤۰

پڑھنا ضروری ہے، آپ راستے میں کسی بھی مسجد میں عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا اپنے غیر مسلم دوست کے محلے میں اسے ڈراپ کرتے ہوئے عشاء کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

جماعت سے نماز ضروری ہے

سوال دورانِ ملازمت ایک بجے سے چار بجے تک چھٹی ہوتی ہے، تو میں کھانا کھانے کے بعد سو جاتا ہوں، چوں کہ آج کل عصر کی جماعت ۳ بجکر ۲۰ منٹ پر ہوتی ہے، اس لئے اکثر جماعت نکل جاتی ہے، نماز باجماعت کا چھوڑنا مناسب ہے یا ہمیں جماعت سے ہی نماز ادا کرنی ہوگی؟

(عبدالروٴف شیخ، ریاض)

جواب نیند کی وجہ سے مستقل عصر کا نماز چھوڑنا اور تاخیر سے پڑھنا شرعاً ناجائز ہے، ہر نماز اپنے وقت پر (جماعت سے مسجد میں) پڑھنی واجب ہے، جیسا کہ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے : اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا. (سورۃ النساء ۱۰۳) اس لئے نماز اپنے وقتِ متعینہ پر پڑھنا ضروری ہے، سفر وحضر، اطمینان وخوف ہر حالت میں اسی وقت ادا کرنا ضروری ہے، یہ نہیں کہ جب چاہو پڑھ لو، اسی طرح مردوں پر جماعت سے نماز ادا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

والذی نفسی بیده لقد هممت أن آمر بحطب ليحطب ثم آمر بالصلاة فيؤذن لها ثم آمر رجلا فيؤم الناس ثم اخالف الى رجال فاحرق عليهم بيوتهم . (۱)

قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں نے یہ ارادہ کیا کہ حکم دوں کہ لکڑیاں جمع کی جائیں، پھر نماز کا حکم دوں اس کی اذان دی جائے، پھر ایک شخص سے کہہ دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان کو پیچھے چھوڑ کر ان لوگوں کے پاس جاؤں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے)

(۱) صحيح البخاری، باب وجوب صلاة الجماعة، كتاب الأذان، حديث ٦٤٤

ان کے گھر جلادوں۔

مسجد کے بجائے گھر میں نماز پڑھنا

سوال بعض لوگ بغیر کسی مجبوری کے گھر میں نماز پڑھتے ہیں، جب کہ مسجد گھر سے قریب ہوتی ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ کیا ان کی نماز ہوجاتی ہے؟ (ع-ح، جدہ)

جواب امام احمدؒ، داؤد ظاہریؒ، عطاءؒ اور ابوثورؒ نے جماعت سے نماز پڑھنے کو فرض اور ضروری قرار دیا ہے، لیکن اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ جماعت واجب ہے(۱) ـــــ لہٰذا اگر کوئی شخص گھر پر تنہا نماز پڑھتا ہو تو اس کی نماز صحیح ہے اور فرض ادا ہو جائے گی، لیکن بلاوجہ مسجد سے غیر حاضری اور جماعت کا ترک کردینا جائز نہیں، احادیث میں اس سلسلے میں سخت وعید بھی آئی ہے، چنانچہ بے شمار صحابہ کرام ﷺ سے یہ بات منقول ہے کہ اس شخص کی نماز ہی نہیں ہوتی جو اذان سننے کے باوجود مسجد میں حاضر ہوکر جماعت سے نماز نہ پڑھے، اگرچہ علماء نے ان اقوال کو تنبیہ وتہدید پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ نماز کامل نہیں ہوگی اور اس کا حق ادا نہیں ہوگا، لیکن اس سے جماعت کی اہمیت کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے، اسی طرح ابن عباس ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات میں نماز پڑھتا ہے، مگر جمعہ اور جماعت میں حاضر نہیں ہوتا، یعنی جمعہ کی ادائیگی اور جماعت سے نماز پڑھنے مسجد نہیں آتا، اس سے اعراض کرتا ہے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے، تو آپ ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا۔ هو فى النار ''وہ دوزخ میں جائے گا''(۲) نیز جماعت کی فضیلت میں صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ :

صلوٰة الجماعة تفضل صلوٰة الفذ بسبع وعشرين درجة ۔ (۳)

---

(۱) فتح القدير ۱/ ۳۰۰

(۲) ترمذی ، باب ماجاء فى من سمع النداء فلايجب ، أبواب الصلاة

(۳) بخاری ، باب فضل صلوٰة الجماعة ، كتاب الاذان ، مسلم ، كتاب المساجد ۱/ ۴۵۰ ، مصابيح السنة ۱/ ۳۹۰

جماعت سے ادا کی گئی نماز تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص عذرِ شرعی کی بنا پر جماعت میں حاضر نہ ہوسکا تو اس کے لئے تو اجازت ہے، لیکن بلاوجہ جماعت ترک کر کے اتنے عظیم ثواب سے اپنے آپ کو محروم کر لینا کتنا عظیم خسارہ اور نقصان ہے؟ اس کا صحیح اندازہ ہمیں اُس وقت ہوگا جب کہ یہی نیکیاں ہمارا سرمایہ اور سفینۂ نجات ہوں گی۔ آج ہماری اکثریت مادّی نفع ونقصان کے پیچھے پڑ کر اُخروی نفع ونقصان کو بھلا بیٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بلاعذر ترکِ جماعت گناہِ کبیرہ ہے

سوال ایک صاحب پنج وقتہ نماز تو ادا کر لیتے ہیں مگر کبھی بھی جمعہ کی نماز کو نہیں جاتے اور ایک ایسے ہیں جو پنج وقتہ نماز ادا نہیں کرتے اور باقاعدگی سے جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، جب کہ مسجدِ جمعہ کا فاصلہ تین یا چار کلومیٹر ہے، شرعاً کیا یہ صحیح ہے؟ (عبداللطیف، نجران)

جواب نماز دین کا وہ اہم ستون ہے جس کے بغیر دین اسلام نامکمل ہے، ہر مسلمان پر پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھنا واجب ہے، بلا کسی شرعی عذر کے جماعت ترک کر دینا حرام اور کبائر میں سے ہے، وہ لوگ جو صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، ہفتہ بھر کوئی نماز نہیں پڑھتے سنگین جرم کرتے ہیں، کئی احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جان بوجھ کر ایک نماز بھی ترک کر دینا باعثِ کفر ہے، سستی وکاہلی سے نماز چھوڑنے میں آدمی دُنیوی سزا کا بھی مستحق ہوتا ہے اور اُخروی سزا کا بھی، اُخروی سزا کی صراحت تو خود قرآن نے بارہا کی ہے۔ سورۂ مدثر میں ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ. (المدثر ۴۲)

تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

سورۂ ماعون میں ہے :

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ . (الماعون ۴)

ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نمازوں کو بھلا بیٹھتے ہیں۔

سورۂ مریم میں ہے :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا . (مریم ۵۹)

پھر ان کے بعد بعضے ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور نفسانی ناجائز خواہشوں کی پیروی کی، سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی دیکھیں گے۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :

من ترك الصلوٰة متعمدًا فقد برئت منه ذمة الله ورسوله . (۱)

جس نے عمداً نماز چھوڑ دی تو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ اس سے بری ہو گیا

جہاں تک دُنیوی سزا کی بات ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا اور اتنی جسمانی سزا دی جائے گی کہ جسم سے خون نکل پڑے، نماز پڑھنے لگے اور توبہ کر لے یا قید ہی کی حالت میں موت واقع ہو جائے، صرف یہی نہیں بلکہ جب بے نمازی مر جائے تو بعض قدیم علماء کا فتویٰ ہے کہ نہ تو اسے عام مسلمانوں کی طرح غسل دیا جائے اور نہ ہی کفنایا جائے، نہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور نہ ہی مسلمانوں کے عام قبرستان میں اسے دفنایا جائے، بلکہ ایک خرقہ میں لپیٹ کر دور کہیں گڑھا کھود کر جانور کی لاش کی طرح پھینک کر اوپر سے مٹی ڈال دی جائے۔

دوسرے ائمہ کے یہاں مرتد کی طرح اس کو تین دن کا موقع دیا جائے گا، اس درمیان ترکِ نماز سے توبہ کر لے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا، ورنہ قتل کر دیا جائے گا، امام احمدؒ کے یہاں ایسا شخص کافر ہو گیا، اس لئے بربناءِ کفر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ (۲)

---

(۱) مسند احمد عن مکحول، وهو مرسل جيد (۲) الفقه الاسلامی وادلته ۵۰۳/۱

امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرنا

سوال کچھ لوگ مسجد ایسے وقت پہنچتے ہیں کہ امام سجدے میں ہو تو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، بلکہ امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ (عارف، جدہ)

جواب یہ عمل صحیح نہیں ہے، بلکہ امام سجدے میں ہو تب بھی اسی وقت جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے، امام کے کھڑے ہونے کا انتظار کرنا درست نہیں۔(۱)

دو آدمیوں کی جماعت

سوال دو آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں تو تیسرے آدمی کے آنے کی صورت میں امام کو آگے جانا چاہئے یا مقتدی کو پیچھے آنا چاہئے؟

(مختار احمد عباسی، الضباء الشمال)

جواب دونوں صورتیں جائز ہیں، تیسرے آدمی کو چاہئے کہ مقتدی کو پیچھے کرلے اور اگر پیچھے جگہ نہ ہو تو امام کو آگے کردے، اس لئے کہ نماز میں ضرورتاً آگے پیچھے یا دائیں بائیں آنے کی اجازت ہے، چنانچہ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

بت عند خالتي ميمونة فقام رسول الله ﷺ يصلي من الليل فقمت اصلي معه فقمت مع يساره فأخذبراسي واقامني عن يمينه . (۲)

میں نے اپنی خالہ میمونہ کے یہاں رات گذاری۔ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور آپ ﷺ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ میرا سر پکڑ کر اپنی دائیں طرف مجھے کھڑا کردیا۔

---

(۱) الفتاوی الهندية ۹۱/۱

(۲) صحيح بخاری، باب اذالم ينو الامام أن يؤم، كتاب الاذان حديث ۶۹۹، صحيح مسلم، باب الدعا في صلاة الليل وقيامها، كتاب صلاة المسافرين حديث ۷۶۳

جماعت کے وقت سنت کی ادائیگی

سوال کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ ظہر کی نماز میں جو دو رکعت سنتِ مؤکدہ پڑھی جاتی ہے، وہ اگر نہ پڑھیں تو فرض نماز نہیں ہوتی، اس لئے بہت سے لوگ جماعت کھڑی بھی ہو تو پہلے دو رکعت سنت پڑھ کر امام کے ساتھ فرض نماز میں شامل ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (لیاقت یوسف سرنائیک، جدہ)

جواب ظہر سے قبل چار رکعت سنت پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، بعض روایات میں نبی کریم ﷺ سے دو رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے، اس کو ضرور پڑھنا چاہئے، البتہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ یہ دو رکعتیں یا چار رکعتیں نہ پڑھیں تو فرض نماز بھی صحیح نہیں ہوتی، کیوں کہ فرض نمازوں کی صحت کے لئے سنت ونوافل کی ادائیگی شرط نہیں، ہاں بلا عذر کے کوئی سنتِ مؤکدہ ترک کردے تو گنہگار ہوگا، فرض نماز سے پہلے نہ پڑھ سکے تو فرض نماز پڑھنے کے بعد سنتِ مؤکدہ کو پڑھ لے، فرض نماز کے لئے اقامت ہونے کے بعد کوئی بھی سنت یا نفل پڑھنا درست نہیں، لہٰذا کوئی شخص جماعت شروع ہوجانے کے بعد مسجد پہنچے تو اسے چاہئے کہ سنت پڑھے بغیر فرض نماز میں امام کے ساتھ شامل ہوجائے اور سنت بعد میں پڑھے۔ (۱)

تاخیر سے جماعت میں شریک ہونے والے کے لئے ثنا

سوال مقتدی نمازِ ظہر کی پہلی رکعت میں امام کے ساتھ آکر ملا، کیا مقتدی ثنا پڑھے گا؟

جواب اس سلسلہ میں احناف کے یہاں درجِ ذیل تفصیل ہے:

۱) جب امام قراءت کر رہا ہو، اُس وقت مقتدی پہنچے اور نماز جہری ہو تو جماعت میں شریک ہوتے وقت ثنا نہیں پڑھے بلکہ جب چھوٹی ہوئی رکعتیں قضا کرے اس وقت ثنا پڑھے، اگر نماز سری ہو اور مقتدی پہلی رکعت میں جماعت کے ساتھ شامل ہو تو ثنا پڑھ لے، کیوں کہ بعد میں پڑھنے کا کوئی موقع نہیں، لیکن اسی سری نماز میں اگر ایک یا زیادہ رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں تو امام کے سلام کے بعد ان رکعتوں کو قضا کرتے وقت شروع میں ثنا پڑھ

---

(۱) الفتاوی الهندية ۱/۱۲۰

لے گا۔(۱)

۲) اگر مقتدی اس وقت پہنچا جب کہ امام رکوع یا سجدہ میں تھا تو اگر ثنا پڑھنے سے رکوع یا سجدہ چھوٹ رہا ہو تو ثنا نہیں پڑھے گا اور امام کی اتباع کرے گا، لیکن اگر ثنا پڑھنے کے باوجود رکوع یا سجدہ میں شریک ہو جانے کا غالب گمان ہو تو ثنا پڑھ لے گا۔

۳) اگر امام کو قعدہ میں پائے، یا رکوع وسجود کے علاوہ دوسری حالت میں تو ثنا نہیں پڑھے گا، ایسی صورت میں چھوٹی ہوئی رکعتیں قضا کرتے وقت ثنا پڑھے گا۔(۲)

پہلی جماعت بہتر ہے یا دوسری؟

سوال اگر کوئی شخص اس وقت مسجد پہنچے جب کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہو تو کیا وہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے یا دوسرے کسی شخص کا انتظار کر کے تکبیر تحریمہ کے ساتھ دوسری جماعت سے نماز پڑھے؟ (احسان اللہ، جیران)

جواب ایسے شخص کو پہلی جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لینی چاہئے، یہ صورت دوسری جماعت بنانے اور اس کا انتظار کرنے سے زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ بہر حال اصل پہلی جماعت ہے، ہاں اگر کوئی جماعت ختم ہونے کے بعد پہنچے تو دوسری جماعت میں شریک ہو جائے، نیز کوشش ہر ایک کو اس بات کی کرنی چاہئے کہ مسجد میں پہلی جماعت تکبیر تحریمہ کے ساتھ ملے۔

بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم

سوال کیا کسی بدعتی کے پیچھے نماز ہوتی ہے؟ (امیر زادہ نثار، بحرین)

جواب اگر بدعت کفر کے درجہ کی ہو تب تو نماز ہی دُرست نہ ہوگی، اس لئے کہ کافر کی عبادت مقبول نہیں اور اگر اس درجہ کی نہ ہو بلکہ بدعت عملی ہو تو ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے، گو نماز ہو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ ہندیہ میں ہے:

حاصله إن كانت أهون لايكفر بها صاحبها تجوز الصلوة خلفه مع

---

(۱) المغنی ۲۱۷/۱

(۲) الفتاوىٰ الهندية ۹۱/۱-۹۰

الکراھة و إلا فلا . (۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس کی بدعت کم درجہ کی ہے تو اس بدعتی کو کافر نہیں سمجھا جائے گا، اس کے پیچھے کراہت کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔

بے نمازی امام کی اقتداء

سوال ہمارے محلہ کی مسجد میں کوئی ایک امام متعین نہیں، کبھی کوئی امامت کرتا ہے اور کبھی کوئی دوسرا، یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امامت کرنے والا خود پانچ وقت کا نمازی ہے یا نہیں، ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

(احسان اللہ، جیز ان)

جواب ہر ایک کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے، بدگمانی کبیرہ گناہ ہے، قرآن و حدیث میں اس سے روکا گیا ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ گمان ہو کہ وہ پابندی سے نماز نہیں پڑھتا تب بھی اگر اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع آجائے تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا صحیح ہے، یہ مستحب ضرور ہے کہ امامت کے لئے متقی و پرہیزگار شخص کو منتخب کیا جائے، لیکن کبھی نوبت آجائے تو فتنہ و شر انگیزی سے بچنے کے لئے فاسق امام کی اقتداء بھی درست ہے اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے :

صلوا خلف کل برو فاجر . (۲)

ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز پڑھ لو۔

لیکن اس قدر ثواب نہیں ملے گا جتنا نیک و پرہیزگار عالم کی اقتداء میں نماز کا ثواب ملے گا۔(۳)

عمداً قتل کرنے والے کی امامت مناسب نہیں

سوال اگر کسی نے جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دیا، بعد میں قاتل کے ورثاء نے اس سے خون بہا لیا اور اسے معاف کر دیا اور اس شخص نے توبہ بھی کر لیا، تو کیا

---

(۱) هندية ۱۴۴/۱ (۲) نیل الاوطار ۱۶۲/۳

(۳) غیاثیه ۳۱

اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ (حفیظ الدین، رباض)

جواب کسی مسلمان کا قتل عمد کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اگرچہ قاتل نے دیت دے دی ہو اور توبہ کرلی ہو، لیکن ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پھر بھی مناسب نہیں، ایسے آدمی کو امام نہ بنایا جائے (۱) —— تاکہ عام مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے، ویسے فقہی اعتبار سے نماز ہوجائے گی، کیوں کہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے:

التائب من الذنب كمن لا ذنب له . (۲)

گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ جیسا بن جاتا ہے۔

اہل علم نے لکھا ہے کہ توبہ کرنے والا اگر صدق دل سے توبہ کرلے اور توبہ کے آثار نمایاں نظر آنے لگے کہ شرعی احکام پر استقامت پیدا ہوگئی ہو تو ایسے شخص کے بارے میں غلط سوچنا یا نفرت بھری نظر سے دیکھنا جائز نہیں، بلکہ اسے اسلامی معاشرہ میں عزت کا مقام ملنا چاہئے۔

فاسق امام کی اقتداء

سوال جو شخص تصویر والے کپڑے پہنتا ہو اور سونے کی انگوٹھی پہنتا ہو، کیا اس کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے؟ (محمد اظہر الدین، دمام)

جواب اگر کوئی شخص کسی کبیرہ گناہ کو برسرعام کھلم کھلا کرتا ہے اور منع کرنے کے باوجود اس گناہ کو ترک نہیں کرتا تو یہ شخص فاسق ہے اور فاسق کی اقتداء میں نماز ہوتو جاتی ہے، لیکن کراہت کے ساتھ ہوتی ہے۔ (۳)

ولد الزنا کی امامت

سوال جو لڑکا مرد وعورت کے ناجائز تعلقات کی بناپر دُنیا میں آیا ہو، پھر وہ اپنی محنت سے پڑھ لکھ کر عالم فاضل بن جائے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گذارنے لگے، تو ایسے شخص کا اسلامی معاشرہ میں کیا مقام ہے؟ نیز اس کے

---

(۱) غیاثیہ ۳۱ (۲) ابن ماجه ، باب ذكر التوبة ، ابواب الزهد

(۳) هندية ۸٤/۱

پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بالخصوص جب کہ وہ اپنے محلے کی مسجد میں امامت کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی پیدائش کے متعلق علم بھی ہو، ہمارے یہاں ایک ایسا ہی معاملہ موضوعِ بحث ہے۔ (رئیس احمد بلال، مکہ مکرمہ)

جواب سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''بلاشبہ اللہ کے یہاں تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو'' نیز انسان جو بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے، قیامت کے دن کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا اور نہ دوسروں کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ ہوگی، جیسا کہ قرآن پاک میں کئی جگہ اس کی صراحت مذکور ہے۔ (۱)

چنانچہ جو لڑکا مرد وعورت کے ناجائز تعلقات کے سبب پیدا ہوا ہو، اس میں لڑکے کا کوئی قصور نہیں، پھر وہ علم حاصل کر کے تقویٰ وپرہیزگاری کی زندگی بسر کرے تو انشاء اللہ، اللہ کے یہاں اس کا مقام بھی بلند ہوگا، لہٰذا ایسے شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھنا درست نہیں۔

ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، البتہ زنا چوں کہ بدترین گناہ اور برائی ہے اور اس سبب سے پیدا ہونے والے لڑکے کو دیکھ کر فعلِ بد کا تصور جاگ اُٹھتا ہے، اس لئے بعض فقہاء نے ایسے شخص کی امامت کو مکروہِ تنزیہی لکھا ہے، اس صورت میں جب کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو اور وہ اس کی امامت کو ناگوار سمجھتے ہوں (۲) — اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر کراہت بھی نہیں ہوگی، کیوں کہ ذاتی طور پر اس شخص کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسلامی معاشرے میں برائیوں کا ذکر اور اس کی اشاعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے، سورۂ نور آیت نمبر ۱۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جو لوگ ایمان والوں کے درمیان برائیوں کو پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا و

---

(۱) الاسراء ۱۵، فاطر ۱۸

(۲) یکرہ تقدیم العبد ...... والاعرابی ...... والفاسق ...... والاعمی ...... وولدالزنا

(هنديه ۱/۱۰۱، ط: انڈیا)

آخرت میں دردناک عذاب ہے" نیز احادیث میں بھی مسلمانوں کے عیوب کو چھپانے کی بڑی فضیلت اور ان کے عیوب کو ظاہر کرنے اور انھیں رُسوا کرنے کی بڑی مذمت اور وعید آئی ہے، اس لئے اس طرح کے معاملات کی حتی الامکان پردہ پوشی کرنی چاہئے۔ اکثر کتب احادیث میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے:

من ستر مسلما ستره الله يوم القيامه . (۱)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی دُنیا میں پردہ پوشی کرے گا، یعنی اس کے گناہ اور عیوب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

يامعشر من قد اسلم لسانه ولم يفض الايمان الى قلبه لاتوذوا المسلمين ولاتعيروا الهم ولاتبتعوا عوراتهم فانه من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته ومن يتبع الله عورته يفضحه ولوفي جوف رحله . (۲)

اے لوگو! جس نے زبان سے اسلام قبول کیا ہے اور ایمان ابھی دل میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کو اذیت نہ دو، انھیں عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو، کیوں کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرتا ہے، اللہ اس کے عیوب تلاش کرتا ہے اور اللہ جس کے عیوب تلاش کرے تو وہ اس کو رُسوا کردے گا، چاہے وہ اپنے گھر کے اندر چھپا رہے۔

---

(۱) بخاری، عن ابن عمر، باب لايظلم المسلم المسلم، كتاب المظالم، مسلم باب تحريم الظلم كتاب البر

(۲) ترمذی، باب ماجاء في الستر عن المسلمين، ترمذی، باب ماجاء في تعظيم المؤمن، ابوداؤد باب النهي عن التجسس، مصابيح السنة ۳۸۸/۳، ابن كثير ۲۲۹/٤

جس کی نماز قضاء ہوگئی اُس کی امامت

سوال اگر ایک شخص فجر کی نماز وقت نکلنے کے بعد قضاء پڑھے، پھر اسی دن ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کی امامت کرے تو کیا اس کی امامت دُرست ہے؟ اور اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز ادا ہو جائے گی؟

جواب امامت دُرست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔(۱)

بغیر داڑھی والے شخص کی اذان وامامت

سوال کیا اذان دینے اور نماز پڑھنے کے لئے داڑھی کا ہونا ضروری ہے؟ ہمارے یہاں لوگ بغیر داڑھی والے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور نہ اسے اذان کا اہل سمجھتے ہیں، اذان تو پھر بھی ایسا شخص کبھی دے دیتا ہے، لیکن امامت کے لئے اسے کبھی کھڑا ہونے نہیں دیا جاتا، اس سلسلہ میں شرعی حکم کی وضاحت فرمائیں۔ (لال حسین بھاول شیر، جدہ)

جواب داڑھی رکھنا رسولِ کریم ﷺ کی ایک اہم سنت ہے اور آپ ﷺ نے اُمت کو اس کا حکم بھی دیا ہے، چنانچہ جمہور علماء نے اسے واجب قرار دیا ہے، لہٰذا جو شخص اس واجب پر عمل نہ کرے وہ مستقل ایک جرم اور گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، اذان واقامت یقیناً ایسے اہم دینی مناصب ہیں جس کے لئے متقی وپرہیزگار شخص کو منتخب کیا جانا چاہئے، لیکن کبھی موقع ہو تو بغیر داڑھی والا شخص بھی اذان دے سکتا ہے اور نماز بھی پڑھا سکتا ہے، تاہم یہ مکروہ ضرور ہے، اذان وامامت کے لئے داڑھی کا ہونا شرط نہیں، لہٰذا اگر کبھی ایسا شخص نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہئے، تاکہ لوگوں میں اختلاف وانتشار یا فتنہ پیدا نہ ہو، ایک حدیث میں (جو اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے) رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھو(۲) —— ہاں مستقل امامت کے لئے یقیناً ایسے شخص کو مقرر نہیں کرنا چاہئے۔

---

(۱) ھندیة ۸٤/۱ (۲) نیل الاوطار ۱٦۲/۳

بخیل شخص کی امامت

سوال ہمارے یہاں مسجد میں ایک صاحب امام ہیں اور لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں، ان کا ایک ہوٹل ہے اور یہ لوگوں کو اپنے ہوٹل کا پانی بھی پینے نہیں دیتے، کیا اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے؟ (حاجی محمد، ریاض)

جواب جہاں تک نماز کا تعلق ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن اس شخص کا یہ عمل ناپسندیدہ ہے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا تین چیزیں کسی کو دینے سے مت روکو : پانی، گھاس اور (چولہا جلانے کے لئے) آگ۔(۱)

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے والے کی امامت

سوال آج کل بعض مسجدوں میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی جگہ بنی ہوئی ہے، اگر کوئی کھڑے ہوکر پیشاب کرے اور استنجا کئے بغیر وضو کر کے نماز پڑھائے تو کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ (حفیظ، جدہ)

جواب بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مکروہ ہے، اگر کوئی عذر ہو، جیسے پیر میں تکلیف ہو کہ بیٹھا نہ جاسکے یا جگہ ایسی ہو کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے میں بدن یا کپڑوں پر چھینٹیں پڑنے کا خطرہ ہو یا اور کوئی عذر ہو تو کھڑے ہوکر پیشاب کرنا جائز ہے، اسی طرح کے عذر کی بنا پر بعض موقعوں پر رسولِ کریم ﷺ سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

قال أتى رسول الله ﷺ سباطة قوم فبال قائما ثم دعا بماء فمسح على خفيه . (۲)

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی قوم کے کوڑا خانہ کے پاس آئے اور کھڑے ہوکر پیشاب کیا، پھر پانی منگوایا (اور وضو کیا) اور اپنے خف پر مسح کیا۔

لیکن عام حالات میں آپ ﷺ کا یہ معمول نہ تھا، لہٰذا بلا عذر کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

---

(۱) ابن ماجه ، عن ابن عباس ۱۷۷/۲ ، باب : المسلمون شركاء في الثلث

(۲) ابوداؤد عن حذيفة ، باب البول قائماً ، كتاب الطهارة

پسندیدہ نہیں، فقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، تاہم ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے، البتہ اگر کوئی شخص استنجاء (پاکی حاصل کرنے) کا اہتمام نہ کرے تو خود اس کی نماز بھی دُرست نہ ہوگی، لہٰذا امامت بھی دُرست نہیں۔

عورت کی امامت

سوال کیا حافظہ عورت دوسری عورت کو جماعت سے تراویح پڑھا سکتی ہے؟

(محمد یٰسین قریشی، کراچی)

جواب عورت، عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھا سکتی ہے، اُم ورقہ بنتِ نوفلؓ سے رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

ان تؤم أهل دارها . (۱)

تم اپنے گھر والوں کو نماز پڑھا سکتی ہو۔

اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن خالد فرماتے ہیں کہ اُم ورقہ بنت نوفلؓ کا مؤذن ایک بوڑھا شخص تھا۔

اُم المومنین عائشہؓ اور اُم المومنین اُم سلمہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے کئی بار عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھائی، عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے ایک باندی کو (جو کہ عالمہ تھیں) حکم دیا تھا کہ وہ ان کے گھر کی خواتین کو رمضان المبارک میں نمازیں پڑھائے۔(۲)

اگر خواتین کسی پردے اور حفاظت کی جگہ جمع ہوتی ہیں اور کوئی حافظہ خاتون یا قاریہ و عالمہ خاتون ان کو جماعت سے نماز پڑھاتی ہیں، تو یہ عمل جائز ہے، بلکہ امام شافعیؒ کے یہاں خواتین کے لئے خاتون کی امامت کو یعنی جماعت سے نماز پڑھنے کو مستحب کہا گیا ہے(۳) امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک مستحب ہونے کی، دوسری مستحب نہ ہونے کی(۴)

---

(۱) ابو داؤد ، عن أم ورقة بنت نوفل ، باب امامة النساء

(۲) المحلی ۱۱۷/۳ (۳) المجموع شرح مهذب ۹۶/٤

(۴) المغنی ۱۷/۲

رمضان المبارک میں بھی خواتین کسی حافظہ خاتون کی امامت میں نمازِ تراویح باجماعت ادا کرسکتی ہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی امامت مکروہ ہے اور ہند وپاک کے ماحول میں عورتوں کے نماز کے لئے اجتماع میں چوں کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، اس لئے خواتین کا اس سے احتیاط برتنا ہی مناسب ہے۔

مسجد سے دُور امام کی اقتداء

سوال حرمین شریفین میں حج وغیرہ کے موقعوں پر جب کہ رش بہت زیادہ ہوتا ہے، لوگ مسجد سے دُور سڑکوں پر ہی صفیں باندھ کر جماعت میں شریک ہوجاتے ہیں اور درمیان میں راستہ اور سڑک بھی آجاتا ہے، کیا اس طرح نماز دُرست ہے؟ (ملک امجد تبریز اعوان، ریاض)

جواب رش اور اژدہام کی وجہ سے دُور دُور تک کی صفوں کی نماز بھی امام کے پیچھے جائز ہے، چوں کہ یہ فاصلہ خواہ درمیان میں سڑک ہو، عذر اور ضرورت کے تحت ہے اور تمام صفیں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ اور آگے پیچھے ہیں، لہٰذا یہ عمل جائز ہے اور نماز دُرست ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اقتداء کی صحت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ درمیان میں شارعِ عام نہ ہو، یعنی ایسی سڑک نہ ہو جس پر گاڑیاں وغیرہ چلتی ہوں، اگر ایسی سڑک درمیان میں آجائے اور اس پر کوئی صف نہ ہو اور سڑک سے ہٹ کر صف باندھی جائے تو یہ اقتداء دُرست نہیں ہوگی۔ چوں کہ حرم میں نماز ادا کرتے ہوئے سڑکوں پر بھی صفیں بندھی رہتی ہیں اور ٹرافک بند رہتی ہے، اس لئے اقتداء دُرست ہوگی۔

اگر صفوں کے درمیان ایسی سڑکیں ہوں جن پر پیدل ہی چلا جاسکتا ہو، گاڑی نہ چل سکتی ہو تو ایسی سڑک کے ہوتے ہوئے بھی اقتداء دُرست ہے۔[۱]

ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعہ امام حرمین کی اقتداء

سوال ٹی وی پر بیت اللہ شریف کی نماز کو دکھایا جاتا ہے، کیا اس کی مدد سے گھر پر رہتے ہوئے امامِ حرم کی اقتداء میں نماز دُرست ہے یا نہیں؟ (محمد عبدالعزیز)

---

(۱) ھندیۃ ۸۶/۱

جواب ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ امام کی اقتداء دُرست نہیں، ایسی نماز صحیح نہ ہوگی۔

سوال ہمارے یہاں ایک نئی تحریک شروع ہوئی ہے، جس کے بارے میں یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ لوگ ریڈیو اور ٹی وی پر حرمین شریفین کی اذان اور نماز کو سن کر اور دیکھ کر نمازیں پڑھتے ہیں، تراویح کی نماز بھی اسی طرح ادا کی جاتی ہے، عیدین اور روزوں میں بھی اسی کو معیار بنایا جاتا ہے، یہ کہاں تک دُرست ہے؟

جواب شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، رسولِ کریم ﷺ نے رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ کھولو، یعنی شوال کا چاند دیکھ کر اختتامِ رمضان اور دُخولِ شوال کا اعلان کرو، اگر آسمان ابر آلود ہو، جس کی وجہ سے چاند دکھائی نہ دے، تو تیس کی گنتی پوری کرو، یعنی پورے تیس روزے رکھو، روزہ کا وقت صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک رکھا گیا ہے، اسی طرح نمازوں کے اوقات بھی ہیں اور یہ مسلّم حقیقت ہے کہ مختلف ممالک کے درمیان کم و بیش وقت کا فرق ضرور ہوتا ہے، کہیں تو بارہ بارہ گھنٹوں کا فرق ہے، سحر و افطار اور نمازوں میں ان اوقات کو کیسے یکجا کیا جاسکتا ہے؟ لہٰذا ہر ملک میں اپنے وقت کے لحاظ سے نماز، روزہ وغیرہ عبادات ادا کی جائیں گی اور پھر ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ اقتداء کرنا تو یوں بھی صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اقتداء کے دُرست ہونے کے لئے صفوں کا اتصال ضروری ہے، جو کہ یہاں پائی نہیں جارہی ہے، اس لئے نماز صحیح نہیں ہوگی۔

مقتدی کیا کرے؟

سوال میں آخری قعدہ میں بہ مشکل درود ہی پڑھ پاتا ہوں کہ امام صاحب سلام پھیر دیتے ہیں، کیا امام کی اتباع کرکے میں بھی سلام پھیر دوں؟

(محمد فہیم الدین، الاحساء)

جواب اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مقتدی نے درود یا درود کے بعد والی دُعا بھی نہ پڑھی ہو کہ امام سلام پھیر دے تو اس صورت میں امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے

گا، لیکن اگر تشہد یعنی التحیات مکمل بھی نہ پڑھ سکا اور امام اس درمیان سلام پھیر دے تو امام کی اقتداء واجب نہیں، وہ پہلے تشہد مکمل کرے پھر سلام پھیرے۔ (۱)

مسبوق کس طرح نماز ادا کرے؟

سوال اگر کوئی شخص امام کے ساتھ چار رکعت فرض نماز ادا کر رہا ہو اور اُس کی پہلی دو رکعات چھوٹ جائیں، یعنی وہ تیسری رکعت میں امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا ہو تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی نماز کس طرح ادا کرے گا؟ (ف-اکرام خاں، ریاض)

جواب ایسا شخص پہلی دو رکعتیں جس طرح پڑھی جاتی ہیں اسی طرح اس کو پڑھے گا، یعنی پہلی رکعت میں پہلے ثنا پھر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ سورۂ فاتحہ اور ضم سورہ پڑھنے کے بعد رکوع و سجود کرے اور دوسری رکعت کے لئے اُٹھ جائے، قعدہ نہ کرے، پھر اس دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھے اور ضم سورہ کرے، رکوع و سجود کے بعد قعدۂ اخیرہ میں تشہد و درود پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (۲)

امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے والا

سوال اگر امام رکوع میں ہو اور کوئی شخص اسی حالت میں جماعت میں شامل ہو جائے تو کیا اسے وہ رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھنی ہوگی یا یہ سمجھا جائے کہ اس نے وہ رکعت پالی؟ (محمد عبدالمناف، ریاض)

جواب حدیث میں صراحت ہے کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا گویا اس نے وہ رکعت پالی۔ من ادرک صلوٰۃ الجمعہ رکعۃ فقد ادرک (۳) —— لہٰذا ایسے شخص کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ امام کو رکوع کی حالت میں پانا ضروری ہے اور اس کے لئے کم از کم اتنا ہو کہ امام کے سر اُٹھانے سے پہلے پہلے ایک بار "سبحان ربی العظیم" پڑھ سکے۔ اگر اسی ایک عدد تسبیح پڑھنے میں امام نے سر اُٹھالیا تو ایسی

---

(۱) ھندیۃ ۸۶/۱ (۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲۱۰/۲

(۳) نسائی باب من ادرک رکعۃ من الصلوۃ : کتاب الجمعۃ حدیث ۱۴۲۵، ۹۵/۱، ط. انڈیا

صورت میں اسے رکوع نہیں ملا، لہٰذا دوبارہ پوری رکعت ادا کرنی ہوگی۔ بعض لوگ جلدی سے رکعت باندھ کر اُس وقت رکوع کر لیتے ہیں جب کہ امام رکوع سے سر اُٹھا چکا ہوتا ہے یا اُٹھا رہا ہوتا ہے، یہ عمل دُرست نہیں، اس طرح وہ شخص رکعت پانے والا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اسے بعد میں جب امام سلام پھیر دے اس رکعت کا اعادہ کرنا ہوگا (۱) —— نیز بہت سے لوگ ایسا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ رکعت کی خاطر جلدی جلدی صرف ایک ہی تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے ہیں اور امام کے ساتھ رکوع انھیں مل تو جاتا ہے، پر ان کی یہ نماز ہی دُرست نہیں ہوتی، کیوں کہ لمحہ بھر کے لئے ہی سہی، قیام کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت کر کے تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں کہیں، دوسری تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں، اب اگر امام کے ساتھ رکوع ملتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس رکعت کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لے۔ (۲)

دوسری بات جو اگرچہ آپ کے سوال میں مذکور نہیں، لیکن اس کی طرف تنبیہ ہم نے مناسب اور ضروری سمجھی، وہ یہ کہ آپ اپنا نام بدل دیں تو بہتر ہوگا، کیوں کہ لفظِ عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی طرف کر کے رکھا جانا ضروری ہے، جیسے عبد اللہ، عبد الرحمٰن، عبد الخالق، عبد الرزاق وغیرہ، اللہ کے ناموں کے علاوہ کسی اور لفظ یا کسی اور نام کی طرف عبد لگا کر نام رکھنا شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ولایقل أحدکم عبدی امتی ولیقل فتای وفتاتی وغلامی. (۳)

تم میں سے کوئی عبدی، امتی نہ کہے بلکہ فتایَ وفتاتی وغلامی کا لفظ استعمال

---

(۱) نسائی باب من ادرك ركعة من الصلوة: كتاب الجمعة حديث ۱۴۲۵، ۹۵/۱ ط: انڈیا

نیز دیکھئے: المغنی ۳۵/۲

(۲) المغنی ۱۳۰/۲ (محقق)

(۳) بخاری، باب كراهية التطاول على الرقيق، مسلم، باب حكم اطلاق لفظة العبد مصابيح السنة ۳۰۴/۳

کرے۔

اور شیخ خلیل احمد محدث سہارنپوری لکھتے ہیں :

فعلى هذا لاينبغي التسمية بنحو عبدالرسول و عبدالنبي ونحو ذلك مما يضاف العبد فيه الى غير الله . (۱)

اس وجہ سے عبدالرسول، عبدالنبی یا ایسا نام رکھنا جائز نہیں جس میں عبد کی اضافت غیر اللہ کی طرف ہوتی ہو۔

زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نام پر نام رکھنے کا رواج تھا، جیسے عبداللات، عبدالعزیٰ، وغیرہ، اسی طرح عبدمناف اگرچہ رسولِ کریم ﷺ کے اجداد میں سے ایک جدِامجد کا نام ہے، لیکن مناف درحقیقت ایک بت کا نام تھا، اسی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کا نام عبدِمناف رکھا گیا۔ ان کے والد قصی سے منقول ہے کہ : ''میں نے اپنے دو بیٹوں کا نام بتوں کے نام پر رکھا، عبدِمناف اور عبدالعزیٰ'' ایک وجہِ تسمیہ یہ بھی منقول ہے کہ ان کی والدہ نے انھیں اس بت کی خدمت کے لئے دے دیا تھا، نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے والد نے اس بت کی خدمت کی، اس بنا پر ان کے بیٹے عبدِمناف سے موسوم ہوئے (۲) —— مناف کے معنی باعتبارِ لغت بلندی کے ہیں، اس طرح عبدِمناف کے معنی ''بلندی کا غلام'' ہے، پھر مناف چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں بت کا نام تھا، اس لئے عبدِمناف یا عبدالمناف نام رکھنے میں اور زیادہ قباحت ہے۔ حدیث کی کتابوں میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ موقع بہ موقع اس طرح کے غلط اور نامناسب ناموں کی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

نماز کے دوران امام کی تبدیلی

سوال ہمارے ایک دوست مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گئے تو ایک مرتبہ عجیب و غریب اتفاقی واقعہ پیش آیا کہ امام صاحب نماز پڑھاتے ہوئے درمیان میں کسی عذر کی بنا پر پیچھے ہٹ گئے اور صف سے ایک دوسرے صاحب نے

---

(۱) حاشیہ بخاری ۳۴۶/۱ ، ط : دیوبند

(۲) شفاء الغرام باخبار الحرام ۱۱۷/۲

آگے بڑھ کر امام کی جگہ لے لی اور نماز مکمل کی، کیا اس طرح سب لوگوں کی نماز دُرست ہوگئی؟ (حسیب اعظمی)

جواب جی ہاں! اس طرح سب لوگوں کی نماز دُرست ہو جائے گی، کسی عذر کی بنا پر امام پیچھے ہٹ جائے تو مقتدیوں میں سے کسی کو آگے بڑھ کر نماز مکمل کرنی چاہئے اور لوگوں کی امامت کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔(۱)

یہ بد نصیبی نہیں تو اور کیا ہے؟

سوال ہمارے کچھ دوست ایسے ہیں جو یہاں حرمین شریفین اور دوسرے شہروں میں مقامی ائمہ کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے، کہتے ہیں کہ یہ لوگ نماز غلط وقت میں پڑھتے ہیں اور یہ کہ یہ لوگ وہابی اور گستاخِ رسول ہیں، ہم انھیں کیسے سمجھائیں؟ (شاہین اختر وحید، جدہ)

جواب اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کو گمراہی کے اندھیرے میں نہیں رکھا، ہر ایک کے لئے ہدایت و گمراہی دونوں کو بیان فرما دیا، یہ لوگوں کی اپنی بدبختی ہوتی ہے کہ وہ ہدایت کے بجائے گمراہی کو قبول کر لیتے ہیں، قرآن نے سب سے زیادہ خسارے اور نقصان والا ان لوگوں کو بتایا ہے جو گناہوں کو نیکیاں سمجھ کر زندگی بھر انجام دیتے رہیں، جیسا کہ سورۃ الکہف آیت نمبر ۱۰۴ میں ارشاد ہے۔

آپ نے جن لوگوں کا حوالہ دیا ہے، یہ ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرنے والے لوگ ہیں۔ کاش! کہ یہ لوگ عقل و انصاف سے کام لیں اور سمجھیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ جہاں تک عصر اور ظہر کی نمازوں میں وقت کا اختلاف ہے تو یہ فقہی اختلاف ہے، حنابلہ اور احناف کے درمیان اوقات نماز میں تھوڑا سا اختلاف ہے، لیکن دونوں اوقات صحیح احادیث سے ثابت ہیں، صرف اپنے مسلک اور اپنی بات کو صحیح قرار دے کر دوسروں کی رائے کو غلط کہنا کہاں کا انصاف ہے؟

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو یہ بھی ہم سب جانتے ہیں کہ یہاں کے علماءِ دین

---

(۱) الفقہ الاسلامی و أدلتہ ۲/ ۲۵۰، بدائع ۱/ ۲۲۰، قاضی خان ۱/ ۱۱۵

اور باشندوں کو وہابی اور گستاخ رسول کہنا محض ایک جھوٹا الزام اور بہتان ہے، یہاں کے مقامی مسلمان درود وسلام کثرت سے پڑھتے ہیں، کیا آپ نے خود محسوس نہیں کیا کہ ہر مقامی عرب مسلمان سرکارِ دو عالم ﷺ کا نام نامی زبان پر لاتے ہی یا دوسرں سے سنتے ہی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا ﷺ ضرور پڑھتا ہے، صرف غلط فہمی یا کج فہمی اور ہٹ دھرمی کی بنا پر مسجد میں جماعت سے نماز نہ پڑھنا اور حرمین شریف جیسے مقدس مقامات میں بھی جماعت ترک کر دینا یقیناً بہت بڑا گناہ اور ایک بہت بڑی سعادت سے محرومی ہے۔ اسے بدبختی اور بدنصیبی نہیں تو اور کیا کہیں؟ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رکھے۔

ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت

سوال ہم لوگ نماز کے پابند ہیں، لیکن ہم میں سے کئی لوگوں کو قرآن کریم کی سورتیں یاد نہیں، صرف سورۂ اخلاص یاد ہے۔ لہٰذا نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پڑھ کر رکوع کرتے ہیں، کیا اس طرح نماز ادا ہو جائے گی؟ اگر نہیں تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہم میں سے کئی ضعیف بھی ہیں جن کی یادداشت کمزور ہے۔ (محمد رمضان مسکین، نامطرہ)

جواب ہر رکعت میں ایک سورہ پڑھنے سے نماز درست ہو جائے گی، البتہ بلا عذر کے ایسا کرنا مکروہ ہے، اگر کسی کو کوئی دوسری سورت یا آیت یاد نہ ہو اور وہ اس طرح کرے تو کوئی کراہت نہیں، جو لوگ یاد کر سکتے ہوں، انھیں چاہئے کہ کوشش کر کے چھوٹی چھوٹی چند سورتیں یاد کر لیں، تاکہ انھیں نمازوں میں پڑھ سکیں اور اس وقت تک ضم سورہ کے طور پر سورہ اخلاص ہی پڑھ لیا کریں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

إذا قمت إلى الصلوٰة فكبر ثم اقرأ ماتيسّر معك من القرآن۔ (۱)

اگر تم نماز کے لئے کھڑے ہو اور کچھ بھی قرآن یاد ہو تو اسی کے بقدر پڑھ لو۔

---

۱) صحیح البخاری / کتاب الأذان / باب وجوب القراۃ للامام والمأموم حدیث ۷۵۷، صحیح مسلم / کتاب الصلاۃ / باب وجوب قراۃ الفاتحہ حدیث ۳۹۷

مسبوق کس طرح نماز ادا کرے؟

سوال اگر مقتدی امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شامل ہو، یا تیسری رکعت میں شامل ہو تو اپنی باقی ماندہ رکعات کیسے ادا کرے؟ نیز مغرب کی نماز میں اگر صرف ایک رکعت ملے تو باقی دو رکعت کیسے ادا کرے؟

(عبدالرحیم محمد با معروف، جدہ)

جواب یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ ہر نماز کا اپنے وقت پر پڑھنا فرضِ عین ہے، جیسا کہ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اسی طرح یہ بات بھی قرآن پاک سے ثابت ہے کہ نماز کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیا جائے، جیسا کہ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۴۳ میں ارشاد ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں (بلا عذرِ شرعی) سستی و کاہلی کرنا منافقت ہے(۱) ——— اور یہ ایک سنگین جرم ہے، جیسا کہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اگر کسی وجہ سے کبھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور مسجد پہنچنے میں تاخیر ہو جائے اور ایک یا دو رکعت چھوٹ جائیں تو انھیں امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں تفصیل یہ ہے کہ جس شخص کو امام کے ساتھ تمام رکعتیں ملی ہوں اسے "مدرِک" کہتے ہیں، اگر کسی شخص سے جماعت کی ایک رکعت یا کئی رکعتیں رہ گئی ہوں تو اسے "مسبوق" کہتے ہیں۔ اپنی چھوٹی ہوئی رکعات یوں پوری کی جائیں کہ یہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور جو رکعات چھوٹ گئی ہیں ان کو اس طرح سے پورا کرے گویا کہ اس نے ابھی نماز شروع کی ہے، مثلاً ایک رکعت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پہلے ثناء پھر تعوذ و تسمیہ، سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورہ پڑھ کر یہ ایک رکعت پوری کی جائے۔ کسی بھی نماز کی ایک رکعت ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے اور اگر ظہر، عصر، عشاء یا فجر میں اگر دو رکعتیں رہ گئی ہیں تو پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ و تسمیہ کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر ایک رکعت ادا کر کے دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورہ پڑھ کر رکوع سجدہ کریں اور قعدہ میں بیٹھ کر پوری التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے، ظہر و عصر یا عشاء کی صرف ایک رکعت امام کے ساتھ ملی ہو اور تین

(۱) سورۃ النساء آیت ۱۴۲

رکعات چھوٹ گئی ہوں تو ان کو اس طرح سے پورا کیا جائے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ وسورہ پڑھ کر رکوع سجدہ کرنے کے بعد قعدۂ اولیٰ کا خیال کر کے بیٹھ جائے اور التحیات کے الفاظ ''عبدہ ورسولہ'' تک پڑھ کر اُٹھ کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑ کر رکوع سجدہ کر کے پھر کھڑا ہو جائے، تا کہ اب کی بار صرف فاتحہ کے ساتھ مع رکوع وسجود تیسری رکعت مکمل کر لے، اس طرح قعدۂ اخیرہ میں التحیات، درود شریف اور آخری دُعاءِ مسنون پڑھ کر سلام پھیر دے۔ مغرب کی نماز میں اگر امام کے ساتھ آخری کی ایک رکعت ملی ہو تو اپنی باقی نماز اس طرح سے پوری کرے کہ پہلی رکعت میں فاتحہ وسورہ پڑھ کر پہلے تشہد میں بیٹھے پھر اُٹھ کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں بھی فاتحہ اور سورہ پڑھے اور پھر آخری قعدے میں بیٹھ کر سلام پھیر دے۔

مسبوق کے لئے ثنا اور درود

سوال اگر میں فرض نماز میں تاخیر سے پہنچوں تو رکعت باندھتے ہی ثنا پڑھوں یا امام کے سلام پھیرنے کے بعد؟ نیز قعدۂ ثانی میں التحیات اور درود شریف پڑھوں یا صرف التحیات؟ (محمد عبدالواحد، مدینہ منورہ)

جواب اگر آپ پہلی رکعت میں امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائیں تو آپ اس وقت تک ثناء پڑھ سکتے ہیں جب تک کہ امام قرأت نہ شروع کرے، اگر اتنی تاخیر سے پہنچیں کہ امام قرأت شروع کر چکا ہو تو اب ثناء پڑھنے کی ضرورت نہیں، اور اگر پہلی رکعت چھوٹ جائے، دوسری تیسری رکعت میں جماعت میں شامل ہوں تو جماعت میں شریک ہوتے ہی ثناء پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب آپ اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پوری کرنے کے لئے کھڑے ہوں تو ثناء سے ابتداء کریں، اسی طرح پہلے قعدہ میں صرف التحیات پڑھی جاتی ہے اور آخری قعدہ میں التحیات کے ساتھ درود شریف اور دعائے ماثورہ بھی، لہٰذا اگر کسی کی ایک دو رکعات چھوٹ جائیں تو وہ امام کے ساتھ (امام کے آخری قعدہ میں) صرف التحیات ہی پڑھے پھر اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پوری کر کے اپنے آخری قعدہ میں التحیات کے ساتھ دُرود شریف اور دُعاءِ ماثورہ بھی پڑھ کر سلام پھیر دے۔

فجر کی سنت کب پڑھیں؟

سوال اگر کوئی شخص فجر کی سنت نہ پڑھ سکے اور فرض نماز کی جماعت میں شامل ہو جائے، تو کیا سنتِ فجر کی قضا ضروری ہے؟ نیز اس سنتِ نماز کو کب پڑھا جائے؟ فرض کے بعد فوراً یا سورج طلوع ہونے کے بعد، یہاں لوگ اکثر فرض کے بعد پڑھ لیتے ہیں؟ (محمد عقیل خاں، الدوادمی، خورشید احمد، جدہ)

جواب فجر کی نماز سے قبل دو رکعت سنت کی احادیث میں نبی کریم ﷺ سے بڑی تاکید منقول ہے، چنانچہ ائمہ وفقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اگر فرض سے قبل اسے ادا نہ کرسکیں تو بعد میں اس کی قضا کی جائے، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ قضا کب کریں؟ امام شافعیؒ کے نزدیک تو فرض نماز کے بعد فوراً ہی قضا دُرست ہے (۱) — جب کہ احناف کے یہاں یہ جائز نہیں، بلکہ سورج طلوع ہونے کے بعد (یعنی اشراق کے وقت) سنتِ فجر کی قضا کرنی ہوگی۔ فقہِ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی'' میں علامہ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ نمازِ فجر کے بعد ہی سنتوں کی قضا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ چاشت کے وقت (یعنی سورج کچھ بلند ہو جائے تو) اس کی قضا کی جائے اور کہا کہ اگر فجر کے بعد ہی ان دو رکعتوں کو پڑھ لیں تب بھی کافی ہے (۲) دراصل اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات سے نمازِ فجر کے بعد مطلقاً سورج نکلنے تک نماز کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، البتہ محدثین نے اس کی سند پر کلام بھی کیا ہے، نیز ترمذی کی ایک روایت جو فجر کے بعد سنتِ فجر کی قضا کے جواز کے سلسلہ میں بطورِ دلیل پیش کی گئی ہے، اسی روایت سے ممانعت بھی سمجھی جاسکتی ہے، چنانچہ صاحب المغنی نے بھی اس احتمال کی گنجائش ذکر کر کے لکھا ہے کہ: ''جب یہ معاملہ ہے تو سنتِ فجر کو چاشت کے وقت تک مؤخر کرنا ہی بہتر ہوگا'' تاہم فقہ حنبلی کی رو سے فرض کے بعد سنت کی قضا (اگرچہ پسندیدہ نہیں لیکن) جائز ہے، اسی لئے یہاں اسی پر عمل ہے، جب کہ احناف کے نزدیک یہ جائز نہیں، سنتِ فجر کی قضا سورج طلوع ہونے کے بعد ہی کرنا ہوگی، کیوں کہ ایک صحیح حدیث میں جناب نبی اکرم ﷺ کا حکم ہے:

---

(۱) المغنی ۱/۴۳۱ (۲) المغنی ۱/۴۳۱

من لم یصلّ رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس . (۱)

جس سے فجر کی دو رکعت سنت چھوٹ گئی ہو اسے چاہئے کہ طلوع آفتاب ہی کے بعد ادا کرے۔

ایک اور روایت کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں :

من لم یرکع رکعتی الفجر فلیصلهما بعد أن تطلع الشمس . (۲)

جس سے فجر کی دو رکعت سنت چھوٹ گئی ہو، وہ ان دونوں رکعتوں کو سورج نکلنے سے پہلے نہ پڑھے۔

اس روایت میں صراحتاً نہ پڑھنے کا حکم ارشاد ہوا ہے جب کہ پہلی روایت میں طلوع آفتاب ہی کے بعد پڑھنے کا حکم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احناف کے یہاں سورج نکلنے سے قبل سنتِ فجر کی قضا درست نہیں (۳)

ظہر اور عصر میں سری قرأت

سوال ظہر اور عصر کی نمازیں اگر تنہا پڑھی جائیں تو کیا آواز سے قرأت کرنا جائز ہے؟ (ذاکر حسین، الحسا۔)

جواب ظہر اور عصر کی نمازیں سری پڑھی جائیں، چاہے جماعت کے ساتھ نماز ہو رہی ہو یا کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہو، آواز سے قرأت کرنا جائز نہیں، جہری نمازیں ہوں تو منفرد کو اس میں اختیار ہے، چاہے تو بلند آواز سے قرأت کرے یا آہستہ قرأت کرے، جہری نماز میں منفرد آہستہ قرأت کرے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا، سری نمازوں میں جہراً قرأت کرے گا تو سجدۂ سہو کرنا ہوگا۔ (۴)

امام احمد بن حنبلؒ کی بھی رائے یہی ہے، تاہم ان کے نزدیک جہری نمازوں میں جہری قرأت اور سری نمازوں میں سری قرأت کا لحاظ رکھنا مستحب ہے، اگر کوئی جہری نمازوں یعنی

---

(۱) ترمذی عن أبی هریرة ، باب ماجاء فی اعادتها بعد طلوع الشمس ابواب الصلوٰة حدیث ۴۲۳

(۲) الترمذی : عن أبی هریرة باب ماجاء فی اعادتها بعد طلوع الشمس کتاب الصلوٰة

(۳) المغنی ۵۳۲/۲ (محقق) (۴) بدائع الصنائع ۶۱/۲-۱۶۰

مغرب، عشاء، فجر میں سری قرأت کرلے یا سری نمازوں یعنی ظہر اور عصر میں جہری قرأت کرے تو اس کا یہ عمل خلافِ سنت تو ضرور ہوگا، لیکن اس سے نماز کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، نماز دُرست ہوجائے گی۔(۱)

عصر کے بعد ذکر واذکار

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ عصر کے بعد قرآن پڑھنا صحیح نہیں، کیا یہ بات دُرست ہے؟ (ذکی احمد، الخبر)

جواب عصر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت اور دوسرے اذکار وغیرہ کرنے جائز ہیں، ممانعت صرف نماز اور سجدۂ تلاوت کی ہے۔(۲)

ظہر اور عصر میں سری قرأت کیوں ہے؟

سوال فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قرأت بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے، لیکن نمازِ ظہر وعصر میں اُونچی آواز سے قرأت کیوں نہیں کی جاتی؟

(اصغر علی سامی بن لادن)

جواب ظہر وعصر کی نمازوں میں آہستہ اور مغرب، عشاء وفجر کی نمازوں میں بلند طریقہ پر پڑھنے کا حکم نہایت مناسب اور حکمتِ الٰہی پر مبنی ہے، چوں کہ مغرب اور عشاء اور فجر میں لوگوں کو اکثر کاموں اور پراگندہ خیالات سے فراغت اور مختلف شور وغل کی آوازوں سے ماحول پر خاموشی اور سناٹا ساطاری رہتا ہے اور ان اوقات میں خاص کر عشاء وفجر میں قلب و ذہن پر افکارِ پریشاں کا ہجوم بھی کم ہی رہتا ہے، اس لئے ایسے وقت کی قرأت دلوں میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ اس بات کی طرف خود قرآن میں اشارہ ملتا ہے کہ:

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ۔ (سورۃ المزمل ۶)

یعنی رات کو اُٹھنے سے نفس خوب پامال ہوتا ہے اور کچلا جاتا ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ خوش الحان آدمیوں اور پرندوں کی آوازیں دن کی بہ نسبت رات کے اوقات میں دلوں کو بھلی محسوس ہوتی ہیں اور زیادہ اثر آفریں بھی ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے

---

(۱) المغنی ۳۳۲/۱ (۲) هدایه مع الفتح ۲۰۴/۱

ان اوقات میں جہری قرأت کرنے کا حکم ہوا ہے۔

اس کے بالمقابل دن کے وقت بازاروں اور گھروں میں شور وشغب رہتا ہے، ظہر اور عصر کے اوقات میں کاروبار اور دوسرے دنیوی مشاغل سے دل کو فراغت نہیں مل پاتی اور بات کی طرف توجہ جمتی نہیں ہے، زیادہ اثر انداز ہوتی نہیں ہے، اس لئے ان اوقات میں جہری قرأت کا حکم نہیں ہوا۔ خود قرآن بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے :

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلاً ۔ (سورۃ المزمل ۷)

یعنی دن میں تم کو دور دراز کا شغل رہتا ہے، اس طرف پوری توجہ نہیں ہو پاتی

یہی باتیں ہیں جن کے تناظر میں شریعت نے دن کو سری اور رات کو جہری قرأت کا حکم دیا ہے۔(۱)

عصر کے بعد کھانا پینا

سوال پاکستان میں ہماری ایک پڑوسن کہہ رہی تھیں کہ عصر کے بعد مغرب کی اذان تک پانی نہیں پینا چاہئے، میں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو جواب دیا کہ اس وقت زندہ انسان پانی پیتے ہیں تو اس سے مردوں کو تکلیف ہوتی ہے، کیا یہ خیال دُرست ہے؟

جواب عصر کی نماز کے بعد کھانا پینا جائز ہے، یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ عصر کے بعد کچھ کھانا پینا جائز نہیں ہے، یہ اغلاط العوام میں سے ہے اور اس کی دینی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے

نمازِ مغرب میں چار مرتبہ تشہد

سوال اگر کوئی شخص نمازِ مغرب میں اُس وقت شریک ہو جب کہ امام دوسری رکعت کا سجدہ کر رہا ہو، ظاہر ہے امام اس کے بعد پہلے قعدہ میں بیٹھے گا اور تشہد پڑھے گا، پھر تیسری رکعت ادا کرنے کے بعد قعدۂ اخیرہ میں بھی امام تشہد، درود اور دعاءِ ماثورہ پڑھے گا، تو کیا اس تاخیر سے آنے والے شخص کو بھی ان دونوں رکعتوں میں امام کے ساتھ تشہد وغیرہ پڑھنا ہوگا؟ اور پھر یہ امام کے

---

(۱) المصالح العقلية للاحكام النقلية ۹۱/۱

سلام پھیرنے کے بعد اپنی دوسری اور تیسری رکعت میں بھی تشہد پڑھے گا؟ اس صورت میں یہ تاخیر سے آنے والا شخص چار مرتبہ تشہد پڑتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (عبید اللہ انور، ریاض)

جواب قعدۂ اولی واخیرہ میں مسبوق یعنی تاخیر سے آنے والا مقتدی بھی امام کے ساتھ تشہد پڑھے گا، اسی طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب وہ اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پورے کرے گا تو بھی قعدۂ اولی میں تشہد اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے ساتھ درود شریف اور دُعاءِ ماثورہ پڑھنا ہوگا، البتہ امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد مسبوق کو کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں، مذکورہ بالا صورت میں مسبوق کی طرف سے چار مرتبہ تشہد پڑھا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ امام کی معیت میں جو دو تشہد ادا کئے گئے وہ امام کی اقتداء و متابعت میں ضروری تھے اور جو دو امام کے سلام کے بعد ادا کرنے پڑے وہ اس مسبوق کے حق میں دراصل قعدۂ اولی اور قعدۂ ثانیہ ہیں۔ (۱)

نمازِ عشاء کا مستحب وقت

سوال نمازوں کے بارے میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا وہی وقت ہے، جو مقرر ہے، لیکن ہمارے ایک دوست یہ فرماتے ہیں کہ نمازِ عشاء جتنی دیر سے پڑھی جائے اتنی ہی بہتر وافضل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عموماً میری نمازِ فجر قضا ہو جاتی ہے، طبیعت میں اتنی سستی و کاہلی رہتی ہے کہ اُٹھ کر پانی میں ہاتھ ڈالنے کو جی نہیں چاہتا، کیا اس بارے میں کوئی وظیفہ ہے؟

(محمد محی الدین حسن، مدینہ منورہ)

جواب احناف کے یہاں عشاء کی نماز کا وقت مغرب کے بعد شفق کی سرخی کے ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہ صبح صادق تک رہتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے واخر وقت العشاء حین یطلع الفجر (۲)—— البتہ افضل و بہتر وقت تہائی رات کا وقت

---

(۱) ھندیۃ ۹۱/۱

(۲) شرح معانی الآثار ۷۸/۱ ط: دیوبند

ہے، امام احمد بن حنبلؒ کی بھی یہی رائے ہے(۱) — ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ عشاء کی نماز شفق (کی سرخی) ڈوبنے سے لے کر پہلی تہائی رات گذرنے تک پڑھا کرتے تھے۔ وکانوا یصلون فیما بین أن یغیب الشفق الی ثلث اللیل الاول . (۲)

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہے، جس کے مطابق سیدنا ابو برزہ ؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نمازِ عشاء کو دیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے کان النبی ﷺ یستحب تاخیرھا (۳) —— اور سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے عشاء کی نماز بہت دیر سے پڑھائی (آدھی رات کے وقت) اور فرمایا کہ اگر مجھے اپنی اُمت پر مشقت وتکلیف کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انھیں حکم دیتا کہ وہ اسی وقت نمازِ عشاء پڑھیں۔ قال لو لا أن أشق علی امتی لأمرتھم ان یصلوا ھکذا . (۴)

رہا آپ کا دوسرا سوال کہ فجر کی نماز کے وقت اُٹھنے کے لئے کوئی دُعا یا وظیفہ بتایا جائے، تو میرے بھائی! سب سے اچھا وظیفہ آپ کی قوتِ ارادی ہے، کیا اپنے مولیٰ و مالک کو خوش کرنے کے لئے آپ کے پاس اتنی بھی قوت نہیں ہے کہ آپ فجر کے وقت اُٹھ کر دو رکعت نماز پڑھیں۔

نمازِ عشاء میں دو یا تین رکعتوں پر سلام

سوال میں عشاء کی نماز چار رکعت فرض پڑھ رہا تھا، غلطی سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر دوبارہ چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی اور تین رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر دیا، پھر چار رکعت کی نیت سے تیسری بار نماز شروع کی اور مکمل نماز ادا کی، اگر ایسا اتفاق ہو جائے کہ چار رکعت والی نماز میں دو یا تین

---

(۱) المغنی ۲/۲۷

(۲) بخاری، باب النوم قبل العشاء لمن غلب، حدیث نمبر ۵۶۹

(۳) بخاری، باب وقت العشاء الی نصف اللیل، حدیث نمبر ۵۷۱

(۴) بخاری، باب النوم قبل العشاء

رکعت کے بعد کوئی سلام پھیر دے تو اسے باقی نماز کس طرح ادا کرنی چاہئے، کیا وہ بار بار چار رکعت کی نیت سے چار رکعت نماز پڑھے یا دو رکعت ادا کرے؟ اس بارے میں حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

(میاں جان، ریاض)

جواب اگر کوئی شخص چار رکعت والی نماز میں بھول کر دو یا تین رکعت پر ہی سلام پھیر دے اور پھر یاد آئے کہ اس نے مکمل چار رکعت ادا نہیں کی ہے، تو اسے چاہئے کہ یاد آتے ہی کھڑا ہو کر بقیہ نماز اس طرح ادا کرے کہ جتنی رکعتوں کے باقی رہ جانے پر گمانِ غالب ہو اتنی رکعتیں پوری کرلے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلے، الگ سے چار رکعات کی نیت سے نماز شروع کرنے کی ضرورت نہیں، بشرطیکہ کوئی مفسدِ نماز عمل نہ پایا گیا ہو، مثلاً دو یا تین رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اس نے کسی سے بات چیت کی یا وہاں سے اُٹھ کر دوسری طرف چلا گیا اور اس کا سینہ قبلہ سے پھر گیا، یا اس شخص کا وضو ہی ٹوٹ گیا وغیرہ، ایسی صورتوں میں نماز کا اعادہ یعنی دوبارہ مکمل چار رکعات نماز ادا کرنا ضروری ہے، پہلی نمازیں اس کے حق میں نفل ہو جائیں گی۔(۱)

بیت المقدس کو قبلۂ اوّل بنانے کی حکمت

سوال بیت المقدس کو قبلۂ اوّل کیوں کہا جاتا ہے، جب کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر اس سے قبل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی مرضی سے اس کی عبادت کے لئے کی تھی؟ نبی کریم ﷺ کیا مسجدِ حرام میں (ہجرت سے قبل) بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ اس میں کیا حکمتِ الٰہی ہے کہ خود عبادت کے لئے گھر تعمیر کرنے کا حکم ہو اور پھر رُخ بیت المقدس کی طرف کیا جائے؟

(عارف حسین محمد نیازی، جدہ)

جواب اللہ پاک نے انسان کے نوشتۂ تقدیر میں لکھ رکھا ہے کہ یہ طبعی میلان کے لحاظ سے اجتماعیت پسند ہو، چنانچہ جو لوگ فطرتِ سلیمہ کے حامل ہوتے ہیں وہ مل جل کر زندگی بسر کرنے کے خوگر ہوتے ہیں اور باہمی اتفاق واتحاد کو فروغ دیتے ہیں اور یہ بات بنی آدم کی

---

(۱) ھندیة ۱/۱۳۰

مابہ الامتیاز خصوصیات میں سے ہے۔

مگر اس انسان میں جب مال وجاہ کی محبت، خودغرضی اور دیگر اخلاقی امراض پروان چڑھنے لگتے ہیں تو یہی انسان اپنے ملک میں، اپنے معاشرے میں حتیٰ کہ اپنے گھر میں بیگانے کی طرح اور دشمن واجنبی کے مانند وقت گذارتا ہے، حالاں کہ یہ اس کی فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے۔ الغرض اللہ رب العزت نے عبادات ومعاملات میں اُسی یگانگت واتحاد اور باہمی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے دوسرے جن وسائل کو بروئے کار لانے کا حکم دیا ہے وہاں قبلہ کی وحدت کا اہتمام سب سے زیادہ اہم ہے۔

اگرچہ خالق ارض وسماء کی ذات اقدس کے لئے کوئی خاص سمت متعین نہیں ہے، لیکن بندوں میں وحدت کے لئے نیز اپنی وحدانیت کے اظہار کے پیش نظر مرکز کی وحدت کا تعین فرمادیا اور اللہ تعالیٰ اس بارے میں اپنی مرضی کا مالک وخودمختار ہے کہ جدھر چاہے، جس وقت تک کے لئے چاہے اور جن لوگوں کے لئے چاہے، وحدتِ مرکز کا تعین فرمادے، اس سے قطعِ نظر کسی بھی سمت کو اپنے تئیں کوئی خصوصیت نہیں ہے، الا یہ کہ خالق سمت وجہت اس میں کوئی امر متعین کردے۔

روئے زمین پر عبادت کے لئے جو پہلا گھر تعمیر ہوا تھا وہ موجودہ خانۂ کعبہ ہے۔ پہلے تو یہ فرشتوں کے ہاتھوں تعمیر ہوا، تاکہ سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد اس اوّلین مسجد میں اللہ پاک کی عبادت کرسکیں۔ یوں اس مسجد کو اللہ کے یہاں خاص شرفِ قبولیت حاصل رہا۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبٰرکاً وھدی للعلمین .

(آل عمران ۹۶)

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے جو تمام دُنیا کے لئے برکت وہدایت والا ہے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے سیدنا شیث علیہ السلام، سیدنا ادریس علیہ السلام، سیدنا نوح علیہ السلام اور دیگر صالحین اسی خانۂ کعبہ کے اندر عبادات کیا کرتے تھے، تاآنکہ طوفانِ نوح کے تباہ کن اثرات کے نتیجے میں دیگر آبادی کی طرح یہ بیت اللہ شریف بھی صفحۂ ہستی سے مٹ

گیا، پھر عرصۂ دراز بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام وسیدنا اسماعیل علیہ السلام نے بذریعہ وحی الٰہی اس خانۂ کعبہ کی تعمیر نو فرمائی اور انتہائی خلوصِ نیت کے ساتھ اصلی بنیاد پر اسے قائم کیا اور دورانِ تعمیر بار بار قبولیت کے لئے دُعا کرتے رہے (البقرۃ ۱۲۷) اُس وقت تک یہ گھر مسجد ہی رہا، قبلہ نہیں ٹھہرا

دوسری جانب سیدنا یعقوب علیہ السلام نے ایک روایت کے مطابق نذر مانی اور دوسری روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خود انھیں حکم دیا کہ یروشلم کی موجودہ جگہ پر خاص اللہ کی عبادت کے لئے ایک مسجد بنائیں۔ چنانچہ نہایت خلوصِ دل سے انھوں نے اللہ کی عبادت کے واسطے ایک مسجد تعمیر کی اور اللہ نے اسے خاص شرفِ قبولیت سے نوازا۔(۱)

چنانچہ بعد میں سیدنا یعقوب علیہ السلام کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کے لئے اسی مسجد کو قبلہ کا درجہ دے دیا گیا، تاکہ یہ سب لوگ اور ان میں آنے والے انبیاءِ کرام بھی اپنے والد بزرگوار کی تعمیر کردہ مسجد کی جانب رُخ کر کے نمازیں ادا کیا کریں، وہی مبارک مسجد ''بیت المقدس'' کہلاتی ہے۔

جب رسول کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ بھی حسبِ حکم سابق اسی بیت المقدس کا رُخ کر کے مکہ معظمہ میں نماز ادا کرتے رہے، لیکن اس طریقہ پر کھڑے ہوتے تھے کہ خانۂ کعبہ بھی سامنے ہوتا اور بیت المقدس کا رُخ بھی صحیح ہوتا تھا، تاکہ دونوں مقبول مسجدوں کا لحاظ رہے۔ اس امر کے لئے آپ ﷺ حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیان کھڑے ہوتے تھے۔

لیکن جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو محل وقوع کے لحاظ سے بیت المقدس شمال کی جانب اور خانۂ کعبہ جنوب کی جانب واقع تھا اور یوں آپ ﷺ کے لئے بیک وقت دونوں کو قبلہ بنانا مشکل ہو گیا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے تقریباً اٹھارہ مہینے تک بیت المقدس کا رُخ کر کے نمازیں ادا کیں، کیوں کہ جب تک کوئی نیا حکم شرعی نہ آجاتا تھا، آپ ﷺ شریعتِ سابقہ کی پیروی فرماتے تھے، لیکن دل میں بہرحال یہ تمنا تھی کہ اللہ کرے خانۂ کعبہ ہی مستقل طور سے قیامت تک کے لئے قبلہ بن جائے، کیوں کہ یہی دُنیا کا پہلا گھر ہے اور ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی تھی، چنانچہ آپ ﷺ آسمان کی جانب

---

(۱) البداية والنهاية لابن كثير ۱/ ۹۶-۱۹۴

بار بار اپنی نظریں اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے تھے کہ نہ معلوم کب یہ تمنا اللہ کی طرف سے بر آتی ہے۔ بالآخر موافقت میں وحی نازل ہوئی اور تمنا پوری ہوئی۔ (البقرۃ ۱۴۴) اسی حقیقت کو شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے اپنے مخصوص انداز سے یوں تعبیر کیا ہے :

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یوں قیامت تک کے لئے ساری دُنیا کے مسلمانوں کے واسطے بیت اللہ شریف کو مرکز وحدت یعنی قبلہ بنا دیا گیا تاکہ اسی کے اردگرد گھومیں اور ہر جگہ سے اس کی طرف رُخ کر کے نمازیں ادا کریں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اگر چہ بنی اسرائیل کے انبیاء و رسل اور ان کے تابع داروں کے لئے بیت المقدس قبلہ رہا، لیکن وہ حضرات بھی دورانِ نماز اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ بیک وقت بیت اللہ شریف بھی سامنے ہو۔ (۱)

اس ضمن میں ایک اور بات بیان کر دی جاتی ہے کہ سورۂ یونس آیت نمبر ۸۷ میں جو یہ آیا ہے کہ "تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو قبلہ بنالو اور نماز قائم کیا کرو" تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے فرماں برداروں کے لئے بیت المقدس قبلہ ہونے کے بجائے ہر شخص کا اپنا گھر قبلہ کر دیا گیا ہو، بلکہ آیتِ کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو مسجد بنالو، یعنی نماز گھروں میں پڑھ لو جس میں قبلہ کا لحاظ کرنا پڑتا ہے، البتہ قبلہ وہی بیت المقدس ہی رہے گا۔ یہ حکم اس لئے نازل ہوا تھا کہ فرعون اور فرعونیوں نے یہودیوں کی مساجد تباہ کر دی تھی اور شریعتِ موسوی میں عبادت خاص مسجدوں میں ہی ادا کی جاتی ہوتی تھی، سو لوگ جب پریشان ہو گئے کہ مسجدیں تو نہیں، اب کیا کیا جائے؟ تو اللہ نے حکم نازل فرمایا کہ اپنے اپنے گھروں کو قبلہ یعنی عبادت خانہ بنالو۔ (۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ چوں کہ نبی کریم ﷺ نے اسلام کے ابتدائی دَور یعنی مکی زندگی کے تیرہ سال اور مدنی زندگی کے تقریباً اٹھارہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں

---

(۱) قرطبی ۱۰۲/۲ ط: بیروت (۲) التفسیر المنیر ۲۴۸/۱۱

پڑھیں، اس لئے بیت المقدس کو قبلۂ اولیٰ کہا گیا۔ اس طرح وحی الٰہی کے نزول پر قیامت تک کے لئے چوں کہ بیت اللہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا، اس لئے یہ قبلۂ ثانیہ کے نام سے مشہور ہو گیا، ورنہ حقیقت میں عبادت کا پہلا گھر یہی تھا۔

جہاں تک حکمت و مصلحت کا تعلق ہے تو اگر ایک ہی جہت یا مکان کو ہمیشہ قبلہ قرار دیا جاتا تو ایک عرصہ گذرنے کے بعد لوگ اس جہت یا مکان کے بارے میں غلط عقائد کا شکار ہو سکتے تھے، اس لئے کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا، گویا یہ حقیقت ذہن نشین کرائی تھی کہ فی نفسہ کسی جہت میں کوئی خوبی نہیں، مؤمن فقط حکم الٰہی کا پابند ہے، اسے جس طرف رُخ کرنے کا حکم ہو، اسی طرف رُخ کرنا اس کے لئے عبادت ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی بے شمار حکمتیں ہیں جسے علماء نے بیان کیا ہے۔ (اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۴۴ کی تفسیر اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغۃ ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

تقاضۂ حاجت کے وقت نماز

سوال وضو کرنے کے بعد یا نماز باجماعت ادا کرنے کے درمیان اگر ہوا خارج ہونے کا اندیشہ ہو اور ہوا خارج ہونے سے روک لیا جائے تو کیا وضو اور نماز پر کوئی اثر پڑے گا؟ (الطاف حسین ہاشمی، مکہ مکرمہ)

جواب اگر ہوا خارج نہ ہو تو اس شخص کا وضو برقرار رہے گا اور نماز ہو جائے گی، لیکن ایسے موقع پر جب کہ ریح خارج ہونے کا یا بول و براز کا شدید تقاضہ ہو تو اسے روک کر نماز پڑھنے سے نماز کا خشوع و خضوع متاثر ہوتا ہے، اس لئے ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، چنانچہ بہتر بات یہی ہے کہ پہلے طبعی تقاضے کو پورا کیا جائے، پھر دوبارہ وضو کر کے خشوع و خضوع سے نماز پڑھی جائے، چاہے یہ حالت نماز سے پہلے پیش آئے یا نماز کے دوران، یعنی نماز کے دوران بھی بول و براز وغیرہ کا تقاضہ ایسا شدید ہو جائے کہ نماز کی توجہ نماز میں نہ رہے تو ایسی صورت میں نماز کا توڑ دینا ہی بہتر ہے۔(۱)

---

(۱) خانیة علی هامش الهندية ۱۱۹/۱ ، هندية ۱۰۷/۱

نماز میں صف بندی

سوال نماز میں کس طرف کھڑا ہونا چاہئے؟ سنت طریقہ کیا ہے؟ (لیاقت، ریاض)

جواب بہتر اور مسنون طریقہ یہی ہے کہ صفیں بناتے ہوئے کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملا رہے، تاکہ شیطان کو صفوں میں داخل ہونے کا موقع نہ ملے۔ ویسے اس سلسلہ میں مسلک کی تفصیل یہ ہے:

حنفیہ کے یہاں مستحب یہ ہے کہ قیام کی حالت میں دونوں قدم کے درمیان کم سے کم چار انگلیوں کے بقدر فصل رہے، اس لئے کہ یہ صورت خشوع وخضوع پیدا کرنے میں زیادہ معین ہے اور اس ہیئت میں زیادہ تواضع اور ادب کا اظہار ہوتا ہے، جو کہ اللہ کی تعظیم کے لئے نماز میں مطلوب ہے۔

شوافع کے یہاں مستحب یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان ایک بالشت کی بقدر فصل رہے، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں قدموں کو اس طرح کشادہ رکھے کہ نہ بالکل ملے ہوئے ہوں اور نہ ہی زیادہ دُور ہوں (۱) —— البتہ ایک بات ذہن میں رہے کہ صف بندی کا سارا اہتمام نماز شروع کرنے سے پہلے کرلیا جانا چاہئے، کیوں کہ نماز نہایت ہی عظیم الشان عبادت ہے، اس میں قیام اور رکوع وسجود جیسی حرکات وسکنات کے علاوہ خارجی عمل سے حتی الامکان بچنا چاہئے (۲) اور صف بندی کے نام سے بے ڈھنگے پن سے بھی نہیں کھڑا ہونا چاہئے، کیوں کہ مقام ادب کا ہے اور پھر صف بندی کا مقصد قطاروں کا سیدھا ہونا ہے کہ کوئی آگے اور کوئی پیچھے نہ ہو بلکہ سبھی ایک ہی لائن پر سیدھے کھڑے ہوں، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک نمازی دوسرے کی انگلی پر اپنی انگلی چڑھادے، اس کے لئے پاؤں چیر کر غیر مہذب انداز میں کھڑا ہو اور خوش فہمی میں یہ سمجھ بیٹھے کہ پاؤں ملانے کے حکم پر خوب عمل ہورہا ہے۔ دراصل ''یک من علم را دہ من عقل باید'' یقیناً حدیث شریف میں کندھے اور پاؤں کو ملانے کا حکم ارشاد ہوا ہے، لیکن اس حکم کا مفہوم ومطلب سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مقصد یہ

---

(۱) الفقه الاسلامی وأدلته ۱/ ۹۹۵

(۲) البقرة ۲۲۸، التفسیر المنیر ۲/ ۳۹۲

ہے کہ آدمی آگے پیچھے ہو کر کھڑا نہ ہو کہ اس سے صف ٹیڑھی ہو جاتی ہے، جس سے منع فرمایا گیا تاکہ دلوں میں ٹیڑھا پن پیدا نہ ہو جائے۔ حدیث میں لفظ "تراصوا" آیا ہے جو صفوں کے اتصال اور اعضاء کی محاذات پر واضح دلالت کرتا ہے۔(۱)

نیز دورانِ نماز مستحب طریقہ یہ ہے کہ مصلی کے دونوں پاؤں کا رُخ بھی خانہ کعبہ کی جانب ہو، نہ کہ دائیں اور بائیں جانب اور المغنی میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نماز میں قیام کے دوران اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ پاؤں انتہائی قریب ہوتے نہ کہ دُور، بلکہ مس نہ ہونے تک دونوں پاؤں کو ملا کر کھڑے ہوتے تھے۔(۲)

نماز میں صف بندی

سوال ایک مسجد میں ایسا اتفاق ہوا کہ امام کے پیچھے لوگ دو صفوں میں کھڑے ہو گئے، پھر دورانِ نماز بعد میں آنے والے لوگ تیسری صف چھوڑ کر چوتھی پھر پانچویں صف میں کھڑے ہو گئے، کیا اس طرح چوتھی و پانچویں صف میں نماز پڑھنے والوں کی نماز ادا ہو گئی؟

جواب صفوں کے درمیان طویل فاصلہ دُرست نہیں، تاہم مسجد میں ایک صف چھوڑ دینے سے نماز ادا ہو جائے گی۔

پہلی صف کونسی ہے؟

سوال پہلی صف کسے کہتے ہیں؟ جگہ کی کمی کی بنا پر امام کے ساتھ صف میں ہوں تو پہلی صف کونسی کہلائے گی؟ اگرچہ کہ اقامت امام کے پیچھے والی صف سے دی گئی ہو۔ (اعظم الدین احمد، جدہ)

جواب امام کے بالکل پیچھے جو پہلی صف ہوتی یہ پہلی صف کہلاتی ہے اور احادیث میں پہلی صف میں نماز پڑھنے کے کئی فضائل موجود ہیں، جگہ کی کمی کے باعث جو لوگ امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ان کی صف پہلی صف نہیں کہلا سکتی بلکہ وہ امام کے ساتھ عذر کی وجہ سے نماز پڑھتے ہیں، پہلی صف وہی کہلائے گی جو امام کے پیچھے ہوتی ہے۔

---

(۱) فتاوی رشیدیہ ۱/ ۲۶۲ (۲) المغنی ۲/ ۳۹۶

نصف شب کے بعد نمازِ عشاء

سوال اگر کبھی نمازِ عشاء اصل وقت پر نہ پڑھی جاسکے اور کسی وجہ سے رات بارہ بجے کے بعد فرصت ملے تو کیا پھر عشاء کی نماز قضاء کی نیت سے پڑھنی ہوگی؟ کیوں کہ رات بارہ بجے کے بعد دوسرا دن شروع ہوجاتا ہے؟

(ظفر وقار، خمیس مشیط)

جواب نمازِ عشاء اگر مسجد میں جماعت کے ساتھ کسی مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کی جاسکے تو رات بھر میں کبھی بھی ادا کر سکتے ہیں، اس کا اصل وقت شفق احمر (سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہونے والی سرخی) غائب ہونے کے بعد سے صبح صادق تک رہتا ہے، البتہ آدھی رات تک نمازِ عشاء کو مؤخر کرنے کو مباح اور نصف شب کے بعد نمازِ عشاء کی ادائیگی کو علماء نے مکروہ کہا ہے۔ وتاخیر صلوٰة العشاء إلى ماقبل ثلث مستحب وتاخیرها إلى مابعده إلى نصف اللیل مباح و إلى مابعده إلى طلوع الفجر مکروه إذا کان بغیر عذر (۱) تاہم اس وقت ''ادا'' ہی ہوگی، قضاء نہ سمجھی جائے گی، کیوں کہ اس کا وقت صبح صادق (فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے) تک رہتا ہے، رات بارہ بجے کے بعد سے دن شروع ہونے والی بات دُرست نہیں، شرعاً دن صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک اور رات سورج غروب ہونے کے بعد سے صبح صادق تک رہتی ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک اگر دُشوار نہ ہو تو صبح صادق فجر (جو کہ عشاء کا آخری وقت ہے) تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ (۲)

حرمین کی تصویروں والے مصلّی پر نماز

سوال بکر کے والد ایک مسجد میں منصب امامت پر فائز ہیں، بکر نے اکثر انھیں اس مصلّی پر پاؤں رکھتے دیکھا جس پر مسجد نبوی اور گنبدِ خضرا کے نقش ہیں، نیز بعض مصلّوں پر خانہ کعبہ کے نقش ہوتے ہیں اور وقتاً فوقتاً لوگ اس پر پاؤں رکھ دیا کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا گناہ نہیں ہے؟ نیز اس قسم کے مصلّوں پر نماز پڑھنا کیسا ہے، جب کہ احتیاط مشکل ہو؟ (محمد یٰسین، ریاض)

(۱) منیة المصلی مع الکبیری ۲۳۳ (۲) المغنی ۱/۲۳۶

جواب بلاشک وشبہ ہر مسجد کا ادب واحترام خصوصاً خانۂ کعبہ اور مسجدِ نبویؐ کا احترام انتہائی ضروری ہے، کیوں کہ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں، جہاں خالصتاً اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے، سو کسی صورت میں بھی ان کی توہین جائز نہیں ہے، البتہ جہاں تک کسی خاص مسجد یا حرمین شریفین کے ماڈلوں اور تصاویر (Models and Pictures) کا تعلق ہے تو وہ نہ تو قابل احترام ہیں اور نہ ہی قابل توہین۔ قابل احترام وتعظیم اس لئے نہیں کہ وہ اصل نہیں ہیں، اصل بہرحال اصل ہوتی ہے اور نقل تو نقل ہے ہی، باقی قابل توہین اس لئے نہیں کہ یہ مسجدوں کے ماڈل یا تصاویر ہیں، لہٰذا مدار نیت پر ہے کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسجد یا حرمین کے حوالے سے ان ماڈلوں اور تصویروں کی توہین کرے، اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ اصل کی طرح ان کی تقدیس واحترام کرے، بلکہ عام اشیاء کے درجے میں انھیں سمجھا جائے، نہ ان کے ساتھ قدسیت کا تصور قائم کیا جائے اور نہ اہانت کا۔ واللہ اعلم

البتہ کسی بھی منقوش خاص کر جاذبِ نظر نقش ونگار والی جائے نماز پر نماز پڑھنے کو علماء نے مکروہِ تنزیہی کہا ہے، کیوں کہ اس میں نمازی کی قلبی توجہ نماز پر مرکوز نہیں رہتی۔ ان حضرات نے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس کے الفاظ کو امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور ابوداؤدؒ نے اپنی اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور اس میں ہے:

شغلتني اعلام هذه ، إذهبوا بها إلى أبي جهم بن حذيفة وائتوني بأنبجانية .(۱)

اس کپڑے کے نقش ونگار سے میرا ذہن منتشر ہوگیا، اسے حذیفہ کے بیٹے ابوجہم کو دے آنا اور میرے لئے سادہ کپڑا لانا جس میں نقش ونگار نہ ہو۔

اور انہی کی دوسری روایت میں ہے:

---

(۱) بخاری كتاب الصلاة حديث ۳۷۳ ، باب اذا صلى في ثوب له اعلام ۱۰٤/۱ ، مسلم كتاب المساجد ، حديث ٥٥٦ ، باب كراهة الصلوة في ثوب له اعلام ، ابوداؤد كتاب الصلاة ، حديث ٩١٤ ، باب النظر في الصلاة)

أميطي عنّا قرامك هذا . (۱)

ہم سے نقش ونگار والا یہ کپڑا دور ہٹا دو۔

سترہ کس طرح رکھا جائے؟

سوال نمازی اپنے سامنے سترہ کس طرح اور کیسے رکھے جس کی وجہ سے سامنے سے گذرنے والے گذر سکیں؟ (عبدالخالق قریشی، ریاض)

جواب آبادی سے باہر میدان میں یا عام گذرگاہ پر نماز ادا کی جائے تو نماز پڑھنے والے کو سامنے سترہ کھڑا کر لینا چاہئے، تاکہ سامنے والے کے گذرنے سے اس کی نماز میں فرق نہ آنے پائے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

إذا صلى احدكم فليصل إلى سترة وليدن منها . (۲)

کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنا چاہے تو اسے کسی سترہ کی جانب اور اس سے قریب ہو کے نماز پڑھنا چاہئے۔

سترہ لگانے کے سلسلہ میں فقہاء کی مختلف رائیں ہیں: احناف اور مالکیہ کا خیال ہے کہ سامنے سے کسی آدمی کے گذرنے کا اندیشہ ہو تو امام اور منفرد کے لئے سترہ رکھنا مستحب ہے اور اندیشہ نہ ہو تو سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (۳)

شوافع اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ سترہ کا استعمال بہر صورت مستحب ہے، چاہے میدان میں نماز پڑھ رہا ہو یا آبادی میں، مسجد میں پڑھ رہا ہو یا گھر میں۔ گھر یا مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو بہتر یہ ہے کہ دیوار کو آڑ بنا لے یا کسی ستون والماری وغیرہ کو آڑ بنا لے۔ کھلے میدان یا رہ گذر پر آدمی، گھوڑا، اونٹ یا بکری وغیرہ کو سترہ کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے (۴) بلکہ سامنے کوئی ایسا سامان رکھ دینا بھی کافی ہے جس کی لمبائی ایک ذراع یعنی ۴۶/۲ سینٹی میٹر کے برابر ہو۔ (۵)

---

(۱) بخاری کتاب الصلاة، حدیث ۳۷۴، باب ان صلی فی ثوب مصلب او تصاویر

(۲) ابوداؤد ۱۶۰/۱، ابن ماجه ۳۰۷/۱ (۳) الفقه الاسلامی وأدلته ۷۵۳/۱

(۴) المغنی ۸۵/۳ (۵) المغنی ۸۲۳/۳

احناف کے نزدیک سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ذراع (دو بالشت) اور موٹائی کم از کم ایک اُنگلی کے برابر مناسب ہے۔ سترہ نصب ہونا چاہئے، لیکن اگر نصب کرنا مشکل ہو تو بے شک چوڑائی میں رکھ لینا کافی ہے اور اگر لاٹھی وغیرہ کوئی چیز دستیاب نہ ہو اور اُدھر سے کسی کے گذرنے کا اندیشہ ہو تو ہلالی شکل میں ایک لکیر ہی کھینچ دی جائے۔(۱)

حنبلی مذہب میں سترے کی لمبائی تو ایک ذراع ہے، البتہ موٹائی میں کوئی حد بندی نہیں ہے، نیزہ کی طرح پتلا بھی ہو سکتا ہے اور دیوار جیسا موٹا بھی۔(۲)

جوتوں کے ساتھ نماز کی ادائیگی

سوال جوتوں سمیت نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (راجا احسان اللہ شاکر، ضیاء)

جواب اگر جوتے پاک صاف ہیں تو ان میں نماز پڑھی جا سکتی ہے، بلکہ یہ ایک لحاظ سے سنت ہے۔ سیدنا رسولِ مقبول ﷺ کا ارشاد ہے:

خالفوا الیهود فإنهم لایصلون فی نعالهم ولا فی خفافهم. (۳)

تم لوگ یہودیوں کی مخالفت کرو کہ وہ اپنی چپلیں اور موزے پہن کر نماز نہیں پڑھتے۔

یعنی ہمیں حکم ہے کہ یہودیوں کے برعکس جوتے وغیرہ پہننے کی حالت میں نماز ادا کریں، بشرطیکہ جوتے پلید نہ ہوں اور نہ ہی ان جوتوں کی وجہ سے جائے نماز گندہ ہو جائے، سو جہاں یہ دونوں خطرے نہ ہوں وہاں جوتوں کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے، چوں کہ آج کل مساجد عموماً پاک وصاف رہتی ہیں، پھر دری اور کارپٹ بھی صاف ہوتا ہے، لہٰذا فی زمانہ بعض اہل علم نے اسے نامناسب عمل قرار دیا ہے اور جوتوں سمیت نماز پڑھنا ناپسندیدہ ہے۔(۴)

---

(۱) الهندیه ۱/۵-۱۰۴ نیز دیکھئے: المغنی ۸۶/۳

(۲) المغنی ۸۲/۳

(۳) ابوداؤد ۴۲۷/۱، مستدرك للحاکم ۲۶۰/۱، موارد الظمآن ۱۰۷

(۴) مسند احمد ۹۲،۲۰/۳، دارمی ۳۲۰/۱، ابوداؤد ۴۳۶/۱ (مرقومہ نسخہ)

نماز میں اللہ کا تصور

سوال ایک نمازی جہاں کہیں بھی نماز پڑھ رہا ہو، دورانِ نماز یہ تصور کرے کہ وہ حرم میں کعبۃ اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہے، تو کیا یہ مناسب ہے؟

(انجمن آرا، ریاض)

جواب نماز پڑھتے ہوئے نمازی کو یہ تصور کرنا چاہئے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہوں اور اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، یہ تصور جتنا مضبوط ہوگا اتنا ہی نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہوگا۔ یہ حقیقت بھی ہے اور اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں جبریل امین علیہ السلام کے سوال پر کہ احسان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک . (۱)

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہ دیکھو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

دراصل نماز میں خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کا ہونا ضروری ہے، یہاں تک کہ غفلت کی کیفیت میں نماز پڑھنے کی صورت میں بعض فقہائے کرام کے نزدیک نماز کا اعادہ ضروری ہے، نماز میں حضورِ قلب کے کچھ مراتب بعض اہل اللہ نے بیان کئے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں :

۱) پہلا اور سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ مصلی یہ تصور قائم کر کے نماز ادا کرے کہ گویا وہ اللہ پاک کو دیکھ رہا ہے۔

۲) دوسرے یہ کہ اللہ کے اسے دیکھنے کا تصور ذہن میں لائے کہ اللہ تو یقیناً اسے اور اس کی ساری حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہے، لہٰذا انتہائی ادب واحترام کے ساتھ نماز پڑھے۔

۳) اور اگر یہ تصور بھی قائم نہ کر سکے تو قرآنی آیات اور تکبیر وتسبیح کے معانی پر توجہ دیتے ہوئے نماز پڑھے۔

---

(۱) مسلم عن ابی ہریرۃ کتاب الایمان ۲۹/۱

۴) اور اگر معانی نہ سمجھتا ہو تو ظاہری الفاظ پر دھیان رکھ کر نماز ادا کرے۔

۵) اور اگر ذہن پھر بھی منتشر ہے تو چوں کہ خانہ کعبہ کی عظمت دل میں ہوتی ہے، اس لئے ذہن میں یہ خیال لا کر نماز پڑھے کہ وہ خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہا ہے۔

۶) اور اگر ذہن اس امر کے لئے بھی تیار نہ ہو بلکہ بہر صورت نماز سے باہر کی جانب چلا جاتا ہو تو کم از کم یہ تصور کرے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔

۷) ذہن کو خود باہر نہ لے جائے اور اگر از خود چلا جاتا ہے تو باہر کے افکار پریشاں سے ذہن کو نماز کی طرف لانے کی کوشش کرتا رہے اور یوں نماز مکمل کرلے۔

نمازی کے سامنے سے گذرنا

سوال کیا نمازی کے سامنے سے گذرنا کبیرہ گناہ ہے؟ کچھ لوگ دیوار سے تکیہ لگا کر نماز پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل جائز ہے؟ (محمد عباس، الجمعہ)

جواب نمازی کے سامنے سے گذرنا کبیرہ گناہ ہے اور احادیث میں اس کی شدید ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ نے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو شیطان قرار دیا ہے۔ فان جاء احد فليقاتل فانه شيطان (۱) —— ایک دوسری حدیث میں ہے کہ تم اپنے سامنے سے کسی کو بھی گذرنے نہ دو۔ اذا كان أحد يصلي فلايدع أحدا يمر بين يديه (۲) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے والا اگر جان لیتا کہ اس کی سزا کیا ہے یا وہ کتنا بڑا گناہ ہے تو وہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کے بجائے (چالیس دن، ماہ یا سال) ٹھہرے رہنے کو بہتر سمجھتا: قال لأن يقوم اربعين خير له من ان يمر بين يديه (۳) حدیث کے ایک راوی ابوالنضر ؒ کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے چالیس دن فرمایا یا چالیس ماہ یا چالیس سال قال ابو النضر لاادری قال اربعين

---

(۱) سنن ابن ماجه عن ابي سعيد باب ادرأ مااستطعت كتاب اقامة الصلاة، حديث ٩٥٤

(۲) سنن ابن ماجه عن ابن عمر سعيد باب ادرأ مااستطعت كتاب اقامة الصلاة، حديث ٩٥٥

(۳) سنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلاة، حديث ٩٤٤، باب المرور بين يدى المصلى

یوما او شھرا او سنة (۱) عذر کی صورت میں دیوار یا لاٹھی کا سہارا لے کر نماز پڑھنا جائز ہے، عذر بیماری، کمزوری اور بڑھاپا ہے، بلا عذر جائز نہیں (۲) — اور نماز بھی درست نہ ہوگی۔ (۳)

نمازی کے آگے سے گذرنا جائز نہیں

سوال کیا نماز پڑھنے والے شخص کے آگے سے گذرنا گناہ ہے؟ نیز اگر کوئی شخص آگے سے گذر رہا ہو، تو کیا ہم دورانِ نماز اس کو ہاتھ سے روک سکتے ہیں؟ کیا یہ عمل دُرست ہے؟ (ظاہر شاہ، مکہ مکرمہ)

جواب نمازی کے آگے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی منقول ہے کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والا اگر جان لے کہ اس کی کیا سزا ہے تو وہ نمازی کے آگے سے گذرنے کے بجائے چالیس سال تک کھڑے رہنے کو بہتر خیال کرے اور اس کو ترجیح دے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابونضر کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ چالیس دن کہا گیا یا چالیس مہینے یا چالیس سال (۴) — سیدنا ابو برزہ ؓ سے مروی ابن ماجہ کی ایک حدیث میں سو سال کا ذکر ہے (۵) —— مؤطا امام مالک میں کعب احبار کا یہ قول مروی ہے : ''اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والا یہ جان لے کہ اس کے اس جرم کی سزا کیا ہے تو اس کو زمین میں دھنسایا جانا نمازی کے آگے سے گذرنے سے زیادہ معلوم ہو۔'' (۶)

بہر حال اس میں شک نہیں کہ نمازی کے آگے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس جرم کی سزا بہت سنگین ہے، لہٰذا اس سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ نمازی کو بھی چاہئے کہ اگر وہ کھلی جگہ نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے آگے لکڑی وغیرہ کی کوئی چیز ''سترہ'' (آڑ) کے طور پر رکھ لے

---

(۱) ابو داؤد کتاب الصلاة ، حدیث ۷۰۱ باب ماینهی عنه من المرور بین یدی المصلی

(۲) کبیری ۲۵۹

(۳) تفصیل کے لئے فقهی کتب سے رجوع کیا جاسکتا ھے

(۴) ابو داؤد ، باب ماینهی عنه من المرور بین یدی المصلی

(۵) ابن ماجه ، عن ابی هریرة ، باب المرور بین یدی المصلی

(۶) مؤطا امام مالك ، باب التشدید فی أن یمر بین یدی المصلی

ایسی صورت میں سترہ سے آگے کوئی شخص گذرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ سترہ نہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گذرے تو نماز پڑھنے والا شخص اس گذرنے والے کو روک سکتا ہے، بلکہ ایک حدیث میں پوری طاقت وقوت کے ساتھ اس کو روکنے کا حکم موجود ہے اور ایسے شخص (گذرنے والے) کو شیطان بھی کہا گیا ہے۔(۱)

البتہ حدیث میں مذکور وعید کو امام احمد بن حنبلؒ نمازی کے سجدہ کی جگہ پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک نمازی کے سجدہ کرنے کی جگہ سے آگے اگر کوئی شخص گذر جائے تو یہ جائز ہے، اس سے پہلے سے گذرنا جائز نہیں، جب کہ احناف کے نزدیک مسجد اگر چھوٹی ہو تو نمازی کے آگے سے گذرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔(۲)

بڑی مسجد وہ ہے جس کی لمبائی چالیس ہاتھ سے زیادہ ہو اور جو اس سے کم ہے وہ چھوٹی مسجد ہے، اگر نمازی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو بعض احناف کے نزدیک قبلہ کی جانب والی دیوار تک نمازی کے آگے سے گذرنا نامناسب اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ بڑی مسجد میں چالیس ہاتھ کے بعد گذر سکتا ہے، اس سے کم میں نہیں۔(۳)

حنبلی مذہب میں ہر نمازی کی اپنی سجدہ گاہ آخری حد ہے، اس کے باہر سے گذرنا جائز ہے(۴) ـــــ اور اگر کھلے میدان یا صحراء میں نماز پڑھی جارہی ہو تو دو تین صفیں چھوڑ کر نمازی کے آگے سے گذرنا جائز ہے، البتہ بعض علماء کرام نے چالیس ہاتھ کے بعد گذرنے کو جائز قرار دیا ہے۔(۵)

دراصل وعید کی شدت کے پیش نظر علماء کی طرف سے احتیاطاً ان مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے، غرض مصلّی کے سامنے سے سترہ نہ ہونے کی صورت میں حتی الامکان گذرنے سے احتیاط برتنی چاہئے۔

جہاں تک خانۂ کعبہ کا تعلق ہے تو وہاں طواف کی ضرورت اور اژدہام کی بناء پر

---

(۱) ابن ماجه، عن ابی سعید، باب ادرأ ما استطعت

(۲) فتاوی هندية ۱/۱۰۴ (۳) فتح القدیر ۱/۴۰۵

(۴) المغنی ۳/۹۱ (۵) فتح القدیر ۱/۴۰۵

نمازیوں کے سامنے سے گذرنے کو ضرورتاً جائز قرار دیا گیا ہے، بایں ہمہ کوشش یہی کی جائے کہ نمازی اور اس کی سجدہ گاہ کے درمیان سے نہ گذرے، اس لئے کہ وعید عام ہے اور ہر مسجد کو شامل ہے، باقی جو اباحت ضرورت سے پیدا ہوتی ہے وہ بقدرِ ضرورت قائم رہتی ہے۔

قبروں والی مسجد میں نماز

سوال میرے گاؤں میں ایک جامع مسجد ہے، جس میں مغربی اور شمالی جانب قبریں ہیں، نیز مشرق کی طرف بھی آدھی دور یعنی مسجد کے دروازے تک قبریں ہیں، کیا ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے؟ نیز اس مسجد کا امام مجاور بھی ہے، جو گاؤں میں واقع ایک درگاہ کی مجاوری کرتا ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟ (بلال احمد شیخ، ریاض)

جواب ایسی مسجد جس میں قبریں موجود ہوں، اس میں نماز پڑھنی جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ حکمت اور اچھے طریقے سے پہلے لوگوں کا ذہن بنایا جائے، پھر ان قبروں کو مسمار کر دیا جائے، یا اگر ممکن ہو تو مسجد میں ایسی کشادگی اور وسعت کی جائے کہ قبریں مسجد سے باہر رہ جائیں اور نمازیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ مستقل الگ سے بنی رہے، قبروں اور درباروں کا مجاور بننا اور دوسرے شرکیہ اور بدعت والے کام انجام دینا حرام ہے۔ مستحب یہ ہے کہ متقی و پرہیزگار شخص کو امامت کے لئے منتخب کیا جائے، لیکن اگر غیر متقی شخص ہی امام بن جائے تو اس کے پیچھے نماز درست ہو جاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ ''صلوا خلف کل بر وفاجر'' (۱) —— تاہم غیر متقی شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا نیک آدمی کی اقتداء میں مل سکتا ہے۔ (۲)

بعض اہل علم نے فرمایا کہ اگر کسی کے عمل میں معمولی بدعت ہے اور وہ بدعت یا شرک کا داعی و مبلغ نہیں ہے تو اس کا معاملہ نرمی والا ہے، پھر بھی اسے سمجھایا جائے گا اور نصیحت کی جائے گی، لیکن اگر کوئی شخص نہ صرف یہ کہ عامل بر بدعت ہے، بلکہ بدعت کو عام کرنے والوں اور بدعت کی دعوت دینے والوں میں سے ہے تو اس کے پیچھے نہ نماز درست ہے اور نہ ہی

---

(۱) نیل الاوطار ۳/ ۱۶۲ (۲) فتاویٰ غیاثیہ ۳۱ ، ھندیہ ۱/ ۸۴

اس سے تعلقات قائم کرنا جائز ہے۔

مسجدِ اقصیٰ میں نماز کا ثواب

سوال یکم نومبر کے اخبار میں ایک سوال کا جواب پڑھتے ہوئے میں نے یہ بات نوٹ کی کہ آپ نے جواب مناسب نہیں دیا، سوال حرمین شریفین میں نماز کے ثواب کے بارے میں تھا، سوال میں لکھا تھا کہ مسجدِ اقصیٰ میں ۵۰۰ نمازوں اور مسجدِ نبوی شریف میں ایک ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے، جو کہ غلط ہے، حقیقت میں یہ ثواب بالترتیب ۲۵ ہزار اور ۵۰ ہزار نمازوں کا ہے اور مسجدِ حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا، آپ نے جواب دیتے ہوئے اس بات کو نظر انداز کر دیا، اگر سوال صحیح کر کے لکھا جائے یا جواب دیتے ہوئے صحیح بات لکھ کر حقیقت واضح کر دی جائے تو زیادہ بہتر ہوتا، اُمید ہے کہ اس کی اصلاح فرمائیں گے۔ (محمد عمر قریشی، جدہ)

جواب آپ نے مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی شریف میں نماز پڑھنے کا ثواب بالترتیب ۲۵ ہزار اور ۵۰ ہزار جو لکھا ہے، یہ درست نہیں، زیادہ صحیح بات یہی ہے جو یکم نومبر کو سوال میں مذکور تھی، یعنی مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنے کا ثواب عام مسجدوں میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۵۰۰ گنا زیادہ اور اسی طرح مسجدِ نبوی شریف میں ایک نماز کا ثواب دیگر مسجدوں کے مقابلے میں ایک ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، کہ اس میں ایک نماز کا ثواب دیگر مسجدوں میں ادا کی گئی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اگر آپ اپنی بیان کردہ حقیقت کی کوئی دلیل یا حوالہ دیتے تو ہم مزید اس کی تحقیق کرتے، تاہم ہم نے جو حقیقت بیان کی ہے، اس پر چوں کہ آپ کو اطمینان نہیں، اس لئے چند احادیث یہاں ہم پیش کر رہے ہیں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میری مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجدِ حرام کے۔“(۱)

مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں سندِ صحیح کے ساتھ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

---

(۱) ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب فضل الصلاة فى المسجد الحرام، حديث ۱۴۰۶

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''میری مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجدِ حرام کے اور مسجدِ حرام میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔''(۱)

سیدنا ابو درداء ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کی فضیلت دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نماز (کے برابر) ہے اور میری مسجد میں ایک ہزار نماز اور مسجدِ بیت المقدس میں پانچ سو نماز۔'' بزار نے اس کو روایت کیا اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔(۲)

طبرانی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں : ''مسجدِ حرام میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے اور مسجدِ مدینہ میں (یعنی مسجدِ نبوی میں) ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے اور بیت المقدس میں ایک نماز دوسری مساجد میں پانچ سو نمازوں سے افضل ہے۔''(۳)

ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت میں مسجدِ جامع میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو اور مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر بیان کیا گیا ہے، لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ روایت سند کے لحاظ سے کمزور ہے(۴) —— زیادہ صحیح اور مستند روایتوں میں وہی ترتیب ملتی ہے جو اُوپر ہم نے درج کی۔

حرمین شریفین میں نماز کا ثواب

سوال مسجدِ اقصیٰ میں ایک وقت کی نماز کا ثواب ۵۰۰، مسجدِ نبوی شریف میں ایک ہزار اور مسجدِ حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اب اگر کسی شخص کی عمر پچاس سال ہو اور ابھی چند سال سے اس نے نماز پڑھنا شروع کی ہو اور گذری ہوئی نمازوں کی قضاء بھی ساتھ میں کر رہا ہو، پھر اللہ تعالیٰ اسے

---

(۱) ابن ماجه ، باب ماجاء في الصلاة في مسجد الجامع ، حديث ۱۴۱۳

(۲) مجمع الزوائد ۳/ ۶۷۳

(۳) مجمع الزوائد ، ۳/ ۶۷۵ ، حديث ۵۸۷۳

(۴) ابن ماجه عن جابر ، باب ماجاء في الصلوة في مسجد الجامع

حرمین شریفین کی زیارت نصیب کرے اور وہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا صلہ ایک لاکھ نماز کے حساب سے ادا کرے تو وہ بڑی آسانی سے اپنی قضا نمازوں کی تکمیل کرسکتا ہے، کیا ایسا ممکن ہے؟ (میراں شریف، جدہ)

جواب ایسا ممکن نہیں، مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ نبوی شریف یا مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ اسی پڑھی جانے والی نماز کے ثواب کی حد تک ہے، قضا کی ہوئی یا آئندہ آنے والی نمازیں ذمہ سے ساقط نہیں ہوں گی۔

حرمین میں تحیۃ المسجد

سوال کیا جب بھی کسی مسجد یا مسجدِ نبوی میں داخل ہوں تو پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد نماز پڑھنی چاہئے؟ نیز عمرہ یا طواف کے لئے حرم شریف جائیں تو کیا پہلے طواف کریں یا تحیۃ المسجد پڑھیں؟ اسی طرح مدینہ منورہ جانے کے بعد سات مسجدوں کی زیارت کرتے ہوئے ہر مسجد میں دو دو نفل پڑھنے ضروری ہیں؟ اور کیا عصر و مغرب کے درمیان نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(رؤف احمد، جدہ)

جواب مسجدِ نبوی یا کسی بھی مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھنا چاہئے، اس کی بڑی فضیلت ہے (۱) — جمہور علماء نے اسے واجب قرار دیا ہے، جب کہ احناف کے یہاں واجب نہیں بلکہ نفل ہے، لہٰذا نہ پڑھیں تو کوئی گناہ نہیں، وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

ویندب رکعتان لمن دخل المسجد تحیة لرب المسجد . (۲)

اگر کوئی مسجد میں آئے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ گھر کے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں، مسجد کی تعظیم میں دو رکعت نماز پڑھے۔

---

(۱) بخاری، باب اذا دخل المسجد فلیرکع رکعتین أبواب التهجد حدیث ۱۱۶۳، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب تحیة المسجد، حدیث ۷۱٤

(۲) الفقه الاسلامی وادلته ۲/٤٦

مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد سے پہلے طواف افضل ہے، اس کے علاوہ کسی بھی مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد کی نیت سے پڑھ لینی چاہئے، عصر اور مغرب کے درمیان نفل نماز درست نہیں۔

کعبۃ اللہ میں نماز

سوال کعبۃ اللہ میں اگر داخل ہونے کا موقع ملے تو اندر نماز ادا کی جاسکتی ہے یا صرف دُعائیں ہی مانگی جائیں؟ نیز کیا نماز کی ادائیگی کسی بھی سمت میں ہوجائے گی یا نہیں؟ (سید مخدوم، جدہ)

جواب کعبۃ اللہ میں دُعا مانگنا خوش بختی کی بات ہے اور یہ قبولیتِ دُعا کا ایک اہم ترین موقع ہے، البتہ نماز کی صحت کے لئے استقبالِ قبلہ، یعنی قبلہ رُخ ہونا ضروری ہے اور کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے کی صورت میں کعبۃ اللہ کا استقبال نہیں ہوتا، اس لئے کعبۃ اللہ کے اندر نماز کی ادائیگی میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی تفصیل شیخ عبدالرحمٰن الجزیریؒ نے ''کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة'' میں اس طرح بیان کی ہے کہ احناف کے ہاں کعبۃ اللہ کے اندر نماز مطلقاً، چاہے فرض ہو یا نفل باہر اور اندر، کہیں بھی پڑھی جائے، درست ہے(۱) —— ایک متفق علیہ حدیث میں ہے جسے بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر خانۂ کعبہ میں داخل ہوکر دو رکعتیں ادا کیں، آپ ﷺ کے ہمراہ سیدنا بلال، سیدنا اُسامہ اور سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے(۲) —— اسی طرح کعبۃ اللہ کی چھت پر بھی نماز دُرست ہے، البتہ اس میں تعظیم کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کراہت ہے، جب کہ حنابلہ کا قول ہے کہ کعبہ کے اندر اور اس کی چھت پر فرض نماز کی ادائیگی ہی درست نہیں (۳) ہاں کعبۃ اللہ کے باہر اس طرح ٹھہر کر نماز پڑھے کہ سجدہ کعبۃ اللہ کے اندر ہو یا نماز پڑھتے ہوئے کعبۃ اللہ کے ابتدائی سرے پر اس طرح ٹھہرے کہ کعبۃ اللہ کا

---

(۱) فتح القدیر، باب الصلاة فی الکعبة ۱۵۰/۲

(۲) بخاری، باب الصلاة بین السواری فی غیر جماعة، کتاب الصلاة

(۳) المغنی ۲/۷۶-۴۷۵

کچھ حصہ بھی اس کی پشت کی طرف نہ ہو تو ایسی صورت میں نماز درست ہے، اسی طرح نفل اور نذر کی نماز بھی کعبۃ اللہ کے اندر درست ہے، البتہ نفل نماز سطح کعبہ پر اس وقت درست ہوگی جب کہ وہ کعبۃ اللہ کے آخری حصہ پر سجدہ نہ کرے، کیوں کہ ایسی صورت میں اس شخص کا رُخ کعبۃ اللہ کی طرف نہیں ہوگا۔(۱)

مالکیہ کے نزدیک بھی کعبۃ اللہ کے اندر فرض نماز درست نہیں، جب کہ ایک قول کے مطابق فرض نماز شدید کراہت کے ساتھ درست تو ہے، لیکن وقت کے اندر اس کا اعادہ بہتر ہے، سنن غیر مؤکدہ اور نوافل کی ادائیگی کعبہ کے اندر کراہت کے بغیر درست ہے، جب کہ سنن مؤکدہ کراہت کے ساتھ، البتہ اعادہ کی ضرورت نہیں، شوافع کے نزدیک فرض ونفل سب نمازیں کعبۃ اللہ کے اندر درست ہیں، ہاں اگر کعبۃ اللہ میں دروازے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے اور دروازہ کھلا ہو تو اس صورت میں نماز درست نہیں۔

تصاویر کی جگہ نماز پڑھنا

سوال جہاں تصاویر ہوں، کیا اس جگہ نماز پڑھنی جائز ہے؟ (شاہد ریاض، دمام)

جواب اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو تصویر واضح طور پر نہ دکھائی دے رہی ہو تو اس طرح کی تصویر والے کپڑے میں نماز مکروہ نہیں ہے، البتہ تصویر بڑی ہو اور سامنے ہو یا سر کے اُوپر ہو، یا دائیں یا بائیں تصویریں ہوں اور دیکھنے والے کو وہ تصویر کسی تکلف کے بغیر نظر آرہی ہو تو یہ صورت مکروہ ہے(۲) — اگر تصویر فرش پر ہو اور تصویر کی جگہ پر سجدہ نہ کر رہا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اگر کپڑے پر سر کٹی تصویریں ہوں تو اس صورت میں بھی نماز میں کراہت نہیں آتی۔

سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے کہ تصویر نمازی کے سامنے ہو، پھر اس صورت میں کہ نمازی کے سر کے اُوپر تصویر ہو، پھر اس صورت میں جب کہ دائیں جانب تصویر ہو، پھر اس صورت میں جب کہ وہ بائیں طرف ہو۔(۳)

---

(۱) كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ۱/ ۲۰۴ ط: تركى (۳) هندية ۱/ ۱۰۷

(۲) بخارى، باب اذا صلى فى ثوب مصلب أو تصاوير هل تفسد صلوته ؟ كتاب الصلوٰة

گھڑی پہن کر نماز کی ادائیگی

سوال کیا گھڑی پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ہمارے ایک مولوی صاحب اگر کسی کو گھڑی پہنے ہوئے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ پہلے گھڑی اُتار دو پھر نماز پڑھو کیا یہ بات صحیح ہے؟ (اشفاق احمد، مکہ کرمہ)

جواب گھڑی پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔

عمداً نماز چھوڑنا

سوال میں اور میرے دوست زیادہ مصروفیت کی وجہ سے کبھی کبھی پانچ وقت کی نماز ادا نہیں کر سکتے، کبھی عصر اور کبھی مغرب کی نماز چھوٹ جاتی ہے، مسئلہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے ہم سے کہا کہ اگر نماز چھوٹ جائے تو دن میں کسی نماز کا ثواب نہیں ملتا، چنانچہ میرے بعض دوست ایسے ہیں کہ اگر ان سے فجر کی نماز چھوٹ گئی تو وہ سارا دن کوئی نماز نہیں پڑھتے، کیا یہ صحیح ہے کہ دن میں ایک دو نمازیں پڑھیں تو ان کا کوئی فائدہ اور ثواب نہیں؟ (اختر حسین، بریدہ)

جواب نماز اسلام کے پانچ اہم بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا فرض ہے، جیسا کہ سورہ نساء، آیت ۱۰۳ میں ارشادِ باری ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا.

یقیناً نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

بلا عذرِ شرعی نماز کو مؤخر کرنا کبیرہ گناہ اور عمداً اس کو ترک کر دینا بعض علماء و ائمہ کے یہاں حقیقتاً کفر ہے(۱) — جیسا کہ ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

من ترك الصلاة متعمدا فقد برئت منه ذمة الله ورسوله. (۲)

جس نے عمداً نماز کو ترک کر دیا تو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ اس سے بری ہو گیا یعنی اس نے کفر کیا۔

---

(۱) علامہ شوکانی نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، نیل الاوطار ۲۹۱/۱

(۲) مسند احمد ٤۲۱/٦، ابن ماجہ، باب الصبر علی البلاء، کتاب الفتن

نیز آپ ﷺ نے فرمایا :

من ترك الصلوة متعمدا فقد برئت منه الذمة . (۱)

کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے اس کی (جان اور مال وآبرو کے تحفظ کی) ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سرورِ کونین ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے :

بيننا و بينهم ترك الصلوة فمن تركها فقد كفر . (۲)

کہ ہمارے اور کفار ومشرکین کے درمیان فرق ترکِ نماز سے ہے، سو جو نماز چھوڑ دے وہ کافر ہو جائے گا۔

چنانچہ ''المغنی'' میں ہے کہ جو آدمی قصداً نماز ترک کرے اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی، اگر توبہ کر کے نماز دوبارہ پابندی کے ساتھ شروع کر دیتا ہے تو ٹھیک ہے، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا(۳) — اس کے علاوہ بے نمازی اگر مر جائے تو نہ تو اسے غسل دینا ہے اور نہ ہی کفن پہنانا، بلکہ اس کی نمازِ جنازہ بھی ادا نہیں کی جائے گی اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفنایا جائے گا، بلکہ دور کہیں ایک عام سا گڑھا کھود کر اس کی لاش اسی میں پھینک کر اُوپر سے مٹی دبا دی جائے گی، کیوں کہ وہ شخص مرتد ہے کہ نہ اس کا کوئی وارث ہوگا اور نہ وہ کسی کا وارث۔ غرض نماز ایمان کی کسوٹی اور مومن کی پہچان ہے، اس میں سستی کی اجازت نہیں، تاہم اگر کسی وجہ سے یا انسان کی اپنی سستی کی وجہ سے کوئی نماز چھوٹ جائے تو اسے جب بھی احساس ہو اُسی وقت اس نماز کو ادا کر لے، اگر ایک نماز رہ جائے تو اس کا اثر باقی چار نمازوں پر اس طرح نہیں پڑتا کہ ان نمازوں کا کوئی ثواب ہی نہ ملے اور وہ درست ہی نہ ہوں، ہر نماز الگ الگ مستقل طور پر فرض ہے اور ہر ایک کا وقت الگ ہے، ایک نماز کے چھوٹ جانے پر عمداً دوسری نماز کو چھوڑ دینا مزید گناہ مول لینا ہے اور بقول بعض فقہاء کے

---

(۱) ابن ماجه

(۲) ترمذی ، باب ماجاء فی ترك الصلاة ، نسائی ، باب الحكم فی ترك الصلاة

(۳) المغنی ۳/ ۳۵۱ ، باب الحكم فيمن ترك الصلاة

فعل کفر کو قبول کرنا ہے، اگر کوئی نماز چھوٹ جائے تو موقع ملتے ہی فوراً اس کی قضا کر لی جائے اور تمام نمازوں کو صحیح وقت پر ادا کرنے کی پوری کوشش کی جائے کہ نماز فرض و ضروری اور دین کا اہم ترین رکن اور ستون ہے۔

ترکِ نماز کے لئے حیلہ جوئی

سوال کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور برائیاں بھی کرتے ہیں، کچھ لوگ صرف اس وجہ سے نماز نہیں پڑھتے کہ وہ کسی بڑے گناہ کے عادی ہوتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم جب سارے گناہ چھوڑ دیں گے تب نماز پڑھنا شروع کریں گے، آپ کا کیا خیال ہے؟ (عبدالغفور قیصرانی، خف)

جواب قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں فرمایا:

ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر . (العنکبوت ۴۵)

بے شک نماز برائی سے روکتی ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ جو شخص نماز پڑھے اس سے گناہ بالکل سرزد نہ ہوں اور وہ گناہوں سے پاک ہو جائے، اگرچہ نماز کے مقاصد و فوائد میں سے یہ ایک اہم فائدہ اور اہم ترین مقصد ہے کہ نماز نمازی کو برائی سے روکے، لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ یہ نماز صحیح طریقے پر ادا کی جائے، نماز سنت کے مطابق پڑھی جائے، نماز میں حضورِ قلب ہو اور خشوع و خضوع ہو، نماز اگر صدق دل سے مسنون طریقہ پر ادا کی جائے تو یہ نماز جلد یا بدیر یقیناً نمازی کو گندے کام اور بری باتوں سے روکے گی کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اس کی کہی ہوئی ہر بات حق ہے۔

جو لوگ یہ بہانہ بنا کر نماز ترک کرتے ہیں کہ چوں کہ ہم گنہگار ہیں، لہٰذا ہم نماز نہیں پڑھتے، یہ ایک شیطانی دھوکہ ہے، شیطان اس قسم کے خیالات اور وساوس کے ذریعے بہت سارے مسلمانوں کو نماز کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ آپ باقاعدگی سے صحیح طریقہ پر نماز پڑھنی شروع کریں، آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ چند ہی دنوں بعد سارے گناہ ایک ایک کر کے چھوٹ جائیں گے۔ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو نماز

بھی پڑھتا تھا اور چوری بھی کرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اس کی نماز عنقریب اس برائی سے روک دے گی۔''(۱)

بے نمازی کے ساتھ اچھا سلوک

سوال میرے گاؤں میں لوگ نماز، روزے کے پابند نہیں ہیں، لڑائی جھگڑے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کیا یہ ہمسایہ کے حقوق کے مستحق ہیں؟ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے یا علاحدگی اختیار کرنا چاہئے؟

(عبدالغفور قیصرانی بلوچ، خف)

جواب یقیناً ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا چاہئے۔ چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، رسول اللہ ﷺ نے پڑوسیوں اور ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید اور تلقین فرمائی ہے، چنانچہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مازال جبرئيل يوصيني بالجار حتى ظننت أنه سيورثه . (۲)

جبرئیل علیہ السلام مجھے ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اس کو وراثت میں حصہ دار قرار دے دیں گے۔

پھر آپ کی بھی دینی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنی استطاعت کی حد تک انھیں نماز، روزہ اور نیکیوں کی حکمت کے ساتھ تلقین کرتے رہیں، اگر وہ نہ مانیں تب بھی ان کے ساتھ حتی الامکان اچھا سلوک کرتے رہیں کہ عین ممکن ہے کہ آپ کے اس حسن برتاؤ کی وجہ سے وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں اور اگر دعوت وتبلیغ اور حکیمانہ وعظ ونصیحت کے باوجود ان کی اصلاح کی کوئی اُمید نظر نہ آئے تو اس صورت میں محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اور ان کی اصلاح کی غرض سے علاحدگی اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ ''الحب في الله و البغض في الله'' کا اُصول اسلام میں مسلّم ہے کہ محبت وعداوت دونوں اللہ کی

---

(۱) مشكل الآثار ۲/۴۳۰

(۲) بخاري، عن عائشة، باب الوصايا بالجار، كتاب الادب

خاطر ہوں۔

ننگے سر نماز

سوال ننگے سر نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

جواب ننگے سر چلنا، پھرنا آج کل جدید فیشن بن گیا ہے اور سر کھلا رکھنے کی عادت سی ہوگئی ہے، یہ غیر اسلامی طرزِ عمل ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ "تلبیس ابلیس" میں لکھتے ہیں کہ ہر عاقل پر یہ واضح ہونا چاہئے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے، جب نماز سے باہر سر کھولنے کا یہ حکم ہے تو نماز کے اندر بدرجہ اولیٰ مکروہِ تحریمی ہوگا۔ دُرِّ مختار میں مکروہاتِ نماز کے بیان میں ہے:

وصلاته حاسرا أي كاشفا. (۱)

تاہم مکروہ ہونے کے باوجود نماز ہو جائے گی۔

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (الاعراف ۳۱)

اے اولادِ آدم! تم ہر سجدہ یعنی عبادت کے موقع پر خوبصورت لباس پہن لیا کرو۔

بعض مفسرین نے کہا کہ لباس کی زینت میں سے سر پر ٹوپی پہننا بھی ہے۔ نیز زاد المعاد میں ہے کہ آپ ﷺ کا عام معمول پگڑی پہننے کا تھا، کبھی ٹوپی پر عمامہ مبارک باندھ لیتے تھے اور کبھی صرف ٹوپی پہن لیا کرتے تھے (۲) —— بعض روایت میں ہے کہ آپ اپنی ٹوپی کے نیچے الگ سے ایک کپڑے کا ٹکڑا استعمال فرماتے تھے، تاکہ سر مبارک پر لگانے والے تیل سے ٹوپی متاثر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے عام معمول میں سر پر ٹوپی ہوتی تھی، ہاں البتہ اس پر کبھی کبھی پگڑی نہ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضراتِ احناف کے

---

(۱) دُرمختار مع الرد ۲۹۱/۱ ط: بیروت

(۲) زادالمعاد ۱۳۵، تحقیق: ارنبود و عبدالقادر نواط

یہاں ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے اور بلا عذرِ شرعی ننگے سر نماز پڑھنے کا معمول بنانا مکروہ اور خلافِ ادب ہے، البتہ اگر کوئی ننگے سر نماز پڑھ لے تو نماز کی قبولیت وصحت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، نماز بہر حال ہو جاتی ہے۔

خارجِ صلوٰۃ کا لقمہ

سوال ہمارے کیمپ میں ایک مسجد عارضی بنی ہوئی ہے، ہم لوگ اسی میں نماز پڑھتے ہیں، ایک مرتبہ امام صاحب سے قرآن پڑھنے میں کچھ غلطی ہوگئی، ایک صاحب جو جماعت میں شامل نہیں تھے، بلکہ ابھی مسجد میں داخل ہو رہے تھے، انھوں نے امام کو لقمہ دیا، کیا اس طرح نماز میں شامل نہ رہنے والے شخص کا لقمہ دینا درست ہے، اسی طرح امام صاحب نے ایک ہی رکعت میں تین بار غلطی کی، نماز کے بعد کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے اور بعض اس پر مصر تھے کہ سجدۂ سہو لازم نہیں۔ شرعاً صحیح بات کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ (شمس الدین احمد، جدہ)

جواب جو شخص نماز میں شامل نہ ہو اس کا امام کو لقمہ دینا درست نہیں، اگر امام ایسے شخص کا لقمہ قبول کرلے تو اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے (۱) —— البتہ نماز میں تین بار یا اس سے زیادہ غلطی (قراءت قرآن میں) ہونے پر نہ سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ اس سے نماز ٹوٹتی ہے، بشرطیکہ وہ غلطی ایسی نہ ہو جس سے کہ معنی میں بہت زیادہ تبدیلی پیدا ہو جائے، اگر معنی ہی بدل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، چاہے ایسی غلطی ایک ہی بار ہو (۲) —— نیز بار بار غلط پڑھنے اور لقمہ لینے سے بہتر یہ ہے کہ امام کوئی دوسری سورۃ شروع کرے یا رکوع میں چلا جائے، بشرطیکہ اتنا قرآن پڑھ چکا ہو جتنا کم از کم نماز کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے یعنی ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں۔

پینٹ پہن کر نماز کی ادائیگی

سوال اگر پینٹ پہن کر نماز پڑھی جائے اور اس کے نیچے کوئی شخص نیکر یا انڈرویر بھی

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۲/۲ (۲) ہندیۃ ۸۰/۱

پہنا ہو تو کیا نماز ہو جائے گی؟ (محمد لئیق، مکہ مکرمہ)

جواب ہر وہ لباس جو عمدہ و شائستگی والا لباس ہو اسے پہن کر نماز ادا کی جا سکتی ہے، سورۃ الاعراف آیت ۳۱ میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نمازی کو بہر حال یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ وہ نماز کی حالت میں ایسے اچھے وعمدہ لباس میں ہو جسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہو، بے ہودہ لباس نہ ہو۔

نماز پڑھنے والے کی نگاہ کہاں ہو؟

سوال کیا حرم شریف میں نماز پڑھتے وقت نمازی کی نگاہ سجدہ کی جگہ پر ہونی چاہئے یا کہ خانۂ کعبہ پر؟ (علی حیدر، جدہ)

جواب فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے قیام میں نمازی کی نگاہ سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے، رکوع کی حالت میں پاؤں کے ظاہری حصہ پر، سجدہ کی حالت میں ناک پر، قعدہ میں گود پر، پہلا سلام پھیرتے وقت دائیں کندھے پر اور دوسرا سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رہنی چاہئے۔(۱)

دوسروں کی طرف سے نماز کی ادائیگی

سوال کیا ہم دوسروں کی طرف سے نماز و روزہ ادا کر سکتے ہیں، چاہے وہ زندہ ہوں یا مردہ؟ اگر یہ جائز ہو تو نیت کس طرح کریں گے؟ میرے والد کافی بیمار رہتے ہیں، اگر میں ان کی طرف سے بھی روزے رکھوں تو کیا یہ عمل شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

(عبدالرحیم خاں، مکہ مکرمہ)

جواب مؤطا امام مالک میں ایک روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا جاتا تھا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ: ''نہ تو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے روزے رکھے'' (۲) —— چنانچہ جمہور ائمہ امام

---

(۱) ھندیة ۷۲/۱ (۲) مؤطا امام مالك ۹۳ ، النذر فی الصیام عن المیت

ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز روزہ ادا نہیں کرسکتا، نہ زندہ کی طرف سے اور نہ مردہ کی طرف سے (۱) —— ہاں اگر کسی شخص کا انتقال اس حالت میں ہوگیا کہ اس پر رمضان کے روزوں کی قضا باقی تھی تو ورثاء کو چاہئے کہ روزوں کے بدلے فدیہ ادا کردیں۔ امام شافعیؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ میت کا حق ہے، وراثت کی تقسیم سے پہلے اس کے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا، جب کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو تو وصیت کے شرعی اُصول کے مطابق ایک تہائی مال میں سے روزوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا اور اگر وصیت نہ کی گئی ہو تو ورثاء کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ فدیہ ادا کریں، اگر اپنی خوشی سے ادا کردیں تو یہ عمل نہ صرف جائز بلکہ میت پر ایک طرح کا احسان بھی ہوگا اور اگر وہ نہ ادا کریں تو ورثاء پر کوئی گناہ نہیں۔

ترمذی کی روایت ہے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہئے۔'' (امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے) اس سلسلے میں امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ میت کی طرف سے اس کا وارث روزہ بھی رکھ سکتا ہے اور یہی ایک متفق علیہ روایت کا ظاہری مفہوم بھی ہے، جب کہ جمہور ائمہ اس سے روزہ کا فدیہ ہی مُراد لیتے ہیں۔ (۲)

بہرحال زندہ شخص کی طرف سے نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ روزہ کی ادائیگی درست ہے، میت کی طرف سے نماز تو نہیں پڑھی جاسکتی، البتہ اس کے روزوں کے بدلے فدیہ دیا جاسکتا ہے۔

سہواً کسی غلطی پر مواخذہ نہیں

سوال اگر کوئی شخص قرآن و حدیث پر عمل کرتا ہے مگر کسی حدیث وغیرہ کے سمجھنے میں اس سے غلطی ہوجائے اور وہ غلطی عقائد پر اثر انداز نہ ہوتی ہو تو کیا وہ اسلام

---

(۱) العبارة المالية تقبل النيابة و البدنية لا ، درمختار ۶۵۸/۲ باب الحج عن الغير

(۲) ترمذی ،عن ابن عمرؓ، باب ماجاء فی الكفارة ، أبواب الصوم

سے خارج ہو جائے گا؟ (محمد شاہد محمدی، مکہ مکرمہ)

جواب جی نہیں! اگر وہ غلطی عقائد پر اثر انداز نہ ہو تو وہ اسلام سے خارج نہ ہوگا، خلوصِ نیت سے اگر اجتہاد کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچے تو دو ثواب اور سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو کم از کم ایک ثواب اجتہاد اور محنت کا ملتا ہی ہے، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا حكم الحاكم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا اجتهد فاخطأ فله أجر . (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاکم جب اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور اگر (خدانخواستہ) غلطی ہو جائے تو بھی ایک ثواب تو ملے گا ہی۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی میں سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب فله أجران و إذا حكم فاخطأفله أجر واحدا . (۲)

اگر کوئی شرعی حکم کا فیصلہ کرنے والا اجتہاد کر کے درست فیصلہ کر لے تو اسے دوہرے ثواب ملیں گے اور اگر صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں غلطی کر جائے تو بھی ایک اجر ملے گا۔

مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے اپنی ذاتی کوشش کے ساتھ اہل علم سے استفادہ اور ان کی طرف رجوع بھی ضروری ہے۔

---

(۱) نسائی عن ابی هريرةؓ ، باب الاصابة فی الحكم ، كتاب آداب العقائد ، صحيح البخاری ، كتاب الاعتصام ، باب أجر الحاكم اذا اجتهد ، حديث ۷۳۵۲ – صحيح مسلم ، كتاب الأقضية ، باب أجر الحاكم ، حديث ۱۷۱۲

(۲) ترمذی ، باب ماجاء فی القاضی يصيب ويخطی

نماز کے بعد مصافحہ

سوال آج کل عام طور پر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ چند آدمی اکٹھے (خواہ ایک ہی گھر سے آرہے ہوں) مسجد میں آتے ہیں اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک دوسرے سے ضرور ہاتھ ملاتے ہیں اور کچھ لوگ ہاتھ ملانے کے بعد اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا نماز کے بعد اس طرح مصافحہ کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے؟ (عتیق احمد را' ، نجران)

جواب فی نفسہٖ مصافحہ کرنا نہ صرف ثابت ہے بلکہ شرعاً مستحب اور پسندیدہ عمل ہے، خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ بھی جب آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو محبت و مسرت کے اظہار میں مصافحہ بھی کیا کرتے تھے۔ طبرانی کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے اس کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی کہ ''جب دو مومن ملتے ہیں اور سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو دونوں کے گناہ (صغیرہ) اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے۔'' (۱) —— امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں سیدنا براء بن عازب ؓ کی روایت نقل کی ہے، اس میں ارشادِ نبوی یوں آیا ہے :

مامن مسلمين يلتقيان فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا ۔ (۲)

دو مسلمان اگر باہمی ملاقات میں مصافحہ کرلیں تو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے ہی دونوں کے گناہِ (صغیرہ) بخش دیئے جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کرنے کی بھی قرآن و حدیث میں بڑی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔

ان سب کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ نماز کے آخری عمل ''سلام'' کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا اور ہاتھ ملانا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام ؓ سے، اگر یہ عمل بغیر التزام کے کبھی کبھار ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر التزاماً نماز کے بعد مصافحہ کا

---

(۱) جمع الفوائد ۱۴۳/۲ ، كتاب الآداب والسلام ، ط : جدہ

(۲) سنن ترمذی ، باب ماجاء في المصافحة ۵۷۰/۵ ابوداؤد باب ماجاء في المصافحة

معمول بنالیا جائے تو یہ عملاً نماز کا ایک حصہ اور جزء بن کر بدعت میں شامل ہوگا، اس لئے اس سے احتراز ضروری ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے سے ملاقات اور سلام ومصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ کو اپنے "سینے" پر رکھنا ثابت نہیں، یہ ان لوگوں کا ذاتی فعل ہے، دین وشریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱)

تعدادِ رکعات میں شک

سوال اگر چار رکعت نماز پڑھتے ہوئے تیسری رکعت میں یہ بھول جائے کہ یہ کونسی رکعت ہے، تیسری ہے یا چوتھی، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(عقبہ نواز احمد، جدہ)

جواب اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں : ایک یہ کہ نمازی کو باقاعدہ شک کی عادت نہ ہو اور کبھی کبھی شک ہوجایا کرتا ہو، ایسی صورت میں نمازی نماز توڑ دے گا اور از سرنو نماز پڑھے گا، لیکن اگر شک کی عادت ہو تو ایسی صورت میں جس طرف رجحان زیادہ ہو اس پر عمل کرے، مثلاً گمانِ غالب ہے کہ یہ تیسری رکعت ہے تو اس کو تیسری ہی شمار کرکے اپنی نماز مکمل کرے اور اگر یہ خیال غالب ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہے تو اس کو چوتھی ہی تصور کرے، لیکن اگر کسی طرف بھی غالب گمان نہیں اور شک برقرار ہے کہ یہ رکعت تیسری ہے یا آخری، تو پھر اس رکعت کو تیسری رکعت تصور کرے، پھر اس رکعت کے بعد قعدہ بھی کرے، کیوں کہ وہ آخری رکعت بھی ہوسکتی ہے اور آخری رکعت میں قعدہ کرنا فرائض نماز میں سے ہے، اس کے بعد چوتھی رکعت مکمل کرے اور پھر قعدۂ اخیرہ میں سجدہ سہو کرکے نماز مکمل کرے۔ (۲)

فرض نماز میں شمولیت

سوال ظہر وعصر یا عشاء وغیرہ میں نماز سے قبل اگر کوئی چار رکعت سنت کی نیت کرکے نماز پڑھ رہا ہو، لیکن ابھی دو ہی رکعتیں ادا کیا ہو اور وہ پہلے قعدہ میں ہو کہ فرض نماز شروع ہوجائے تو کیا ایسی صورت میں التحیات ودرود شریف پڑھ کر سلام پھیر دینا چاہئے، یا پھر چار رکعتیں پوری کرکے فرض جماعت

---

(۱) حلال وحرام ۴۱۷ (۲) هندية ۱/۱۳۰

میں شامل ہونا چاہیے؟ (خورشید احمد، جدہ)

جواب ایسی صورت میں دو رکعتوں پر ہی نماز ختم کر کے فرض جماعت میں شامل ہونا چاہیے، بلکہ اگر کوئی تیسری رکعت کے لئے کھڑا بھی ہو جائے اور اس کے تیسری رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جماعت شروع ہو جائے تب بھی سلام پھیر کر فرض جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔(۱)

مسجدِ نبوی میں نماز

سوال کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی میں نماز نہیں ہوتی کیوں کہ اندر روضۂ مبارک ہے اس کی وضاحت فرمائیں۔ (صوفی محمد نذیر، مدینہ منورہ)

جواب اس قسم کی باتیں کرنے والے بے وقوف اور جاہل ہیں، مسجدِ نبوی میں کوئی بھی قبر نہیں ہے سوائے تین قبروں کے، یہ قبریں رسولِ کریم ﷺ، سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی ہیں، جو حجرۂ مبارکہ میں ہیں، یہ حجرہ مسجدِ نبوی کی توسیع سے قبل مسجد کی حدود سے باہر تھا (اگرچہ متصل تھا) خود صحابہ کرامؓ کے عہد میں بھی یہ حجرہ مسجد سے متصل رہا، پھر تابعین کا دور آیا، سب حضرات مسجدِ نبوی میں نمازیں پڑھتے رہے، خیر القرون میں کسی بھی مسلمان نے اعتراض نہیں کیا، آج چودہ سو سال گذرنے کے بعد لوگوں کو نئے فتنے گڑھنے کا شوق پیدا ہوا تو اعتراض کرنے کے لئے سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ نہ ملی، پھر قبر بھی اس طرح ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے سامنے بلا فاصلہ قبر نہیں آتی، یا تو حجرۂ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فاصلہ ہے یا نمازی کے دائیں بائیں یا پشت کی طرف قبر اطہر ہے، پھر آپ ﷺ نے مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنے کی فضیلت یہ بیان فرمائی ہے:

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلاۃ فی مسجدی ھذا أفضل من الف صلاۃ فیما سواہ من المساجد الاالمسجد الحرام . (۲)

---

(۱) ھندیۃ ۱/ ۱۱۹ ، فتح القدیر ۱/۴۷۲

(۲) ابن ماجہ ۱/۱۰۱ ، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ فی المسجد الحرام ومسجد النبی

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری مسجد (مسجدِ نبوی) میں مسجدِ حرام کو چھوڑ کر دنیا کی تمام مسجدوں کی بہ نسبت ایک نماز کا ثواب ہزار نماز کے برابر ملتا ہے۔

اس لئے اس طرح کی باتیں خلافِ شرع اور جاہلانہ ہیں۔

مسجدِ قبا میں نماز کی فضیلت

سوال مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کی فضیلت کیا ہے؟ کیا وہاں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے؟

جواب مسجدِ قبا میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، مستدرک حاکم اور بعض دوسری کتبِ حدیث میں سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی مسجدِ قبا آکر نماز پڑھے تو اس کے لئے عمرہ کے برابر اجر وثواب ہے۔ اسید بن ظہیر الانصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

انه (صلى الله عليه وسلم) قال صلاة في مسجد قباء كعمرة۔ (۱)

مسجدِ قبا میں نماز عمرہ کے برابر ہے۔

تسبیحاتِ فاطمی

سوال ہر فرض نماز کے بعد تسبیحات یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھنا کیا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

جواب جی ہاں! یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بعض دوسری کتب حدیث میں اس بارے میں دو مشہور حدیثیں ہیں: ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا جائے، دوسری حدیث میں یہ ہے کہ ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھا جائے، یہ ۹۹ ہوگئے، پھر ایک بار یہ دُعا پڑھ کر سو کا عدد پورا کردیا جائے:

لا الٰه الا اللّٰه وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل

---

(۱) ابن ماجه عن سهل بن حنيف، باب ماجاء في الصلاة في مسجد قبا

شیء قدیر (۱) ـــــ جس کسی نے یہ پڑھا، اس کے گناہ اگر سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تب بھی معاف کردیئے جائیں گے۔ (۲)

آپ نے اپنے سوال میں ان تسبیحات کو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے موسوم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کو تسبیحاتِ فاطمی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ (جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں ہے کہ) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں پر گھر کے کام کاج اور چکی میں آٹا پیسنے کی وجہ سے چھالے پڑ گئے اور وہ رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرنے حاضر ہوئی تھیں کہ میرے لیے کسی غلام یا خادمہ کا بندوبست ہوجائے، رسول کریم ﷺ اُس وقت موجود نہ تھے، بعد میں جب آپ واپس گھر تشریف لائے تو اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے حاضر ہوئی تھیں، رسول کریم ﷺ اپنی بیٹی سے ملنے ان کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں جاکر اپنی بیٹی اور داماد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں غلام، خادم یا خادمہ سے بہتر بات بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم جب رات کو سونے کا ارادہ کرو تو سونے سے قبل ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہہ دیا کرو، یہ تم دونوں کے لئے غلام سے بہتر ہے۔

تسبیح کا استعمال

سوال تسبیح کے دانے پر تسبیحات پڑھنے کا کیا حکم ہے جب کہ اس کا مقصد مقدار کی گنتی ہو؟

جواب جائز ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک صحابیہؓ کے پاس تشریف لے گئے، ان کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں رکھی ہوئی تھیں، جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جو اس سے آسان ہو یا (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) اس سے افضل ہو؟ ''سبحان اللہ عدد ماخلق فی السماء، سبحان اللہ عدد ماخلق فی الارض، سبحان اللہ عدد مابین

---

(۱) مسلم عن کعب بن عجرة، باب استحباب الذکر بعد الصلاة، کتاب المساجد

(۲) سبل السلام ۱/۱۹۸

ذلك وسبحان الله عدد ماهو خلق ، والله اكبر مثل ذلك ، والحمد لله مثل ذلك ، ولا اله الا الله مثل ذلك ، ولا حول ولا قوة الا بالله مثل ذلك "یعنی اللہ کی تعریف کرتی ہوں بقدر اس مخلوق کے جو آسمان میں پیدا کی اور بقدر اس مخلوق کے جو زمین میں پیدا کی اور بقدر اس مخلوق کے جو ان دونوں کے درمیان ہے، یعنی زمین وآسمان کے درمیان ہے اور اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں بقدر اس کے جس کو وہ پیدا کرنے والا ہے، اس سب کے برابر الله اكبر اور اس کے برابر ہی الحمدلله اور اسی کی مانند لا اله الا الله . (۱)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے صحابیہؓ کو کنکریوں اور گٹھلیوں پر گنتے ہوئے دیکھا اور اس پر انکار نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس سکوت سے فی زمانہ متعارف تسبیح یعنی دھاگہ میں پروئے ہوئے دانوں کا جواز ثابت ہو رہا ہے، بعض لوگوں نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کی اصل نبی کریم ﷺ کی خاموشی سے ثابت ہو رہی ہے، متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے پاس کھجور کی گٹھلیاں رہتی تھیں اور وہ ان پر گن کر تسبیح پڑھا کرتے تھے، چنانچہ سیدنا ابوصفیہ صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کنکریوں پر تسبیحات پڑھتے اور گنا کرتے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے گٹھلیاں اور کنکریاں دونوں نقل کی گئی ہیں۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی کنکریوں پر پڑھنا نقل کیا گیا ہے، مرقات میں لکھا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں بھری رہتیں، ان پر تسبیح پڑھا کرتے اور جب وہ تھیلی خالی ہو جاتی تو ایک باندی تھی جو ان سب کو پھر اس میں بھر دیتی اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس رکھ دیتی۔ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ ان کے پاس ایک تھیلی میں عجوہ کھجور کی گٹھلیاں جمع رہتیں، صبح کی نماز پڑھ کر اس تھیلی کو لے کر بیٹھتے اور جب تک وہ خالی نہ ہو جاتی بیٹھے پڑھتے رہتے تھے (۲) —— اس تفصیل ووضاحت کا مقصد یہ ہے کہ دانوں پر ان تسبیحات کا پڑھنا بے اصل نہیں ہے، بلکہ

---

(۱) ترمذی عن سعد بن ابی وقاص ، باب فی دعاء النبی صلی الله علیه وسلم وتعوذه فی دبر کل صلوة ، جامع الدعوات

(۲) فضائل ذکر ۱۶۵ ، از مولانا زکریا کاندھلویؒ

آپ ﷺ اور حضراتِ صحابہ ؓ کے عمل سے ثابت ہے۔

آپ ﷺ کے سامنے کسی صحابی ؓ نے کوئی ایسا کام کیا جس کے بارے میں آپ ﷺ سے کوئی وضاحت منقول نہ ہو اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی یا آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں کسی نے کوئی کام کیا، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی اور آپ ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا، یہ بھی حجت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل ہی کے درجہ میں ہے۔

ہوائی جہاز میں نماز کی ادائیگی

سوال جہاز کے لمبے سفر کے دوران قبلہ کی سمت کا تعین مشکل ہوتا ہے اور بعض اوقات کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے، ایسے میں کیا کیا جائے؟

(عارف خاں، الخرج)

جواب جہاز کے سفر کے دوران اگر نماز کا وقت ہو جائے تو پوری کوشش کی جائے کہ یہ نماز صحیح وقت پر، صحیح سمت اور کھڑے ہو کر ادا کی جائے، اگر جہاز میں ایسا ممکن نہ ہو تو جس طرف بھی رُخ ہو اور جیسے پڑھ سکے (خواہ بیٹھ کر نماز ادا کی جائے) نماز پڑھے اور اسے قضا نہ کرے۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہوائی جہاز میں نماز بیٹھ کر درست ہے، چاہے عذر ہو یا نہ، صاحبین کے نزدیک بلا عذر بیٹھ کر نماز جائز نہیں۔ عذر کا مفہوم یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے سر چکراتا ہو یا جہاز سے نکلنا مشکل ہو، نماز پڑھتے وقت اس کا ضرور خیال کیا جائے کہ ابتداءً نماز میں قبلہ کی طرف رُخ کریں اور جوں جوں قبلہ سے جہاز رُخ پھیرے، اسی طرف گھومتا چلا جائے، اگر قبلہ کی طرف رُخ ذرا بھی نہیں کرے گا تو نماز درست نہیں ہو گی، ہوائی جہاز کی نظیر کشتی میں نماز پڑھنے کا مسئلہ ہے، مسئلہ کی جو تفصیل اور خدوخال اس میں ہے، بعینہ اس میں بھی ایسی ہی ہے۔(۱)

حالتِ نماز میں رونا

سوال نماز میں جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور شرمندگی کی حالت میں رو پڑتا ہے، تو کیا اس طرح نماز ٹوٹ جاتی ہے؟ (صوفی محمد نذیر)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵٤/۲

جواب اللہ کے خوف اور اپنی بداعمالیوں پر شرما کر رونا اچھی بات ہے اور یہی خوف وخشیت تو دین میں مطلوب اور نماز کا مقصود ہے، اس لئے اگر اللہ کے خوف سے اور جنت و دوزخ کے ذکر پر رویا جائے تو گو آواز سے رونا آ جائے پھر بھی مضائقہ نہیں، لیکن اگر تکلیف یا درد سے رونا آئے اور اس طرح روئے کہ آواز سے حروف بن جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، ہاں اگر بلا آواز روئے، صرف آنسو نکل آئیں تو حرج نہیں۔ (۱)

اگر کوئی پانچ رکعتیں پڑھے

سوال عشا کی آخری رکعت میں ایک شخص شامل ہوتا ہے، اس کو پتہ ہے کہ یہ آخری رکعت ہے، لیکن امام صاحب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے (پانچویں رکعت کے لئے) کھڑے ہو جاتے ہیں سو مقتدیوں کی طرف سے بیٹھنے کے لئے لقمہ بھی دیا جاتا ہے، لیکن امام صاحب کھڑے ہی رہتے ہیں، ایسی صورت میں جو شخص آخری رکعت میں شامل ہوا اُس کے بارے میں کیا یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے امام کے ساتھ دو رکعات پالیں؟ وہ بعد میں دو رکعات پڑھے گا یا تین رکعات؟

جواب اگر یہ یقین ہو کہ امام نے پانچ رکعات ادا کی ہیں، تو مذکورہ صورت میں امام اور مقتدیوں میں سے کسی کی نماز بھی نہیں ہوئی، دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، وہ شخص جو کہ آخری رکعت میں شامل ہوا، اس کی نماز بھی صحیح نہیں، چاہے وہ بعد میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت پڑھے یا تین رکعات، لہٰذا اس شخص کو امام کے ساتھ سلام پھیر کر دوبارہ سب کے ساتھ نماز کا اعادہ کرنا چاہئے، امام کے ساتھ کی دو رکعتیں اور اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد مزید دو رکعات پڑھی ہوں تو یہ چاروں رکعات نفل ہو جائیں گی۔

دورانِ نماز جمائی

سوال دورانِ نماز اگر جمائی آ جائے تو ہمیں لاحول پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

جواب نماز کے دوران اگر جمائی آئے تو حتی الامکان اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے اور

---

(۱) ردالمحتار، باب مایفسد الصلاۃ ۶۶۷/۱

منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہئے (۱) — رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

التثاؤب فی الصلوة من الشیطان فاذا تثاؤب أحدکم فلیکظم ما استطاع . (۲)

نماز میں جمائی کا آنا شیطان کی طرف سے ہے، اس لئے اگر تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو دور کرے۔

نماز کے بعد سلام

سوال ہم نے اپنے وطن کی بہت سی مسجدوں میں دیکھا ہے کہ لوگ جمعہ کی نماز کے بعد سلام پڑھتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ (محمد اظہر انصاری، خمیس مشیط)

جواب سوال کے جواب سے پہلے اتنی بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ نماز، روزہ، ذکرِ الٰہی، تلاوتِ قرآن سب کے لئے کچھ آداب و شرائط اور حدود و قیود ہیں، ان شرائط کی رعایت کی جائے تو بہت بڑا ثواب اور کامیابی کا باعث ہے اور اگر ان حدود کی رعایت نہ کی جائے تو ثواب کے بجائے عذاب اور گناہ ہے، درود و سلام بھی افضل عبادت اور دینی و دنیوی سعادت و خوش بختی کا ضامن ہے، نماز، روزہ کی طرح اس کے بھی کچھ آداب و شرائط ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے سے بجائے ثواب کے گناہ لازم آتا ہے۔

مسجدوں میں جس اجتماعی طریقے سے درود و سلام کے نام پر ہنگامہ آرائی کی جاتی ہے، اس کو نمائش تو کہہ سکتے ہیں، درود و سلام نہیں کہہ سکتے، اسی ہنگامہ آرائی و ہنگامہ خیزی کی وجہ سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

مسجد چوں کہ پوری اُمتِ مسلمہ کی عبادت گاہ ہے، اس میں کسی ایسے عمل کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو دوسرے لوگوں کی انفرادی عبادت نماز، تسبیح، درود، تلاوتِ قرآن میں خلل

---

(۱) بخاری عن ابی ہریرة، باب اذا تثاؤب فلیضع یده علی فیه، کتاب بدء الخلق حدیث ۳۲۸۹، صحیح مسلم، کتاب الزهد و الرقاق باب تشمیت العاطس، حدیث ۲۹۹٤

(۲) ترمذی عن ابی ہریرة، باب ماجاء فی کراهیة التثاؤب فی الصلوة، ابواب الصلوٰة

انداز ہو، بلکہ فقہاء نے تو اس خلل اندازی سے بچانے کے لئے بلند آواز سے تلاوتِ قرآن، جہراً ذکرِ الٰہی مسجد میں کرنے کو حرام لکھا ہے، ظاہر ہے کہ جب تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کو بلند آواز سے مسجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں تو درود و سلام کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے؟

کسی نماز کے بعد اجتماعی طور پر بلند آواز سے درود و سلام پڑھنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ ؓ و تابعینؒ سے اور نہ ائمہ و مجتہدینؒ سے اور نہ علماء سلف میں سے کسی سے، اگر یہ عمل پسندیدہ ہوتا تو صحابہ و تابعین پوری پابندی کے ساتھ ادا فرماتے، لیکن پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ پابندی سے بلند آواز کے ساتھ اجتماعی طور پر درود و سلام پڑھنے کو یہ حضرات بدعت اور ناجائز سمجھتے تھے اور سیدنا حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ جس طرح کی عبادت صحابہ کرام ؓ نے نہیں کی تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو، بلکہ اپنے اسلاف صحابہ ؓ کا طریقہ اختیار کرو۔(۱)

ایک وقت میں دو نمازیں

سوال اگر کوئی شخص مسافر ہو تو ظہر و عصر ملا کر، اسی طرح مغرب و عشاء ملا کر ایک ہی وقت میں پڑھنا بہتر ہے یا اپنے اپنے وقت میں پڑھنی چاہیے؟

(مختار احمد عباسی، الضیاء الشمال)

جواب صرف حج کے موقع پر یوم عرفہ کو ظہر کے وقت میں ظہر و عصر کی نماز اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھی جاتی ہیں، اس کے علاوہ ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جائے گی، یہی احناف کا مسلک ہے، البتہ دیگر ائمہ کے نزدیک حالتِ سفر میں مسافر کے لئے ظہر و عصر کی نمازیں ایک ہی وقت میں (ظہر کے وقت یا عصر کے وقت) اور اسی طرح مغرب و عشاء کی نمازیں (مغرب کے وقت یا عشاء کے وقت میں) ملا کر پڑھنا جائز ہے(۲)

ناپاک کپڑوں میں نماز

سوال میں جہاں کام کرتا ہوں، وہاں نماز پڑھنے کے لئے مصلّٰی ہے، نمازوں کے لئے کوئی مستقل امام نہیں، ہمارے ہی بعض بھائی نماز پڑھاتے ہیں جو

---

(۱) الاعتصام للشاطبی ۳۱۱/۲ (۲) المغنی ۲۳۵/۲

کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں اور کھڑے کھڑے ہی طہارت لیتے ہیں، ظاہر ہے پیشاب کے قطرے لازماً کپڑوں پر پڑیں گے، اسی بناء پر میں اسٹور میں الگ نماز پڑھ لیتا ہوں۔ (محمد فاروق، جدہ)

جواب نماز صحیح اور درست ہونے کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے (۱) ——— اگر آپ کو یقین ہے کہ نماز پڑھانے والے کے کپڑے ناپاک ہیں اور اُسے اس کا علم بھی ہے، اس کے باوجود وہ ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھا رہا ہے، تو آپ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، لیکن محض شک وشبہ کی بناء پر کسی کے بارے میں سوءِ ظن رکھنا گناہ ہے، عام مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ حسن ظن رکھئے اور سوائے مشرک و بدعتی کے ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھئے۔ اگر کوئی شخص کسی عذر کی بناء پر کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہو اور پاکی وصفائی کا خیال رکھتا ہو تو اس کے کپڑوں کا ناپاک ہونا ضروری نہیں، اگر کسی کو اپنے کپڑوں کے ناپاک ہونے کا شبہ ہو تو اسے ان کپڑوں میں نماز پڑھنے اور بالخصوص امامت کرنے سے احتیاط برتنا چاہئے۔

نماز میں رونا

سوال ہمارے محلے کے امام صاحب جب نماز پڑھاتے ہیں تو رونے لگتے ہیں، کیوں کہ اکثر وہ ایسی آیات پڑھتے ہیں جن میں جنت و دوزخ کا ذکر ہوتا ہے، جب وہ رونے لگتے ہیں، تو کبھی پانچ پانچ منٹ تک روتے رہتے ہیں، پھر دل پر قابو کر کے آگے بڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے اور نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا؟ (کبیر احمد، الاحساء)

جواب نماز میں رونا رسولِ کریم ﷺ سے ثابت ہے، جو لوگ نماز کے دوران آیات کی تلاوت یا سماعت پر غور و فکر اور تدبر کرتے ہیں، وہ لوگ یقیناً شوق و تمنائے رحمتِ الٰہی اور خوفِ الٰہی سے روتے ہیں، یہ رونا تو ایک مسنون عمل ہے اور اچھا کام ہے، اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو نماز کے خشوع و خضوع کی علامت ہے، البتہ اگر مصیبت یا تکلیف کی وجہ سے رو پڑے اور رونے کا انداز ایسا ہو کہ اس سے الفاظ کی صورت پیدا ہوئی

---

(۱) یہی رائے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ہے (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۵۷۲/۱)

ہوتو نماز باطل ہو جائے گی۔(۱)

داڑھی نہ رکھنے کا اثر عبادت پر

سوال میں نے ابھی تک داڑھی نہیں رکھی ہے، ایک جگہ پڑھا ہے کہ داڑھی کا منڈانا حرام ہے، اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ داڑھی منڈانے سے انسان کی دوسری عبادات مثلاً نماز، روزہ اور حج وغیرہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

(محمد اکرام، بیچ البحر)

جواب داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا ترک گناہِ کبیرہ ہے، آپ کوشش کریں کہ آپ داڑھی رکھ لیں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دُعا بھی کرتے رہیں۔ داڑھی نہ رکھنا بذاتِ خود ایک گناہ ہے، لیکن اس کا دوسری عبادت اور ارکان و واجبات سے کوئی تعلق نہیں۔

ملازمت کے اوقات میں نماز کی ادائیگی

سوال میرے ساتھ ڈپارٹمنٹ میں بعض ایسے حضرات ہیں جن کا تعلق ایک خاص جماعت سے ہے، یہ حضرات ظہر کی نماز کی ادائیگی کے لئے اذان سے پندرہ منٹ پہلے ہی سے اپنی کرسی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، خاصا اہتمام سے استنجاء اور وضو کرتے ہیں، پھر سنت و نوافل پڑھتے ہیں، جماعت سے نمازِ ظہر پڑھتے ہیں، پھر سنت و نفل ادا کرتے ہیں، بعد میں دُعا ہوتی ہے اور اس طرح نمازِ ظہر کے لئے کم از کم ڈیڑھ گھنٹے کا استعمال کرتے ہیں اور سرکاری دفتری کام چھوڑ دیتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب عبادات اور دین کا غلط تصور اور غلط مفہوم بسا اوقات انسان کو اصل ہدف سے بہت دور لے جاتا ہے، جو کہ بندگی رب ہے، یہ بندگی صرف نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ کا نام نہیں، بلکہ انسان کی پوری زندگی کے اعمال پر محیط ہے، حلال کمانا بھی عبادت ہی ہے، بشرطیکہ نیت صحیح ہو، رسولِ کریم ﷺ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ سے فرمایا کہ تم جو اپنی بیوی (بچوں)

---

(۱) بدائع ۱/۲۳۵

کو کھلاتے پلاتے ہو، یہ بھی عبادت ہی ہے۔(۱)

ملازمت ونوکری کے سلسلہ میں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ یہ ایک دینی عمل ہے اور ذمہ داری کا کام ہے، رسولِ مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ تم اگر کوئی کام (ملازمت وتجارت وغیرہ) کرنا چاہو تو اس کام کو صحیح طریقہ پر انجام دو(۲) جتنے گھنٹے کام کرنے کی تنخواہ آپ کو ملتی ہے، اتنے گھنٹے کام کرنا آپ پر فرض ہے، اگر اس دوران بغیر عذرِ شرعی آپ اپنے اوقات کو فضول استعمال کریں گے تو آپ کی تنخواہ کا یہ حصہ حرام ہو جائے گا۔

دورانِ ملازمت اور کام کرتے ہوئے فرض نماز کے لئے وقت نکالنا ضروری ہے اور اس کے لئے صاحبِ عمل کی اجازت ورضامندی ضروری نہیں، فرض نماز سے مراد صرف رکعات ہیں نہ کہ سنت ونوافل وغیرہ، اسی طرح استنجاء اور وضو پر کئی گھنٹے اور بہت سارا وقت صرف کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے، اسلام تو کام کا دین ہے اور قوت وطاقت اور چستی کا دین ہے، نہ جانے آرام وراحت اور سستی وکاہلی کہاں سے لوگوں نے اپنالی، ایسے لوگ دین اور دین داروں کو بدنام کرتے ہیں جو محض اپنے ذہنی خیالات کی پیروی میں اپنے اوقات کو صرف کرتے ہیں اور اسے دین داری کا نام دیتے ہیں۔

آپ جہاں ملازم ہیں، وہاں آپ کا معاہدہ اس بات پر ہوا ہے کہ روزانہ مخصوص اوقات میں چند گھنٹے کام کرنا ہے، گویا یہ وقت اور یہ کام آپ کے پاس امانت ہے اور آپ اس کے ذمہ دار ونگہبان ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

کلکم راع و کلکم مسؤلون عن رعیته . (۳)

---

(۱) صحیح البخاری ، الجنائز ، باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ ، حدیث ۱۲۹۵
صحیح مسلم ، الوصیة ، باب الوصیة بالثلث ، حدیث ۱۶۲۸

(۲) صحیح الجامع الصغیر للالبانی ، حدیث ۱۸۸۰

(۳) بخاری ، عن ابن عمرؓ ، باب الجمعة فی القریٰ والمدن کتاب الجمعة حدیث ۷۹۳ صحیح مسلم / کتاب الامارة ، باب فضیلة الامام العادل حدیث ۱۸۲۹ مسند احمد ۲/ ۵۴ حدیث ۵۱۶۷

تم میں سے ہر ایک نگہبان و ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی نگہبانی و ذمہ داری کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

اس میں یہ سوال بھی ہوگا کہ اس نگہبانی و ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا کیا تھا یا اسے ضائع کر دیا تھا؟

امانت کو صحیح طریقہ پر ادا کرنا فرض ہے، اپنے لئے اور گھر والوں کے لئے رزقِ حلال تلاش کرتے ہوئے کام کرنا بھی فرض اور عبادت ہے، کسی شخص سے کئے گئے وعدے کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، جب کہ سنت و نوافل کا ادا کرنا نفلی عبادت ہے۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ لوگ نفل کو فرض پر ترجیح دیتے ہیں، بلکہ فرض کو صحیح طریقہ پر ادا نہیں کرتے اور نفل کی ادائیگی کا اچھا خاصا اہتمام کرتے ہیں۔ یاد رکھئے دورانِ ڈیوٹی جو وقت بھی (خواہ وہ چند منٹ ہی کیوں نہ ہوں) آپ ادھر اُدھر ضائع کرتے ہیں اور اپنے اصل کام سے دور بھاگتے ہیں، اس وقت کے بدلے میں تنخواہ لینا آپ کے لئے شرعاً حرام ہے۔

اپنی ڈیوٹی و ملازمت امانت کے ساتھ صحیح طریقے پر ادا کیجئے اور اپنی تنخواہ کو حلال بنائیے کہ حرام غذا سے ساری عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

اگر چھ ماہ تک کے دن رات ہوں؟

سوال دنیا میں جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن رہتا ہو وہاں نماز وغیرہ کس طرح پڑھیں گے؟ اور وہاں کے احوالِ زندگی کیا ہیں؟ (شیخ احمد، جیزان)

جواب جہاں تک ان ممالک کے محلِ وقوع اور وہاں کے احوالِ زندگی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں صحیح تبصرہ کوئی مؤرخ اور جغرافیہ داں ہی کر سکتا ہے، بہر حال ایسی جگہوں پر اندازے سے نماز ادا کی جائے گی، یعنی اس سے قریبی جگہوں اور ممالک میں جتنے گھنٹے کے دن اور رات ہوتے ہوں اس پر قیاس کرتے ہوئے نماز پڑھی جائے گی، کتبِ حدیث میں دجال کے سلسلے میں ایک طویل حدیث مذکور ہے، جس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا اور طویل الاوقات جگہوں پر نمازوں کے بارے میں یہ رائے قائم کی ہے۔ حدیث میں ہے: رسولِ کریم ﷺ نے جب دجال کے ظہور اور اس کی فتنہ انگیزیوں کا ذکر فرمایا تو صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ وہ زمین میں کتنے دن رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس دن، پھر شروع کے تین دنوں کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس کا پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، دوسرا دن ایک مہینہ کے برابر اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر، پھر صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، اس میں ایک دن کی نماز پڑھنا کافی ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ اندازہ کر کے نماز پڑھتے رہو۔(۱)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شارحِ مشکوٰۃ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث موجود نہ ہوتی اور ہم اپنے اجتہاد پر اعتماد کرتے تو نماز کو معروف اوقات تک محدود رکھتے، جیسا کہ دوسرے دنوں میں ہم کرتے ہیں، بہرحال جب صبح بہت طویل ہو جائے تو اندازہ کیا جائے کہ صبح کے کتنی دیر بعد نمازِ ظہر پڑھی ہے، اسی اعتبار سے نماز پڑھی جائے گی، اسی طرح ظہر و عصر کے درمیان، پھر مغرب عشاء کے درمیان فصل کیا جاتا رہے گا، یہاں تک کہ یہ لمبی مدت گذر جائے۔ یہ حدیث اگرچہ دجال کے سلسلے میں ہے، جس کی آمد اور اس موقع پر طویل دنوں کا مشاہدہ قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے، لیکن اس حدیث کی بناء پر جہاں مستقل طور پر غیر معمولی طویل دن و رات ہوتے ہوں، وہاں کے لوگوں کے لئے علماء نے فرمایا کہ وہ بھی اندازے سے نماز پڑھیں گے اور اندازے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ میں قریبی جگہوں اور قریبی ممالک کا اعتبار کیا جائے یا پھر چوبیس گھنٹوں کو ایک دن و رات تسلیم کر کے ہر دو نمازوں کے درمیان اتنا وقفہ رکھا جائے جتنا کہ عموماً دوسری جگہوں پر ہوا کرتا ہے، روزوں کو بھی اسی طرح قیاس و اندازے سے رکھا جائے۔(۲)

نماز کے شرائط، فرائض اور واجبات

سوال نماز میں فرض اور واجب کیا ہیں اور ان کا حکم کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(محمد شفیع، مکہ مکرمہ)

جواب نماز میں چودہ چیزیں فرض اور ضروری ہیں، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی چاہے سہواً

---

(۱) ترمذی، عن نواس بن سمعان، باب ماجاء فی فتنة الدجال، ابواب الفتن

(۲) جدید فقهی مسائل ۱/۴٦، ط: دهلی

چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوگی، بلکہ دوبارہ نماز کا لوٹانا ضروری ہوگا، ان میں سے سات چیزیں نماز سے پہلے کی ہیں، جن کو اصطلاح میں ''شرائطِ نماز'' کہا جاتا ہے اور سات چیزیں نماز کے اندر کی ہیں جن کو اصطلاح میں ''ارکانِ نماز'' یا ''فرائض نماز'' کہا جاتا ہے، دونوں کا حکم ایک ہی ہے کہ اگر شرائطِ نماز یا ارکانِ نماز میں سے ایک چیز بھی چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوگی اور سجدۂ سہو سے بھی اس کی تلافی ممکن نہیں، بلکہ نماز کا اعادہ، دوبارہ پڑھنا ضروری ہوگا۔

شرائطِ نماز

شرائطِ نماز یہ ہیں: (۱) نماز وقت پر پڑھنا (وقت سے پہلے نماز معتبر نہیں، وقت نکلنے اور ختم ہوجانے کے بعد نماز پڑھی گئی تو وہ ادا نہیں بلکہ قضا ہوگی) (۲) بدن کا پاک ہونا، یعنی نمازی کا بدن نجاستِ حقیقی و حکمی سے پاک ہو، نجاستِ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ظاہری نجاست بدن پر لگی ہو تو اس کو دھوڈالے اور نجاستِ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی باطنی نجاست ہو تو اس سے پاکی حاصل کرلے، یعنی وضو نہ ہو تو وضو کرلے اور غسل کی حاجت ہو تو غسل کرلے، نجاستِ حقیقی و حکمی سے بدن کی پاکی کے بغیر نماز معتبر نہیں (۳) کپڑوں کا پاک ہونا، یعنی جن کپڑوں میں نماز پڑھی جارہی ہے، اگر ان پر نجاست لگی ہو تو اس کو دھوکر پاک کرلے (۴) نماز کی جگہ کا پاک ہونا، یعنی جس جگہ نماز پڑھے یا جس چٹائی یا جائے نماز پر پڑھے، اس کو پاک ہونا چاہئے (۵) ستر عورت، یعنی نمازی کا قابلِ ستر حصہ چھپا ہونا، مرد کے لئے کم سے کم گھٹنے سے لے کر ناف تک کا حصہ اور عورت کے لئے دونوں ہاتھ کے پہنچوں، دونوں پیروں اور چہرہ کے علاوہ سارا بدن نماز کی حالت میں کپڑے سے چھپا ہونا ضروری ہے (۶) نماز پڑھتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ ہونا (۷) نماز کی نیت کرنا، البتہ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے، زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، دل میں اتنا ارادہ کرلینا بھی کافی ہے کہ میں فلاں وقت کی نماز پڑھ رہا ہوں۔

فرائضِ نماز

نماز کے اندر جو چیزیں فرض ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) تکبیر تحریمہ، یعنی نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہنا (۲) قیام یعنی کوئی عذر نہ ہو تو کھڑے ہوکر نماز پڑھنا، بلا عذر بیٹھ کر نماز

پڑھنا درست نہیں، البتہ نفل نماز بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں، لیکن اس سے ثواب میں کمی واقع ہوگی، جیسا کہ احادیث میں یہ صراحت مذکور ہے (۳) قراءت یعنی قرآنِ کریم کی کم از کم تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا (۴) رکوع کرنا (۵) دونوں سجدے کرنا (۶) قعدۂ اخیرہ میں جتنی دیر تشہد پڑھنے میں لگتی ہے، اُتنی دیر بیٹھنا (۷) اپنے ارادہ سے نماز سے باہر ہونا، دوسرے ائمہ کے نزدیک لفظ "السلام علیکم" کے ذریعہ نماز ختم کرنا فرض ہے۔ یہ چیزیں نماز میں فرض ہیں، اگر ان میں سے کوئی چیز سہواً بھی چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوگی اور نماز کو لوٹانا ضروری ہوگا۔

واجباتِ نماز

نماز میں جو چیزیں واجب ہیں، وہ یہ ہیں : (۱) فرض نماز کی پہلی دونوں رکعتوں میں قراءت، سنت ونفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں قراءتِ قرآن واجب ہے (۲) سورہ فاتحہ پڑھنا، فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں اور سنت ونفل اور وتر کی تمام رکعات میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کم از کم تین آیات یا ایک بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے اور فرض نمازوں میں صرف پہلی دو رکعتوں میں ضم سورہ واجب ہے (۴) سورہ فاتحہ کا ملائی ہوئی سورۃ یا آیات سے پہلے پڑھنا (۵) تمام ارکان کو پے در پے ادا کرنا، یعنی اگر ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کے ادا کرنے میں بھول کر اتنی دیر ہو جائے کہ جتنی دیر میں ایک سجدہ یا رکوع کر سکتا تھا تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے، البتہ دعاء، تسبیح وغیرہ پڑھنے میں چاہے کتنی دیر ہو جائے، سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا (۶) قیام، قراءت، رکوع اور سجدہ میں ترتیب کا خیال رکھنا (۷) رکوع اور سجدہ میں کم از کم اتنی دیر رہنا جتنی دیر میں کہ ایک مرتبہ "سبحان ربی الاعلی" یا "سبحان ربی العظیم" پڑھا جا سکتا ہو (۸) قومہ کرنا، یعنی رکوع کے بعد اچھی طرح سیدھے کھڑا ہونا (۹) جلسہ کرنا، یعنی ایک سجدہ کر کے اچھی طرح بیٹھنا پھر دوسرا سجدہ کرنا (۱۰) قعدۂ اولیٰ یعنی تین اور چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد بقدرِ تشہد بیٹھنا (۱۱) دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا (۱۲) سری نمازوں میں قراءت آہستہ اور جہری نمازوں میں زور سے (۱۳) سلام کے ذریعہ نماز ختم کرنا (۱۴) وتر کی تیسری رکعت میں قنوت کے لئے تکبیر کہنا اور دُعائے قنوت پڑھنا (۱۵) عیدین کی

نمازوں میں تکبیراتِ زوائد کہنا۔

نماز میں مذکورہ بالا چیزیں واجب ہیں اور واجباتِ نماز کا حکم یہ ہے کہ عمداً ان میں سے کوئی چیز چھوڑ دی جائے تو نماز درست نہیں اور نماز کو لوٹانا ضروری ہے، ہاں اگر سہواً یعنی بھول کر ان میں سے کوئی واجب چھوٹ جائے تو نماز مکمل طور پر فاسد نہیں ہوگی، البتہ سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا اور اگر سجدہ سہو بھی نہ کر سکے، سلام پھیرنے اور قبلہ سے سینہ پھیرنے کے بعد یاد آئے کہ فلاں واجب چھوٹ گیا تھا تو اب ایسی صورت میں نماز کو لوٹانا ضروری ہوگا۔ البتہ جمعہ وعیدین میں سجدہ سہو نہیں ہوتا۔(۱)

مشکل وقت میں نماز

سوال مشکل وقت میں کونسی نماز پڑھنی چاہئے؟

جواب جب بھی کوئی مشکل پیش آئے یا کسی پریشانی ومصیبت کا سامنا ہو تو دو رکعت نفل نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا چاہئے۔ رسولِ کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے بارے میں بھی روایتوں میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ جب بھی انھیں کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ فوراً نماز کی طرف دوڑتے، چنانچہ سیدنا ابراہیم ؓ کی وفات کے موقع سے جب سورج گرہن پیش آیا تو آپ ﷺ فوراً نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے۔ عن ابی بکرۃ قال کنا عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فانکشفت الشمس فقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یجر رداء ہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین حتی انجلت الشمس فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ان الشمس والقمر لایخسفان لموت احد فاذا رأیتموھما فصلوا وادعوا حتی یکشف مابکم . (۲)

اس جیسے مشکل اوقات میں آپ ﷺ نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور دُعا کرتے تھے، البتہ یہ عام نفل نمازوں کی طرح ایک نماز ہے، اس کا کوئی خاص طریقہ

---

(۱) الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵۲۳/۱ ومابعدہ

(۲) صحیح البخاری عن ابی بکرہ ، باب الصلاۃ فی کسوف الشمس ، کتاب الکسوف ، حدیث ۱۰۴۰

نہیں، مشکل اور پریشانی میں پڑھنے کے لئے بے شمار دُعائیں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں، اس میں سے جو دُعا بھی اپنے مناسبِ حال نظر آئے ایسے موقع پر کثرت سے پڑھنی چاہئے۔

جیب میں تصویر کے ساتھ نماز کی ادائیگی

سوال یہاں ہر ریال پر تصویر ہوتی ہے، نیز اقامہ پر بھی اپنی تصویر ہوتی ہے اور یہ چیزیں اکثر جیب میں ہر نماز میں ساتھ رہتی ہیں، کیا اس طرح نماز دُرست ہے؟ (عبدالقادر جیلانی، حائل)

جواب چوں کہ تصویر جیب میں بند اور چھپی ہوئی ہوتی ہے، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں اور نماز دُرست ہے، تصویر اگر نمازی کے سامنے ہو اور اس طرح لٹکی ہوئی ہو یا رکھی ہو کہ دیکھنے والے کو اس کی عبادت یا تعظیم کا شبہ پیدا ہوتا ہو تو اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(۱)

تصویروں والے کمرہ میں نماز

سوال اگر کسی کمرہ میں فریم لگا ہوا فوٹو رکھا ہو یا دیوار پر کوئی ایسا کیلنڈر لگا ہو جس پر کسی انسان یا جانور کی تصویر بنی ہو تو کیا اس کمرہ میں نماز پڑھنا دُرست ہے؟ نیز کیا ایسے کمرہ میں بھی نماز ہو جائے گی جہاں گڑیا یا جانور کی شکل میں بنے کھلونے وغیرہ سجے ہوں؟ (ص-ر، جدہ)

جواب گھر یا کسی کمرہ میں ذی روح کی تصویر لٹکا کر رکھنا یا مجسمے رکھنا درست نہیں، ایسے کمرے میں نماز بھی نہ پڑھی جائے، لیکن اگر پڑھ لیں تو کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔

کیا ران ستر میں شامل ہے؟

سوال کیا مرد اپنی رانیں بھی چھپائے رکھے گا؟ کیا ران ستر میں شامل ہے؟ ہم چند نوجوان مل کر جب کھیلتے ہیں تو کھیل کے لباس میں ہماری رانیں کھلی ہوتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (فاروق احمد خاں، ریاض)

جواب ران ستر میں شامل ہے، لہٰذا مرد اپنی رانوں کو کپڑے سے ڈھکا رکھیں۔ رسولِ کریم

---

(۱) هندية ۱/۱۰۶

ﷺ کا ارشاد ہے کہ : ''مسلمان کی ران اس کی ستر میں سے ہے''(۱) ـــــ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کی ران کھلی دیکھ کر فرمایا :

غط فخذك فانما من العورة . (۲)

اپنی ران کو ڈھکو کہ ران ستر میں سے ہے۔

اس لئے آپ کھیلتے ہوئے ایسا لباس پہنیں جسے پہن کر رانیں چھپ جائیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی گھٹنے اور ناف کے درمیان کا حصہ ستر میں داخل ہے، اس لحاظ سے ران کا حصہ ان کے نزدیک بھی چھپانا ضروری ہے۔(۳)

نماز میں سورتوں کی ترتیب

سوال جہری نماز میں امام اگر سورہ فاتحہ کے بعد والی سورۃ میں پہلی اور دوسری رکعت میں ترتیب کا لحاظ نہ رکھ سکے تو کیا امام کی نماز ہو جائے گی اور مقتدیوں کی نماز کا کیا بنے گا؟ (محمد شاہد، ریاض)

جواب نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورتوں کی ترتیب کا خیال رکھنا افضل اور بہتر ہے، لیکن ضروری اور واجب نہیں، لہٰذا اگر اس کے برخلاف ہو جائے تو کراہت کے ساتھ امام اور مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی۔(۴)

تشہد کی دُعا

سوال قعدۂ اخیرہ میں تشہد اور درودِ ابراہیمی کے بعد جو بھی دُعا یاد ہو پڑھ سکتے ہیں یا اس کے بعد سلام پھیرنا چاہئے؟

جواب اس سلسلے میں جو مشہور دُعا نبی کریم ﷺ سے منقول ہے، وہی پڑھیں تو زیادہ بہتر ہے، ورنہ قرآن وحدیث میں مذکور دوسری کوئی دُعا بھی پڑھی جا سکتی ہے، نیز دُعائے ماثورہ کا پڑھنا

---

(۱) ترمذی، عن جرهد الاسلمی، باب ماجاء أن الفخذ عورة، کتاب الأدب، حدیث ۲۷۹۴

(۲) الترمذی / الادب / باب ان الفخذ عورة حدیث ۲۷۹۸

(۳) المغنی ۳۴۸/۱، الفقه الاسلامی وأدلته ۵۹۱/۱

(۴) غیاثیه ۲۵

فرائض یا واجباتِ نماز میں سے نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مجبوری یا طبعی ضرورت کے پیش نظر انفرادی نماز میں تشہد اور درود کے بعد ہی سلام پھیر دے تو بھی اس کی نماز ادا ہو جائے گی، اگر چہ ناقص ہوگی۔(۱)

نماز کے اوقات میں کاروبار

سوال یہاں سعودی عرب میں رہ کر جہاں کئی بری عادتیں چھوٹیں، وہیں اچھی عادات بھی سیکھیں، انہی میں ایک نماز کی پابندی ہے، لیکن جب چھٹی پر ہم اپنے ملک جاتے ہیں، تو یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی دکانیں کھلی رہتی ہیں اور تمام کاروبار چلتے رہتے ہیں، نماز کے وقت لوگ خرید و فروخت اور دوسرے دنیاوی مشاغل میں مگن رہتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ ہمارے ملک میں کب ایسا مبارک ماحول بنے گا، جب نماز کے اوقات میں تمام مسلمان مساجد میں نظر آئیں؟ (مستفیض الرحمان محمد، مدینہ منورہ)

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے صالح، متقی بندوں کو زمین پر خلافت و حکومت کے عطا ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان صالح بندوں کو اقتدار ملتا ہے تو وہ نماز کو قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کے نظام کو نافذ کرتے ہیں، نیکیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔(۲)

یہ سعودی عرب مہبطِ وحی ہے، ارضِ حرمین شریفین ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس ارضِ مقدس کی مناسبت سے حکومت و اقتدار بھی اپنے ایسے بندوں کو عطا کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ کئے ہوئے ہیں اور امر بالمعروف اور نھی عن المنکر پر عمل درآمد کروار ہے ہیں، دو بڑے ائمہ امام محمد بن سعود اور امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہما نے یہاں اس ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا آغاز کیا تھا، جو بحمد للہ آج تک قائم و دائم ہے، اسی نظام کی برکت سے آپ کو یہاں نمازوں کا ماحول ملتا ہے اور خیر و بھلائی کے چرچے سننے کو ملتے ہیں۔

---

(۱) فتح القدیر ۲۷۴/۱ (۲) الحج ۴۱

ہمارے ملکوں میں چوں کہ جمہوریت اور جمہوری نظام ہے، جس میں انسان اور گدھے، مسلمان اور غیر مسلم، صالح ومتقی اور فاسق وفاجر سب کے ووٹ برابر ہیں، بلکہ اب تو غیر مسلموں کا ووٹ مسلمانوں سے دوہرا ہے، لہٰذا ایسے نظام کے ہوتے ہوئے اسلامی نظام اور عدل وانصاف قائم نہیں ہوسکتا، نماز کو قائم کرنا اور اسے قائم رکھنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر غیر اسلامی نظام کی وجہ سے حکومت ایسا کرنا نہیں چاہتی تو علماء اور دوسرے اچھے مسلمان شہریوں اور دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام الناس کے تعاون اور سرپرستی سے یہ نظام نافذ کروالیں کہ نمازوں کے اوقات میں کم از کم برسرِعام خرید وفروخت نہ ہو اور بازار، دکانیں وغیرہ بند ہوں، تاکہ ہر شخص کو نماز کی طرف رغبت پیدا ہو، اسی طرح تعلیمی وغیر تعلیمی، حکومتی ونجی تمام ادارے اور ان کی انتظامیہ اپنے یہاں نمازوں کے اوقات میں تمام کارکنوں اور طلباء کو نماز کی پابندی کروائیں۔

لوگوں کے ڈر سے نماز

سوال زید دفتر کے اوقات میں پابندی سے نماز ادا کرتا ہے، کیوں کہ اس کو ڈر لگتا ہے اور شرم آتی ہے کہ اگر نماز نہیں پڑھی تو لوگ کیا کہیں گے؟ دفتر کے بعد اور چھٹی کے دنوں وہ مسجد کا رُخ بالکل نہیں کرتا، آیا اس کی نماز جو دفتر میں پڑھتا ہے وہ ادا ہوگی یا نہیں؟ کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (سراج قمرالدین، ریاض)

جواب اگر کوئی شخص نماز کے ارکان، فرائض وواجبات وغیرہ مکمل ادا کرکے نماز پڑھتا ہے تو ایسے شخص کی نماز صحیح ہے، نماز یا کسی بھی عمل کی صحت کا دارومدار عام طور پر حسن نیت پر موقوف نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس عمل کے فوائد، قبولیت اور اجروثواب کا تعلق حسن نیت اور اخلاص سے ہوتا ہے کہ جو عمل جس درجہ اچھی نیت اور اخلاص کے ساتھ یعنی اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر انجام دیا جائے گا وہ اتنا ہی زیادہ مقبول اور باعثِ اجروثواب ہوگا، نماز کی صحت اور قبولیت دو الگ چیزیں ہیں، پھر دلوں کے حال سے صرف اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے، لہٰذا کسی کے بارے میں ہمیں یہ فیصلہ کرنے کا حق نہیں کہ فلاں شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے یا ان کے ڈر اور شرم

سے نماز پڑھتا ہے، اس لئے اس کی نماز مقبول نہیں، زید اگر گھر پر یا چھٹی کے دنوں میں نماز نہیں پڑھتا تو حکمت کے ساتھ اسے نماز کی تلقین کی جائے، تاکہ وہ پنج وقتہ نمازوں کا پابند ہوجائے۔

قعدہ میں درود شریف

سوال نماز کے قعدۂ اُولیٰ اور قعدۂ ثانیہ میں کیا درود شریف پڑھنا ضروری ہے؟

جواب نماز کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے (۱) —— امام شافعیؒ نے درود شریف کی اہمیت کے پیش نظر ایک روایت کے مطابق اسے قعدۂ اُولیٰ میں بھی واجب قرار دیا ہے، جب کہ قعدۂ ثانیہ میں ان کے یہاں درود شریف پڑھنا فرض ہے، احناف کے یہاں قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ (۲)

نماز میں خشوع وخضوع

سوال میں نے سنا ہے کہ نماز میں ہاتھ پاؤں بلکہ کسی بھی عضو کو حرکت نہیں دینا چاہئے اور یہ کہ تین مرتبہ ہاتھ چھوڑ دینے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے، اس بارے میں رہنمائی فرمائیں۔ (محمد اقبال، القصیم)

جواب نماز پڑھتے ہوئے نمازی کی تمام توجہ حضورِ قلب پر ہونی چاہئے کہ دل حاضر ہو اور دل میں اس بات کا احساس بلکہ یقین ہو کہ احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری کا موقع ہے۔ (۳) اسی احساس سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے، جو نماز کی جان ہے، نمازی اگر نماز پڑھتے ہوئے دل کے حضور سے نماز پڑھے تو یہ نماز کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر آیت پر غور کرتا ہے اور یہی تدبر اور غور وفکر اس کی نماز میں وہ طاقت پیدا کردیتے ہیں جس کے ذریعے یہ نمازی گناہوں سے دور رہتا ہے، نماز کے دوران فضول حرکتیں اِدھر اُدھر دیکھنا، دل میں دُنیا کا اور دُنیا والوں کا خیال آنا یہ بتاتا ہے کہ نمازی کا دل نماز میں نہیں ہے، کہیں اور ہے، بقول شاعر

---

(۱) طحطاوی علی المراقی ص ۱۴۷، ط: بولاق مصر

(۲) الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷۱۹/۱

(۳) الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷۱۹/۱

مشرق :

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اگر چہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ تین بار یا تین بار سے زائد حرکت کرنے سے نماز میں نقص واقع ہو جاتا ہے، لیکن یہ کوئی تین بار یا تین سے زیادہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نماز کی جان اور روح حضورِ قلب ہے، اگر یہ کیفیت موجود نہیں ہے تو نماز بے اثر اور بے جان ہے۔

حالتِ نماز میں کعبہ پر نظر

سوال مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے ہوئے حالتِ نماز میں کعبہ شریف کو دیکھتے رہنا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب نماز جہاں بھی پڑھی جائے، حالتِ قیام میں نمازی کی نگاہ سجدہ کی جگہ ہونی چاہئے، نماز میں خانہ کعبہ کو دیکھتے رہنا دُرست نہیں۔(۱)

ٹخنوں سے اُوپر کپڑا

سوال کیا دورانِ نماز ٹخنوں پر تہبند یا پاجامہ وغیرہ رہ سکتا ہے یا ٹخنوں سے اُوپر ہونا چاہئے؟

جواب یہ بات نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ عام حالات میں بھی تہبند پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اُوپر ہی ہونا چاہئے۔ ایک مرتبہ رسولِ کریم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے دیکھا تو فرمایا:

وارفع ازارك الى نصف الساق فان ابيت فالى الكعبين واياك واسبال الازار فإنها من المخيلة وإن الله لايحب المخيلة . (۲)

نصف پنڈلی تک اسے اُونچا کرلو، اگر یہ پسند نہ ہو تو ٹخنوں تک کرلو، لیکن

(۱) الفقه الاسلامى وأدلته ۷۲۶/۱

(۲) ابوداؤد ۵٦٤/۲ ، عن جابر بن سليم ، باب ماجاء فى اسبال الازار

ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے بچو، کیوں کہ یہ تکبر وغرور کی علامت ہے اور اللہ تکبر وغرور کو پسند نہیں فرماتا۔

ایک اور حدیث میں جو ابوداؤد ہی میں سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے'' میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ ! وہ لوگ کون ہیں؟ یقیناً وہ بڑے خسارے میں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی، میں نے پھر پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ ! وہ لوگ کون ہیں؟ یقیناً وہ بڑے خسارے میں ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''(پاجامہ یا تہبند) ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، (کسی پر احسان کرکے) احسان جتانے والا اور اپنے سامان کو جھوٹی قسم کھا کر فروخت کرنے والا۔''(۱)

جب عام حالات میں بھی کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی اجازت نہیں تو پھر نماز کی حالت میں جو کہ عبادت ہے، اس کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، اگر کوئی اس طرح نماز پڑھے تو اس کی نماز تو ہوجائے گی، لیکن اس کا یہ عمل مکروہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی نماز کو غیر مقبول قرار دیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا : ''جاؤ وضو کرکے آؤ'' وہ شخص گیا اور وضو کیا، جب وہ آیا تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا : ''جاؤ وضو کرکے آؤ'' ایک شخص کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ ! آپ اسے بار بار کیوں وضو کا حکم فرما رہے ہیں؟ پھر وہ خاموش ہوگیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''وہ اپنا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا۔''(۲)

نماز میں آنکھیں بند کرنا

سوال آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا کہاں تک درست ہے؟ بعض لوگ خشوع و

---

(۱) ابوداؤد ۲/۵ ٥ عن ابی ذرؓ، باب ماجاء فی اسبال الازار، حدیث نمبر ۴۰۸۷

(۲) ابوداؤد ۲/۵ ٥ عن ابی هريرة، باب الاسبال فی الصلاة

خضوع حاصل کرنے کے لئے نماز میں آنکھیں بند کرتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنکھیں بند کرنے یا بند رکھنے سے نماز نہیں ہوتی، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ بات درست نہیں کہ نماز میں آنکھیں بند کرنے یا بند رکھنے سے نماز نہیں ہوتی، البتہ ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں، نمازی کو چاہئے کہ نماز میں جب اللہ کے سامنے کھڑا ہوتو سجدہ کی جگہ اپنی نگاہ جمائے رکھے، نہ اِدھر اُدھر دیکھے اور نہ آنکھیں بند کرے، آنکھیں بند کئے بغیر بھی خشوع وخضوع نماز میں پیدا ہوسکتا ہے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھ رہا ہو اس کو غور وفکر سے پڑھے، سمجھ کر پڑھے اور اسی پر تدبر کرتا رہے، تو انشاء اللہ آہستہ آہستہ خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوگی۔ (۱)

نماز لوٹانا ضروری ہے

سوال امام صاحب نے مغرب کی نماز میں سورۃ العلق کی تلاوت کی، پھر سورہ کے ختم پر اللہ اکبر کہتے ہوئے سیدھے رکوع میں چلے گئے، سجدۂ تلاوت کرنا شاید بھول گئے، لیکن میں اور اکثر لوگ تکبیر سن کر سجدہ میں چلے گئے، امام صاحب چوں کہ رکوع میں تھے، انھوں نے جب سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رکوع سے سر اُٹھایا تو ہم سجدہ سے اُٹھے اور پھر امام کے ساتھ سجدہ میں گئے، اس طرح اب جن لوگوں نے رکوع نہیں کیا، ان کی نماز دُرست ہوئی یا نہیں؟ (عبدالحکیم، طائف)

جواب رکوع نماز میں ایک اہم رکن اور فرض ہے اور فرض کے چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی، لہٰذا جن لوگوں نے رکوع نہیں کیا ان کی نماز صحیح نہیں ہوئی، انھیں چاہئے کہ اپنی نماز دوبارہ پڑھیں، اسی طرح یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہے کہ مقتدیوں پر امام کی اقتداء ضروری ہے، اگر کسی ایک رکن میں مکمل طور پر امام کی اقتداء ترک ہوجائے تو ایسے مقتدی کی بھی نماز باطل ہوجائے گی (۲) —— اس طرح مذکورہ صورت میں اگر کوئی شخص ''سجدۂ تلاوت'' سے اُٹھ کر

---

(۱) هندية ۱/۱۰۷، المغنی ۱/۳۷۰ (۲) هندية ۱/۹۷

رکوع کرلے، جب کہ امام صاحب رکوع کر چکے ہوں تب بھی اس شخص کی نماز ایک رکن میں امام کی اقتداء چھوٹ جانے کی وجہ سے باطل ہوگی، اسے بھی اپنی نماز لوٹانا ضروری ہے۔
تیسری بات یہ ہے کہ نماز میں آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد اگر فوراً رکوع، پھر سجدہ کرے تو اس نماز والے سجدے سے آیتِ تلاوت کا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا، اگر آگے تلاوت کا تسلسل رکھنا ہو تو سجدۂ تلاوت کرکے پھر آگے قرآن پڑھے، پھر رکوع وسجدہ کرکے نماز مکمل کرے۔

نماز میں تلاوتِ قرآن کی مقدار

سوال ایک رکعت میں کم از کم تین آیات پڑھی جاتی ہیں، کیا صرف آیۃ الکرسی کو ایک رکعت میں پڑھ سکتے ہیں؟ اسی طرح سورۂ بقرہ کی آخری تین آیات دو رکعتوں میں پڑھ سکتے ہیں؟

جواب نماز کی جن رکعات میں بھی سورہ فاتحہ کے بعد ضم سورہ یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ یا آیت ملانا ضروری ہے، اس کی مقدارِ واجب یہ ہے کہ کم از کم تین چھوٹی آیات کے بقدر ہو، اگر کوئی ایک آیت تین چھوٹی آیات کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہے تو ایسی ایک آیت پر اکتفا کر لینا بھی کافی ہے، جیسا کہ ایک چھوٹی سورۃ قرآن پاک کی سورۃ الکوثر ہے، جس میں تین آیات ہیں، ایک رکعت میں اس ایک سورۃ کا پڑھ لینا کافی ہے، آیۃ الکرسی یقیناً اس سورۃ سے کئی گنا بڑی ہے، لہٰذا ایک رکعت میں صرف آیۃ الکرسی پڑھ کر رکوع کر لینا صحیح ہے، اسی طرح سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات بھی بڑی ہیں، اس لئے انھیں دو رکعات میں تقسیم کرکے پڑھا جاسکتا ہے، یعنی پہلی رکعت میں دو آیتیں اور دوسری رکعت میں ایک آیت پڑھ لینا درست ہے۔ (۱)

نماز کی اصل روح

سوال بعض لوگ نماز پڑھتے ہوئے سر کھجاتے، ناک صاف کرکے ٹشو پیپر جیب میں رکھتے اور پیجر بج اُٹھے تو جیب سے نکال کر نمبر دیکھ کر رکھتے ہیں، کیا ان حرکات سے نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟ (سجاد علی، دمام)

---

(۱) فتاویٰ غیاثیہ ۲۵

جواب نماز کا اصل ہدف اور مقصد اس تقویٰ کا حصول ہے، جس کی بدولت نمازی گناہوں سے دور رہے اور نیکیوں کی طرف لپک لپک کر جائے، نماز کی روح خشوع وخضوع ہے، جو لوگ نماز میں بے جا اور کثرت سے حرکات کرتے ہیں، وہ نماز کی اصل روح اور جان سے محروم رہتے ہیں، البتہ نماز کو فاسد کرنے والی چیزیں الگ ہیں، جنھیں علماء نے مفسداتِ صلوٰۃ اور مبطلاتِ صلوٰۃ کے نام سے مستقل الگ بیان کیا ہے، جن حرکات کا آپ نے ذکر کیا ہے، اگر اس میں ''عمل کثیر'' پایا جائے تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی ورنہ نہیں۔

عمل کثیر نماز کا وہ عمل ہے کہ جس کو کرتے ہوئے کوئی غیر نمازی دیکھ لے تو اس کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، اگر غیر نمازی کو اس آدمی کے نماز میں مشغول ہونے یا نہ ہونے میں شک وشبہ ہو جائے تو وہ عمل قلیل شمار ہوگا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ جس کام میں دو ہاتھ کی ضرورت پڑے وہ عمل کثیر ہے اور جس میں صرف ایک ہاتھ کی ضرورت پڑے وہ عمل قلیل ہے، بعض فقہاء کا خیال ہے کہ مبتلیٰ بہ جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہوگا، یہ آخری قول امام ابوحنیفہؒ کے نقطۂ نظر سے ملتا جلتا نقطۂ نظر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس طرح کے مسائل میں مبتلیٰ بہ ہی کی رائے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ (۱)

امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، چاہے وہ عمل ضرورت کی بنیاد پر ہو یا بلا ضرورت ہو، البتہ ان کے نزدیک عمل کثیر اور عمل قلیل کا معیار ایک تو عرف ہے کہ عرفِ عام میں نماز کے اندر جس عمل کو کثیر سمجھا جاتا ہو وہ عمل کثیر ہوگا اور جس کو قلیل سمجھا جاتا ہو وہ عمل قلیل ہوگا، دوسرا معیار رسول اللہ ﷺ کا مبارک عمل ہے، آپ ﷺ نے دورانِ نماز جو کام انجام دیئے، وہ سب عمل قلیل ہے اور جو آپ ﷺ کے عمل سے زائد ہو وہ کثیر ہے، روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں بھی مشغول رہتے اور سیدنا حسن کو بھی گود لئے ہوتے، اسی طرح سیدنا حسن کا دورانِ نماز آپ ﷺ کی گردن پر چڑھنا، سامنے سے گذرنے والے کو دفع کرنا وغیرہ، یہ تمام اُمور آپ سے نماز میں ثابت ہیں، اس لئے اس طرح کے اُمور درمیانِ نماز بلا کراہت درست ہوں گے۔ (۲)

---

(۱) فتح القدیر ۳۵۱/۱ (۲) المغنی ۴۲/۲

نماز کے دوران آسمان کی جانب دیکھنا

سوال دورانِ نماز آسمان کی طرف بار بار دیکھنا کیسا ہے؟ کیا یہ عمل جائز ہے؟

جواب نماز ایک ایسی عبادت ہے، جو خشوع وخضوع کا نام ہے، اسی لئے دورانِ نماز نمازی ہر اس حرکت سے پرہیز کریں جو خشوع وخضوع کی کیفیت کو ختم کرتے ہوں، کئی احادیث میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ جناب رسولِ کریم ﷺ نے دورانِ نماز آسمان کی طرف دیکھنے کو سخت ناپسند فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا: ''جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہیں، وہ اس بات سے ڈریں کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کی شکلیں گدھے کی سی نہ بنا دے۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''کہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے ان کی نگاہیں ہی اُچک لی جائیں۔''(۱)

فرض نمازوں کے بعد دُعا

سوال نمازوں میں کونسی نماز کے بعد دُعا مانگنا افضل ہے؟ کیا فرض نماز کے فوراً بعد دُعا مانگی جاسکتی ہے؟ احادیث وسنن کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(شیخ زبیر احمد، ریاض)

جواب ہر فرض نماز کے بعد دُعا مانگنا نہ صرف افضل ہے بلکہ یہ قبولیتِ دُعا کا ایک اہم وقت ہے، رسولِ کریم ﷺ سے فرض نمازوں کے بعد دُعا مانگنا ثابت ہے، سنن ترمذی میں سیدنا ابوامامہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کونسی دُعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ (یعنی کس وقت دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''رات کے اخیر حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد'' (۲) — چنانچہ رسول کریم ﷺ نماز کے فوراً بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (۳)

اے اللہ! تو سلام ہے اور سلامتی تیری ہی جانب سے ہے، تو برکت والا ہے،

---

(۱) صحيح مسلم كتاب الصلاة باب النهي عن رفع البصر الى السماء حديث ٤٢٨

(۲) الترمذی / الدعوات / باب ۷۸ حديث ۳٤۹۹

(۳) صحيح مسلم ، المساجد ، باب استحباب الذكر بعد الصلاة حديث ٥۹۲

اے عزت و بزرگی والے!

اسی طرح ایک موقع پر رسول کریم ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل ؓ کو فرض نمازوں کے بعد پڑھنے کے لئے ایک دُعا سکھلائی، خود سیدنا معاذ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا : اے معاذ! اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے، پھر فرمایا : ہر فرض نماز کے بعد یہ ضرور کہا کرو :

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ . (۱)

اے اللہ! تیرے ذکر و شکر اور بہتر طور پر تیری عبادت انجام دینے کے لئے میری مدد فرما۔

فرض و نفل نماز میں دُعا

سوال کیا فرض اور نفل نمازوں میں سلام پھیرنے سے پہلے ہم اپنی زبان یعنی اُردو میں دُعا مانگ سکتے ہیں یا صرف قرآن وحدیث کے مطابق دُعا مانگنی ضروری ہے؟ اسی طرح فرض و نفل نماز میں رکوع و سجود کی مسنون دُعائیں پڑھنے کے بعد قرآن وحدیث میں موجود دوسری دُعائیں بھی مانگی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ کیا عورت یہ دُعا بھی پڑھ سکتی ہے : ''رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ'' (ڈاکٹر مسز ادریس، ریاض)

جواب بندہ اپنے رب کی بندگی کے لئے جن طریقوں اور عبادات کو اپناتا ہے، ان میں سب سے اہم طریقۂ عبادت نماز ہے، نماز میں قیام و رکوع، سجدہ و قعود یہ سب وہ حالتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

أقرب مايكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا الدعاء . (۲)

بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ

---

(۱) ابو داؤد ، كتاب الوتر باب فى الاستغفار حديث ۱۵۲۲

(۲) صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب مايقال فى الركوع والسجود حديث ۴۸۲ ، مسند احمد ۴۲۱/۲

میں ہوتا ہے، لہٰذا زیادہ سے زیادہ دُعائیں مانگو۔

نماز میں دُعائیں کرنے کے سلسلے میں کئی احادیث سے ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنی رات کی نمازوں میں (نفل نمازوں میں) خوب دُعائیں کیا کرتے تھے، تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء سے قبل بھی دُعائیں مانگا کرتے تھے ۔ نہایت ہی اہم اور مبارک دُعائیں ہیں جو کتبِ احادیث میں منقول ہیں اور یہ دعائیں تمام نمازوں میں، خواہ وہ فرض نماز ہو، مانگی جاسکتی ہیں (۱) —— آپ نے اپنے سوال میں سورہ الفرقان کی جس دعا کا ذکر کیا ہے، اولاد اور گھر والوں کے لئے اس سے بہتر دوسری کوئی دعا نہیں ہے، دوسری جن دعاؤں کی بابت آپ نے دریافت کیا ہے، آپ یہ تمام دُعائیں دورانِ نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (۲)

ہر نماز سے قبل استنجاء

سوال عام طور سے دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ عین نماز کے وقت بھی استنجاء خانوں میں قطار بنائے اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں، یہاں تک کہ نماز شروع ہوجاتی ہے اور وہ استنجاء پھر وضو سے فارغ ہوکر جماعت میں شریک ہوتے ہیں، کوئی ایک رکعت کے بعد کوئی دو رکعت کے بعد اور کوئی آخری رکعت میں شامل ہوتا ہے، کیا ہر نماز سے پہلے استنجاء کرنا ضروری ہے، چاہے جماعت پوری ہوجائے؟ (قاسم فاروقی، بحرین)

جواب ہر نماز سے قبل استنجاء وطہارت کا حصول ضروری نہیں، اس سے پہلے ضرورت سے فارغ ہوکر حاصل کی ہوئی طہارت بھی کافی ہے اور نماز کے وقت وضو نہ ہوتو وضو کرلیں، ہاں اگر کسی کو پیشاب وغیرہ کا تقاضا شدید ہوتو چوں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۳) اس لئے پہلے اس ضرورت سے فارغ ہوکر بعد میں نماز پڑھیں، لیکن ایسی صورت میں اس بات کا خیال رکھیں کہ یہ سارے کام جماعت سے پہلے ہوجائیں، تاکہ مکمل طور پر جماعت

---

(۱) ملاحظہ ہو : مسلم عن عبداللّٰہ بن شقیق

(۲) مزید تفصیل اور اہم دعاؤں کے لئے ملاحظہ ہو : مؤلف کی کتاب "کتاب الدعاء"

(۳) هندية ۱/۱۰۷

سے نماز مل سکے اور جماعت کے ثواب سے محرومی نہ ہو، اگر تقاضہ شدید نہ ہو تو خواہ مخواہ قطار میں کھڑے رہنا اور جماعت چھوڑ دینا یقیناً درست نہیں۔

سلام پھیرنے کا طریقہ

سوال کچھ لوگ سلام پھیرتے وقت خود کو اتنا آگے جھکا کر نماز میں سلام پھیرتے ہیں کہ دائیں جانب سلام پھیرتے وقت اس صف کے پہلے آدمی پر نظر ڈالتے ہیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت اس صف کے آخری کونے تک نظر دوڑاتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ (لیاقت یوسف، ریاض)

جواب یہ صورت جو آپ نے دریافت کی ہے، نماز کے ادب کے خلاف ہے، بہتر یہ ہے کہ پہلے سلام میں دائیں جانب رُخ کریں تو نگاہ اپنے کندھے پر اس طرح رہے کہ گوشۂ چشم سے دائیں رخسار پر نظر پڑے اور دوسرے سلام میں بائیں جانب رُخ کریں تو نگاہ بائیں رخسار پر پڑے(۱) — چنانچہ سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ اور سیدنا عمار ؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ دائیں سلام میں اس طرح دائیں طرف متوجہ ہوتے کہ دائیں رخسارِ مبارک کی سفیدی پر نظر پڑتی، اسی طرح بائیں جانب سلام پھیرتے تو بائیں رخسار کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔(۲)

عام لباس میں نماز

سوال آج کل بعض لوگ ایسے لباس میں نماز پڑھتے ہیں جو کہ عام محفل میں ناپسندیدہ ہوتا ہے، جیسے ٹریکٹ سوٹ اور رات کو سوتے وقت استعمال ہونے والا سوٹ وغیرہ اور بعض لوگ تو اس سے بھی زیادہ نازیبا لباس میں نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، کیا ایسے لباس میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا، نماز پڑھنا، امامت کرنا اور ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ (عبدالمنان، ابہا)

---

(۱) هندية ۷٦/۱ ، المغنى ۳۲۵/۱

(۲) ابوداؤد عن ابن مسعودؓ ، باب فى السّلام

جواب ایسے لباس میں نماز پڑھنا، پڑھانا درست ہے اور ایسے شخص کی اقتداء میں نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، لیکن کوئی ضرورت اور مجبوری نہ ہو تو ایسے نازیبا اور عام محفلوں میں ناپسند کیے جانے والے لباس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے (۱) —— کیوں کہ نماز پڑھتے ہوئے بندہ اللہ کے دربار میں اور اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، لہٰذا بہتر اور مناسب و پسندیدہ بات یہ ہے کہ بندہ ربِ حقیقی کے سامنے اچھی حالت اور اچھے لباس میں حاضر ہو اور نماز و طواف کے وقت اپنی استطاعت کے مطابق اچھا لباس اختیار کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے اولادِ آدم ہر مسجد (نماز و طواف) کے وقت اپنی زینت کو اختیار کرو'' (۲) اگر چہ آیت کے شانِ نزول کا اعتبار کرتے ہوئے اکثر مفسرین نے اس سے ''ستر عورت'' مراد لیا ہے، یعنی نماز و طواف کے وقت اپنے جسم کے قابل ستر حصے کو چھپاؤ اور ننگے طواف نہ کرو، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کفار ننگے ہو کر کعبۃ اللہ کا طواف کیا کرتے تھے، چاہے مرد ہو کہ عورت، چنانچہ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور نماز و طواف میں ستر عورت کو ضروری قرار دے دیا گیا۔

لیکن آیت کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ نماز کے وقت زیب و زینت یعنی اچھا اور عمدہ لباس پہنا جائے، چنانچہ اسی آیت کی روشنی میں بعض علماء نے اسے مسنون و مستحب قرار دیا ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے لباس میں جو سب سے عمدہ ہوتا اسے زیب تن فرماتے، جب پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال و خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے، لہٰذا میں اپنے رب کے لئے زینت والا لباس اختیار کرتا ہوں، کیوں کہ وہ خود فرماتا ہے: ''ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو'' اس لئے مجھے عمدہ لباس پہننا پسند ہے۔ (۳)

---

(۱) الفقہ الاسلامی و أدلتہ ۷۸۲/۱

(۲) سورۃ الاعراف آیت ۳۱

(۳) روح المعانی ۱۰۹/۸، تفسیر سورۃ اعراف آیت ۳۱

ہوائی جہاز پر نماز

سوال دورانِ سفر کیا ہوائی جہاز پر نماز کی ادائیگی درست ہے؟ (محمد عثمان عباسی، جدہ)

جواب جی ہاں درست ہے، کشتی پر قیاس کرتے ہوئے علماء نے ہوائی جہاز پر بھی نماز کی ادائیگی کو درست قرار دیا ہے۔(۱)

نماز میں سورۃ کی تبدیلی

سوال نماز میں کوئی سورۃ پڑھ رہے ہوں، اگر وہ بھول جائیں تو کوئی دوسری سورۃ شروع کر سکتے ہیں یا نماز توڑ کر دوبارہ پڑھنا ہوگا؟

جواب ایسے موقع پر نماز توڑنے کی ضرورت نہیں، بلکہ دوسری سورۃ شروع کر سکتے ہیں۔ اگر مقدارِ واجب یعنی کم از کم چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت تلاوت ہو چکی ہو تو فوراً رکوع بھی کیا جا سکتا ہے۔(۲)

کلمہ شہادت کے وقت اُنگلی اُٹھانا

سوال بعض لوگ اذان اور اقامت کے وقت جب کلمہ شہادت سنتے ہیں تو شہادت کی اُنگلی اُٹھا دیتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے، یا شہادت کی اُنگلی صرف نماز ہی میں اُٹھانا چاہئے؟

جواب کلمہ شہادت میں الفاظِ شہادت کے وقت شہادت کی اُنگلی اُٹھانا مستحب ہے۔(۳)

اُونٹ کا گوشت کھا کر نماز کی ادائیگی

سوال کسی نے کہا کہ اُونٹ کا گوشت کھا کر نماز پڑھیں تو نماز مکروہ ہوگی، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ بات صحیح نہیں کہ اُونٹ کا گوشت کھا کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہوگی، البتہ صحیح مسلم کی ایک روایت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اُونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرنا چاہئے، چنانچہ امام

---

(۱) الفقه الاسلامی وأدلته ۵٤/۲

(۲) غیاثیه ۲۵

(۳) الفقه الاسلامی وأدلته ۷۱٦/۱

احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہی ہے کہ اُونٹ کا گوشت کھانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، نماز پڑھنے کے لئے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے، جب کہ جمہور ائمہ کے نزدیک اُونٹ کا گوشت کھانے سے وضونہیں ٹوٹتا، البتہ چوں کہ اس میں چکنائی اور گوشت میں بساند زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اس کے کھانے کے بعد نماز سے پہلے اچھی طرح ہاتھ منہ دھولینا چاہئے، جو کہ نظافت و پاکیزگی کا طبعی تقاضہ ہے۔(۱)

دوسرے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا

سوال اپنے محلے کی مسجد چھوڑ کر دوسرے محلے کی مسجد میں جانا شرعاً کیسا ہے؟

(احسان اللہ، جیزان)

جواب افضل اور بہتر تو یہی ہے کہ ہر شخص اپنے محلے کی مسجد میں ہی تمام نمازیں ادا کرے، لیکن اگر کسی دوسری مسجد میں اس کا دل زیادہ لگتا ہے اور امام کی قراءت یا علمی درس وغیرہ کی وجہ سے دوسری مسجد جاتا ہے تو یہ عمل جائز ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اپنے محلے کی مسجد کو ویران کردیا جائے کیوں کہ اپنے محلے کی مسجد کا حق زیادہ ہے۔

نماز کے بعد صلاۃ وسلام

سوال ہماری مسجد میں کچھ لوگ نماز کے بعد کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں اور نمازی کو جبراً اپنے ساتھ شریک کرتے ہیں، کیا اس طرح درود وسلام پڑھنا جائز ہے؟

(ایس۔کے ذاکر، الریاض)

جواب نبی کریم ﷺ پر صلاۃ وسلام بھیجنا ہر اُمتی پر آپ کا حق ہے، کسی صاحبِ ایمان کے لئے اس سے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، جب بھی آپ ﷺ کا نام آئے، بعض اہل علم کے نزدیک ہر مرتبہ صلاۃ وسلام کے کلمات کہنا واجب ہے اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ مجلس میں اگر متعدد بار آپ ﷺ کا ذکر آئے تو ایک مرتبہ صلاۃ وسلام کہہ دینا کافی ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ ہر دفعہ صلاۃ وسلام کے کلمات کہے، تاہم دو اُصول یاد رکھنے چاہئے، اول یہ کہ کتاب و سنت میں جس عبادت کے لئے کوئی کیفیت اور ہیئت متعین نہیں، اس کے لئے کسی خاص

---

(۱) المغنی ۱/۱۲۱

کیفیت کی تعیین، دوسرے جس کام کے لئے کسی خاص وقت کو اہمیت نہ دی گئی ہو، اس کے لئے اس وقت کا تقرر، یہ دونوں ہی چیزیں سنت کو بدعت بنا دیتی ہیں۔(۱)

جمعہ یا کسی خاص نماز کے بعد خصوصیت سے صلاۃ وسلام نہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، نہ حضراتِ صحابہ کرام ؓ سے، نہ کتبِ فقہ میں اس کا ذکر ہے، بلکہ اس کے لئے وقت کی تعیین بے معنی ہے، کیوں کہ نمازِ جمعہ میں اور خود خطبہ جمعہ میں صلاۃ وسلام موجود ہے، پھر نماز کے بعد علیحدہ صلاۃ وسلام کا التزام کوئی معنی نہیں رکھتا، اس کے علاوہ صلاۃ وسلام اجتماعی صورت میں ہوتا ہے اور جو اعمال خیر القرون میں اجتماعی طور پر ثابت نہ ہوں، ان کو اجتماعی ہیئت کے ساتھ انجام دینا بدعت ہے(۲) —— پس کسی خاص نماز کے بعد صلاۃ وسلام وہ بھی کھڑے ہو کر اور اجتماعی صورت میں بدعت ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

نماز میں اُنگلی چٹخانا

سوال نماز میں اُنگلیاں توڑنا کیسا ہے؟ (فیاض احمد، عنیزہ)

جواب مکروہ ہے، چنانچہ فخر الدین محمود اوزجندی لکھتے ہیں :

ویکرہ ان یشبك أصابعه ویفرقع . (۳)

اُنگلیوں کا تشبیک (دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنا) اور اسے توڑنا مکروہ ہے۔

اس سے بچنا چاہئے، اگر یہ عمل کثیر کی حد تک پہنچ جائے تو نماز بھی فاسد ہو جائے گی(۴)

مسجد میں بیٹھ کر اُنگلیاں چٹخانا

سوال بعض لوگ مسجد میں بیٹھ کر انگوٹھے اور اُنگلیاں چٹخاتے رہتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب مسجد میں ادب سے بیٹھا جائے، یا تو سنت ونوافل ادا کئے جائیں، یا تلاوت وذکر

---

(۱) ملاحظہ ہو : الاعتصام للشاطبی ۱/۳۹ (۲) ھندیة ۴/۹۱

(۳) فتاویٰ قاضی خان بھامش الھندیہ ۱/۱۱۸ باب الحدث فی الصلاۃ مایکرہ الخ

(۴) لاتفرقع أصابعك وأنت فی الصلاۃ ، المغنی ۱/۳۷۰

کیا جائے ، فضول بیٹھنا بھی مناسب نہیں ہے ، مسجد میں بیٹھ کر انگوٹھے یا اُنگلیاں چٹخانا معیوب بات ہے۔

اذکارِ نماز اگر یاد نہ ہوں

سوال اگر کسی شخص کو سورہ فاتحہ یا قرآن کی کوئی سورۃ اور التحیات و درود شریف وغیرہ کچھ بھی یاد نہ ہو تو وہ نماز کس طرح پڑھے؟ (عبداللطیف ، درعیہ)

جواب نماز پڑھنے والے نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سورہ فاتحہ اور دیگر اذکارِ نماز وغیرہ زبانی یاد کر کے نماز پڑھے ، البتہ اگر کوئی شخص ذہنی اعتبار سے کمزور ہو تو وہ جو کچھ یاد کر سکتا ہو یاد کر کے نماز پڑھتا رہے اور باقی اذکار رفتہ رفتہ یاد کرنے کی کوشش جاری رکھے۔

پیاز کھا کر مسجد جانا

سوال پیاز کھانے کے بعد کیا آدمی مسجد جا سکتا ہے؟ میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ پیاز کی بدبو کی وجہ سے نماز نہیں ہوتی ، برائے مہربانی کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (اسلام اللہ راجہ ، طائف)

جواب ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ نے پیاز اور لہسن کھا کر مسجد جانے سے منع فرمایا ہے ، لیکن یہ حکم کچی پیاز اور لہسن کا ہے ، کیوں کہ اس سے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے ملائکہ رحمت کو اور عام انسانوں کو بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے ، لہٰذا جب تک اس کی بو باقی رہے مسجد میں داخل ہونا یا نماز و قرآن پڑھنا بے ادبی ہے ، البتہ اس حالت میں نماز ادا ہو جائے گی (چاہے ناقص ادائیگی اور ثواب میں کمی ہو) لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

مسجد میں داخلہ کے وقت سلام

سوال اکثر لوگ مسجد میں داخل ہوتے وقت اُونچی آواز میں سلام کرتے ہیں ، جب کہ اس وقت مسجد میں کچھ لوگ سنتیں ادا کر رہے ہوتے ہیں اور کچھ تحیۃ المسجد ادا کر رہے ہوتے اور کچھ تلاوت کر رہے ہوتے ہیں ، کیا مسجد میں داخل ہوتے وقت اُونچی آواز میں سلام کرنا صحیح ہے؟

جواب اس طرح اُونچی آواز میں سلام کرنا درست نہیں ، جس سے نماز پڑھنے والوں کی نماز یا

تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں خلل واقع ہو۔

سنت کی ادائیگی کے لئے جگہ بدلنا

سوال فرض نماز کے بعد کیا سنت نماز اسی جگہ کھڑے ہو کر پڑھ سکتے ہیں یا اس جگہ سے تھوڑا ہٹ کر پڑھنا چاہئے؟ بعض لوگ جبراً نمازی کو دائیں یا بائیں ہٹا کر سنت نماز ادا کرتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے؟

جواب فرض نمازوں کے بعد سنت یا نفل پڑھنے کے لئے جگہ بدلنا ضروری نہیں ہے، اگرچہ بعض علماء نے اسے پسند کیا ہے، لیکن اس کے لئے کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔

اصلاً سنت ونفل نماز کی ادائیگی گھر میں افضل ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے، تاہم مسجد میں بھی بلا کراہت سنت ونفل نماز ادا کی جاسکتی ہے، اس صورت میں زیادہ بہتر وافضل یہ ہے کہ فرض نماز کی جگہ سے ہٹ کر سنت ونفل نماز ادا کرے، جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی موجود ہے(۱) — اس سے جہاں فرض وسنت کے درمیان فرق وامتیاز مقصود ہے وہیں اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ نمازی کے حق میں گواہ بن سکے، کسی مجبوری یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے اگر فرض نماز کی جگہ ہی سنت پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ جگہ کی تبدیلی واجب نہیں، بلکہ صرف بہتر وافضل ہے۔

فرض نماز کے بعد ہاتھ ملانا

سوال فرض نماز سے فارغ ہوتے ہی چند لوگ اپنے دائیں بائیں نمازی سے ہاتھ ملاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض لوگ اس کے لئے اصرار کرتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ (ایم احمد، بیدر)

جواب فرض نمازوں یا سنت نمازوں کے بعد اہتمام سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا بدعت ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔(۲)

---

(۱) ابن ماجہ، حدیث ۱۴۲۶

(۲) اشعۃ اللمعات ۲۲/۳، مرقاۃ المفاتیح ۵۷۵/۳، باب المصافحہ و المعانقۃ

یہ ایک رواج ورسم بنالی گئی ہے لہٰذا اسے اس اعتبار اور اس حیثیت واہتمام کی وجہ سے ناپسندیدہ و بدعت کہا گیا ہے۔ ورنہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے ملنا، مصافحہ کرنا، خیریت واحوال دریافت کرنا وغیرہ تو اچھے اعمال اور افضل ترین نیکیاں ہیں، پھر اگر ہم غور کریں تو جماعت کی نماز کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ محلے وعلاقے کے تمام مسلمان پانچ وقت ایک دوسرے سے ملیں گے اور باہم ایک دوسرے کی خدمت ومدد کریں گے اور ایک دوسرے سے محبت وتعلق بڑھے گا تو مسلم معاشرہ مضبوط ہوگا۔ لہٰذا مسلمان کا ایک دوسرے سے ملنا، ورخیریت واحوال دریافت کرنا نہ صرف عبادت بلکہ ضروری ہے، لیکن جس چیز سے منع کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ اس اہم ترین عبادت کو ایک رسم نہ بنایا جائے۔ بعض لوگ نماز سے قبل سلام، دُعا کر لیتے ہیں، لیکن نماز کے بعد پھر دوبارہ باقاعدہ اہتمام سے ملتے ہیں، گویا کہ یہ ایک رسم بن گئی اسی لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

◆◆◆

سجدۂ سہو کے مسائل

مقتدی کی غلطی پر سجدۂ سہو

سوال امام کے ساتھ فرض نماز ادا کر رہے ہوں اور نماز میں ایسی غلطی ہو جائے جس میں کہ سجدۂ سہو لازم آتا ہے، تو نماز کس طرح درست کریں؟ کیا امام کے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟ (عقبہ نواز احمد، جدہ)

جواب امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں اگر مقتدی سے کچھ سہو ہو جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں اور اس کی نماز بھی امام کی متابعت میں درست ہوگی، اگر امام سے سہو ہو جائے تو امام پر سجدۂ سہو لازم ہے اور اس کی اتباع میں مقتدی بھی سجدۂ سہو کریں گے (۱) —— اگر کوئی مقتدی ''مسبوق'' ہو، یعنی اس کی چند رکعات چھوٹ گئی ہوں اور وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کر رہا ہو اور اس حالت میں اس سے سہو ہو جائے تو ''منفرد'' یعنی تنہا نماز پڑھنے والے شخص کی طرح وہ قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کر کے اپنی نماز مکمل کرے گا (۲) —— ورنہ اس کی نماز درست نہ ہوگی اور اعادہ ضروری ہوگا۔

مسبوق سجدۂ سہو کب کرے؟

سوال اگر کوئی شخص درمیان میں امام کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائے اور امام قعدۂ اخیرہ میں سجدہ سہو کرے، تو یہ شخص کیا کرے؟ کیا امام کے ساتھ سجدۂ سہو کر کے اپنی نماز مکمل کرے گا یا پہلے اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پڑھ کر آخری قعدہ میں سجدۂ سہو کرے؟ یا دونوں وقت یعنی امام کے ساتھ اور پھر اپنے

---

(۱) المغنی ۱/۳۸۸ ، هندية ۱/۲۸۱

(۲) المغنی ۱/۳۸۹ ، هندية ۱/۱۲۹

آخری قعدہ میں سجدۂ سہو کرے؟ (عبدالحمید، ریاض)

جواب ایسا شخص امام کے ساتھ امام کی اتباع میں سجدۂ سہو کرے گا، اس کے بعد دوبارہ سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر اپنی نماز مکمل کرتے ہوئے کوئی غلطی ہوجائے تو اس پر قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کرنا لازم ہے۔(۱)

سجدۂ سہو میں غلطی

سوال ہم مسجد میں نماز باجماعت ادا کررہے تھے، غالباً امام صاحب سے کچھ بھول ہوگئی، لیکن جس طرح انھوں نے سجدۂ سہو کیا، اس سے میں مطمئن نہیں، کیوں کہ انھوں نے دو سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کیا، جب کہ مقتدی بھی دونوں طرف سلام پھیر چکے تھے، گویا فرض نماز ختم ہوچکی تھی، کیا ہماری نماز درست تھی؟ میرے خیال میں امام صاحب سجدۂ سہو کرنا بھی بھول گئے تھے، اگر کبھی ایسا اتفاق ہو تو اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟(مشتاق احمد شاہد، ریاض)

جواب اگر کوئی شخص سجدۂ سہو کرنا بھول جائے اور دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے، پھر سجدۂ سہو کرلے تب بھی نماز درست ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سلام پھیرنے اور سجدۂ سہو کرنے کے درمیان وقفہ زیادہ نہ ہو، نیز نماز کو باطل کرنے والا کوئی عمل بھی نہ پایا گیا ہو، جیسے قبلہ سے پھر جانا، بات چیت کرنا، سنت ونفل کی ادائیگی میں مشغول ہوجانا اور کوئی دوسرا عمل کرنا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں، بلکہ نماز کو دہرانا ہوگا۔(۲)

مقتدی سے غلطی پر سجدۂ سہو

سوال نماز میں مقتدی سے کوئی غلطی ہوجائے تو کیا اس مقتدی کو سجدۂ سہو کرنا چاہئے؟ (محمد حنیف کاروانی، ریاض)

جواب جی نہیں! مقتدی امام کا تابع ہوتا ہے، سجدۂ سہو کا تعلق امام سے ہے، اگر امام سے کوئی سہو ہوجائے تو وہ سجدۂ سہو کرے گا اور اس کے ساتھ سب مقتدی بھی امام کے تابع ہونے کی

---

(۱) المغنی ۳۸۹/۱ ، ھندیة ۱۲۸-۱۲۹/۱

(۲) المغنی ۳۸۵/۱ ، ھندیة ۱۲۹/۱

وجہ سے اس کے ساتھ سجدۂ سہو کریں گے، لیکن اگر مقتدی سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے کہ سجدۂ سہو واجب ہوتا ہو تو ایسی صورت میں نہ امام پر سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ مقتدی پر، بلکہ دونوں کی نمازیں بغیر سجدۂ سہو کے صحیح ہو جائیں گی، ہاں اگر کسی مقتدی سے ایسی غلطی ہو جائے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہو تو اس کو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، امام اور دوسرے لوگوں کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔(۱)

سجدۂ تلاوت کے مسائل

لاؤڈ اسپیکر پر آیتِ سجدہ

سوال میرا مکان مسجد کے روبرو ہے اور مسجد سے ہونے والی اذان اور تلاوت کی آواز میرے مکان میں آتی ہے، اکثر اوقات مسجد کے امام صاحب نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیات تلاوت کرتے ہیں، گھر میں موجود خواتین اس تلاوت کو سنتی ہیں، ایسی صورت میں سننے والی پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ (سید حشمت اللہ قادری واہلیہ عزیزہ، جدہ)

جواب لاؤڈ اسپیکر پر سننا براہِ راست سننے کے حکم میں ہے، لہٰذا احناف کے نزدیک اس صورت میں سجدہ واجب ہے، جب کہ دوسرے فقہاء کے یہاں سنتِ مؤکدہ ہے۔(۲)

سجدۂ تلاوت واجب نہیں

سوال جب میں قرآن کی مطلوبہ سورۃ کی تلاوت کے لئے ورق گردانی کرتا ہوں تو بسا اوقات آیاتِ سجدہ پر بھی نظر پڑ جاتی ہے، تو کیا آیتِ سجدہ پر نظر پڑنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے، جب کہ میں نے اسے پڑھا نہیں اور نہ اپنے ہونٹوں کو جنبش دی؟ ویسے جتنی بار میرے ساتھ ایسا اتفاق ہوا، میں نے سجدۂ تلاوت کیا ہے، شرعی حکم کیا ہے؟ مطلع فرمائیں۔ (منصف خان، جدہ)

---

(۱) المغنی ۳۸۸/۱ ، ھندیۃ ۱۲۸/۱

(۲) المغنی ۳۶۱/۱ ، ھندیۃ ۱۳۲/۱

جواب آیتِ سجدہ کو پڑھنے یا سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، صرف دیکھنے سے نہیں، کیوں کہ حدیث میں سجدہ، تلاوت کرنے والے اور سننے والے پر واجب قرار دیا گیا ہے، اور تلاوت زبان کا عمل ہے اور سننا کان کا، ان میں کوئی بھی عمل آنکھ کا نہیں ہے، اس لئے محض دیکھنے سے سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

سوال میں ایک دکان پر کام کرتا ہوں، کبھی کبھار دکان پر بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتا ہوں اور سجدہ کی آیت آتی ہے تو کرسی پر بیٹھے بیٹھے میز پر سر رکھ کر سجدہ کر لیتا ہوں، جب کہ میرا رُخ قبلہ کی طرف بھی نہیں ہوتا، کیا یہ عمل صحیح ہے یا دوبارہ سجدہ کرنا پڑے گا، اگر دوبارہ سجدہ ضروری ہو تو کیا آیتِ سجدہ کو بھی دوبارہ پڑھنا ہوگا؟ (محمد افضل کھوکھر، بحرین)

جواب سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے، رُخ قبلہ کی طرف ہو اور سجدہ اسی طرح کرے جیسا کہ نماز میں کیا جاتا ہے، سجدہ میں کم از کم تین بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھے، پھر سجدہ سے سر اُٹھانا چاہے تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ سے سر اُٹھائے، سجدہ کے بعد نہ تشہد پڑھے اور نہ سلام پھیرے، اسی طرح سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کہتے وقت ہاتھ نہ اُٹھائے، اگر سجدہ میں کچھ بھی نہ پڑھے تو یہ بھی جائز ہے۔ آپ نے سجدۂ تلاوت کا جو طریقہ لکھا ہے، صحیح نہیں، اب تک اس طرح کے جتنے سجدے کئے ہوں، ان کو دوبارہ کرنا ہوگا (۱) —— آیتِ سجدہ کی دوبارہ تلاوت نہ کی جائے، ورنہ اس کا مستقل سجدہ واجب ہو جائے گا۔ امام احمدؒ کے نزدیک نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کرنا ہو تو اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ بھی اُٹھانا چاہئے کہ یہ تکبیر افتتاح (تحریمہ) ہے اور نماز کے اندر کرنا ہو تو بھی ہاتھ اُٹھائے کہ اس کے لئے رفع یدین مسنون ہے۔ (۲)

---

(۱) الفقه الاسلامي وأدلته ۱۱۷/۲ ، هدية ۱۳۵/۱

(۲) المغني ۳۶۰/۱

سجدۂ تلاوت کس طرح کریں؟

سوال سجدۂ تلاوت کس طرح ادا کریں؟ میں نے کئی حضرات کو بیٹھے بیٹھے ایک سجدہ کر کے دونوں طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھا اور کئی لوگوں کو اس طرح دیکھا کہ کھڑے ہو کر پہلے ہاتھ باندھتے، پھر سجدہ کرتے اور دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں، واضح فرمائیں کہ کون سا طریقہ صحیح ہے؟

جواب سجدۂ تلاوت بیٹھے بیٹھے بھی کیا جا سکتا ہے، البتہ زیادہ بہتر ہے کہ کھڑے ہو کر ادا کریں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو کھڑے ہونے کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جائیں، سجدہ میں سجدۂ تلاوت کی دُعا یا تسبیح پڑھیں، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ جائیں، سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے تکبیر کے موقع پر نہ کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت ہے اور نہ ہاتھ باندھنے کی، اسی طرح سجدہ کرنے کے بعد قعدہ کرنے یا سلام پھیرنے کی بھی ضرورت نہیں (۱)

امام احمدؒ کے نزدیک نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کرنا ہو تو اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ بھی اُٹھائے گا، اس صورت میں اس تکبیر کی حیثیت تکبیر تحریمہ کی ہوگی اور تکبیر تحریمہ میں رفع یدین مسنون ہے، اگر نماز کے اندر سجدۂ تلاوت کر رہا ہو تو بھی رفع یدین کرے گا، کیوں کہ تکبیرات کہتے ہوئے ان کے نزدیک ہاتھ اُٹھانا مسنون ہے۔ (۲)

سجدۂ تلاوت کا طریقہ اور دُعا

سوال سجدۂ تلاوت کا طریقہ کیا ہے؟ کیا سجدۂ تلاوت کے لئے کوئی خاص دُعا ہے؟

جواب سجدۂ تلاوت وہاں کیا جاتا ہے جہاں قرآن پاک میں باقاعدہ نشان لگے ہوئے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں نیت کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کیا جائے اور دورانِ سجدہ کم سے کم تین بار "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھ لیا جائے اور پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے سر اُٹھا لیا جائے، سجدۂ تلاوت ایک ہی سجدہ ہوتا ہے۔ سجدہ تلاوت کی خاص دُعا یہ ہے:

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ ۔ (۳)

---

(۱) هندية ۱/۱۳۵ (۲) المغني ۱/۳۶۰

(۳) ابوداود، باب مايقول اذا سجد : المغني ۱/۳۶۰

میرے چہرے نے سجدہ کیا اُس ذات کے لئے جس نے اسے پیدا کیا اور اپنی طاقت وقوت سے اس نے کان اور آنکھ بنائی۔

سجدۂ تلاوت کی دوسری دُعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّیْ بِھَا وِزْرًا وَاجْعَلْھَالِیْ عِنْدَکَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عَبْدِکَ دَاوٗدَ علیہ السلام(۱)

اے اللہ! اس سجدہ پر میرے لئے اپنے ہاں اجر لکھ دیجئے اور اس سجدہ کی وجہ سے مجھ سے گناہ کا بوجھ ہٹا دیجئے اور اس سجدہ کو اپنے ہاں میرے لئے بہترین ذخیرہ بنا دیجئے اور اس سجدہ کو مجھ سے ایسے قبول کر لیجئے جیسے آپ نے اپنے بندہ داؤد (علیہ السلام) کی طرف سے قبول کیا۔

نماز میں آیتِ سجدہ کی تلاوت

سوال کیا نماز میں سجدہ والی سورۃ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھی جائے تو کس طرح؟ (عبدالوحید، جدہ)

جواب نماز میں جیسے عام سورتیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح سجدہ والی سورۃ بھی پڑھی جاسکتی ہے، گو نماز میں ایسی سورۃ کا پڑھنا بہتر نہیں ہے، بلکہ بعض فقہاء کے یہاں تو مکروہ بھی ہے، حنفیہ کے یہاں بھی جن نمازوں میں ازدحام ہو، جیسے عیدین وغیرہ، ان میں سجدۂ تلاوت کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ لوگوں کو مغالطہ ہوسکتا ہے، امام تو سجدہ میں جائے گا اور امام جن لوگوں کی نگاہ سے اوجھل ہے وہ رکوع میں چلے جائیں گے، بہر حال اگر آیتِ سجدہ تک تلاوت کی جائے تو آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد سیدھے سجدہ میں چلے جائیں پھر سجدہ تلاوت سے اُٹھ کر قیام کی حالت میں آجائیں اور آیتِ سجدہ کے بعد تسلسل سے جہاں تک چاہیں تلاوت جاری رکھیں، احناف کے نزدیک اگر آیتِ سجدہ کے بعد فوراً رکوع میں چلے جائیں تو یہ بھی سجدہ کی طرف سے کافی ہے۔

(۱) سنن الترمذی / کتاب الجمعۃ / باب مایقول فی سجود القرآن حدیث ۵۷۹

نماز میں سجدۂ تلاوت بھول جائے

سوال اگر کوئی شخص کسی نماز میں یا تراویح میں آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کرنا بھول جائے تو کیا کرے؟ کیا اس کی نماز ہو جائے گی یا سجدۂ سہو کرنا پڑے گا؟

(عبدالحکیم، طائف)

جواب نماز میں آیتِ سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً رکوع اور پھر نماز کا سجدہ کر لے تو اس سے سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی سجدۂ تلاوت نہ کرے اور آیتِ سجدہ کے پڑھنے کے بعد مزید تلاوت کا تسلسل جاری رکھے تو سجدۂ تلاوت کے چھوڑنے سے اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز ہو جائے گی، اگرچہ سجدۂ تلاوت کے ترک کرنے کا گناہ اس پر ہوگا۔(۱)

ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ سجدۂ تلاوت

سوال اگر ٹیپ ریکارڈ میں کیسٹ لگا کر قرآن پاک کی تلاوت سنی جائے اور سجدۂ تلاوت آ جائے تو کیا سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہے؟

(احسان اللہ، جیزان)

جواب ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ قرآن پاک کی تلاوت سنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اس کی نظیر یہ جزئیہ ہے کہ اگر کوئی طوطے کو آیتِ سجدہ پڑھنا سکھا دے اور وہ طوطا اسی طرح پڑھتا اور رٹتا رہے تو جو شخص بھی طوطے کی اس آواز کو سنے اس پر سجدۂ تلاوت نہیں ہوگا، ایسے ہی یہ مسئلہ بھی ہے کہ آوازِ بازگشت سے اگر کوئی آیتِ سجدہ سنے تو اس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا، ٹیپ ریکارڈ بھی بعینہٖ اسی طرح ہے، اس لئے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔(۲)

ریڈیو سے سجدۂ تلاوت

سوال میں اکثر سعودی ریڈیو سے تلاوتِ قرآنِ کریم سنتا ہوں اور حافظِ قرآن بھی نہیں ہوں، اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ آیتِ سجدہ کب آ جائے، کیا مجھ پر سجدۂ

---

(۱) المغنی ۲/۵۷

(۲) غیاثیۃ ۳۵ ، هندیۃ ۱/۱۳۲ ، جدید فقهی مسائل ۱/۶۵

تلاوت نہ کرنے کا گناہ ہوگا؟

جواب سجدۂ تلاوت خود پڑھنے یا براہِ راست کسی سے سننے پر واجب ہوتا ہے، ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ سے قرآنِ کریم کی تلاوت سنتے ہوئے آیتِ سجدہ آجائے تو سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اس لئے کہ یہ پڑھنے والے کی براہِ راست آواز نہیں ہوتی، بلکہ اس کی ریکارڈ کی ہوئی آواز ہوتی ہے، اس کے برخلاف لاؤڈ اسپیکر سے آیتِ سجدہ کی تلاوت سنی جائے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوجاتا ہے، کیوں کہ یہ براہِ راست پڑھنے والے ہی کی آواز ہوتی ہے، اسپیکر کا کام صرف یہ ہے کہ وہ آواز بڑھا کر دور تک پہنچاتا ہے۔

آیتِ سجدہ کی بار بار تلاوت

سوال سورۃ العلق میں آیتِ سجدہ ہے، میں اس سورہ کو زبانی یاد کررہا ہوں، کیا جتنی مرتبہ یہ آیتِ سجدہ پڑھوں اتنی دفعہ سجدہ کرنا ہوگا؟ (اشفاق خاں، مکہ مکرمہ)

جواب ایک ہی مجلس میں ایک آیتِ سجدہ کو چاہے جتنی دفعہ پڑھا جائے ایک ہی مرتبہ سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، ہاں اگر مجلس بدل جائے، مثلاً دوسری جگہ آپ اُٹھ کر چلے جائیں اور وہاں پھر وہی آیتِ سجدہ تلاوت کریں، تو چوں کہ مجلس بدل گئی، اس لئے اب اس تلاوت سے نیا سجدہ واجب ہوگا، گویا اب دو سجدے کرنے ہوں گے، اس طرح پھر مجلس بدلے تو تیسرا سجدہ کرنا ہوگا، اسی طرح آیتِ سجدہ بدل جائے تب بھی نیا سجدہ کرنا ہوگا، مثلاً ایک ہی مجلس میں کوئی شخص تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے تین الگ الگ آیاتِ سجدہ کی تلاوت کرلے تو تین سجدے کرنے ہوں گے، اس صورت میں مجلس کا کوئی اعتبار نہیں، گویا سجدۂ تلاوت میں اضافہ مجلس بدلنے سے ہوگا یا آیتِ سجدہ کے بدلنے سے، آپ سورۃ کو یاد کرتے ہوئے ایک ہی مجلس میں آیتِ سجدہ کو جتنی دفعہ چاہیں پڑھ لیں، آخر میں ایک سجدہ کرلیں۔ (۱)

سجدہ تلاوت کی ادائیگی میں تاخیر

سوال قرآنِ کریم میں تلاوت کے دوران جو سجدۂ تلاوت آتا ہے، اسے کتنے دن کے اندر اندر لازماً ادا کردینا چاہئے؟ کیا تاخیر سے ادا کرنے پر آدمی گنہگار ہوگا؟

---

(۱) فتاویٰ غیاثیہ ۳۶

جواب قرآنِ پاک میں سجدۂ تلاوت پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا ضروری ہے، جس وقت سہولت ہو اُس وقت یہ سجدہ کرلیا جائے، اس کے لئے وقت کی قید نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ فوراً سجدہ کرلیا جائے، یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ آیتِ سجدہ کی تلاوت نماز سے باہر کی گئی ہو، لیکن آیتِ سجدہ کی تلاوت نماز کے اندر کی گئی ہو تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہوگا، تاخیر جائز نہیں۔(۱)

قضا نماز کے مسائل

فوت شدہ نمازوں کی قضا

سوال ایک شخص نے پندرہ بیس سال تک نہ نماز پڑھی اور نہ ہی روزے رکھے، اب اس نے توبہ کرلی ہے، گذشتہ نمازوں اور روزوں کا کیا ہوگا؟

(صلاح الدین خطال، دمام)

جواب نمازوں کے بارے میں سب سے پہلی بات یہ جان لی جائے کہ اگر یہ کام عمداً جان بوجھ کر بلا عذر کے ہوا ہے تو صدق دل سے توبہ کرنا ضروری ہے، کیوں کہ احادیث میں جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنے کو کفر کہا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم اور دوسری کتبِ احادیث میں کئی احادیث سے ثابت ہے، اگر یہ گناہ کم علمی یا کسی اور مجبوری کے تحت ہوا ہے، تب بھی توبہ و استغفار ضروری ہے، قضا نمازوں کو یاد آجانے پر فوراً ادا کرلینا چاہئے اور ان نمازوں کی ادائیگی صرف فرض اور واجب رکعات کی ادائیگی کی صورت میں ہوگی، اگر ایک سے زائد قضا نمازیں ہوگئی ہیں تو ان کو ترتیب سے ادا کرلیا جائے۔ اگر کئی مہینوں اور کئی سالوں کی نماز ادا کرنی ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اس وقت کی ایک فرض نماز پڑھ لے، دل میں یہ نیت ہو کہ گذشتہ قضا نمازوں میں سے یہ اول یا آخری نماز تھی، کثرت سے نوافل ادا کیے جائیں، تاکہ محدود حساب پورا ہوجائے۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فان انتقص من فريضة شيئاً قال الرب تبارك وتعالىٰ انظرهل لعبدى

---

(۱) الفقه الاسلامى وادلته ۱۱۲/۲ ، غيائية ۳۵

من تطوع فیکمل بها ماانتقص من الفریضة . (۱)

قیامت کے دوران بعض لوگوں کی فرض نمازیں کم ہوں گی تو ان کے نوافل کو فرضوں کا قائم مقام بنایا جائے گا۔

نماز دین اسلام کا ایک اہم ستون اور رکن ہے، دن میں پانچ مرتبہ ہر بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، اس کا چھوڑنا کفر کو دعوت دینا ہے، بالغ ہونے کے بعد سے کبھی بھی معاف نہیں، یہاں تک کہ بیمار کو بھی بیٹھ کر، لیٹ کر، یا اشارہ سے جس طرح قدرت ہو ادا کرنا لازم ہے۔ آج لوگ دین سے بالخصوص نماز سے سب سے زیادہ بے توجہی برتتے ہیں، کچھ لوگ صرف جمعہ پڑھ لیتے ہیں، کچھ وہ ہیں جو دن میں ایک دو نمازیں پڑھ لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن واقعہ ہے کہ بے توجہی کے باوجود عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں اپنی اس کوتاہی کا خیال آ ہی جاتا ہے اور نماز کی پابندی کرنے لگتا ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جو نمازیں چھوٹ گئی ہوں اُن کو کیسے ادا کیا جائے؟

اس کے لئے ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد اس وقت کی قضا پڑھ لیں اور یہ نیت کرلیں کہ گذشتہ زندگی کی فوت شدہ نمازوں میں ایک کی قضا کر رہا ہوں، اس طرح روزانہ ادا کرتے رہیں۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ کوئی ڈائری یا کاپی اس کے لئے مخصوص کرلیں، جتنی نمازیں قضا ہیں اندازہ لگا کر لکھ لیں، پھر اس کے نیچے تاریخ کے ساتھ لکھتے جائیں کہ آج آپ نے کتنی نمازیں قضا پڑھ لی ہیں، ایک مہینہ کے بعد حساب کرلیں کہ آپ نے ایک ماہ میں کتنی نمازیں ادا کرلیں اور آئندہ مہینہ کا ایک نشانہ مقرر کرلیں کہ اتنی نمازیں آئندہ ماہ ادا کرنی ہے اور بہتر یہ ہے کہ نوافل اور سنتِ غیر مؤکدہ کے بدلہ میں قضا نماز ہی پڑھ لیا کریں، رمضان کے مہینہ میں آدمی جب کہ کثرت سے نوافل وتہجد میں مشغول رہا کرتا ہے، ان کے بجائے فرض کی قضا کا اہتمام کریں، فجر کی سنت کے بعد، نیز فجر اور عصر کی فرض

---

(۱) ابن ماجة ، عن ابی هریرةؓ ، باب ماجاء فی اول ما یحاسب به العبد الصلاة کتاب الصلاة حدیث : ۱٤٢٥ نیز ملاحظہ ہو : سنن الترمذی ١ /٩٤ ، باب ماجاء فی اول ـ ' یحاسب به العبد یوم القیامة الصلاه ، کتاب الصلاة

کے بعد گو نوافل کی اجازت نہیں، لیکن قضا نماز پڑھنا چاہئے، تو ان اوقات میں بھی قضا پڑھ سکتے ہیں، البتہ تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، طلوعِ آفتاب کے وقت، نصف نہار کے وقت اور زوال کے وقت، ان اوقات میں قضا نماز نہ پڑھیں۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بیت اللہ شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر اور مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نماز کے برابر ملتا ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہاں ایک نماز پڑھ لی تو زندگی بھر کی قضا نمازوں کے لئے کافی ہو جاتی ہے، یہ سوچ اور عقیدہ غلط ہے، تمام فرائض جب تک ادا نہ ہو جائیں ذمہ سے ساقط نہ ہوں گے۔

روزوں کے بارے میں ایسے آدمی کو چاہئے کہ وہ ہر ماہ چند روزے رکھ لیا کرے اور اس طرح گذشتہ پندرہ بیس سالوں کے روزے پورے کرے، اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو ہر ایک کے بدلے فدیہ دے دے۔ یہی جمہور کی رائے ہے اور اسی میں احتیاط ہے، البتہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس قسم کے آدمی کے لئے گذشتہ نمازوں اور روزوں کی قضا ضروری نہیں، بلکہ صدق دل سے توبہ کرلے، یہ کافی ہے، جمہور کی رائے زیادہ صحیح ہے۔

اوقاتِ مکروہہ میں قضا نماز پڑھنا

سوال اوقاتِ مکروہہ کیا کیا ہیں؟ اور کیا ان میں قضاء نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب رسولِ کریم ﷺ سے اوقاتِ مکروہہ کے بارے میں مختلف احادیث میں جو ارشادات موجود ہیں، ان کی روشنی میں اوقاتِ مکروہہ پانچ ہیں:

(۱) سورج طلوع ہوتے وقت یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور دھوپ کی زردی جاتی رہے۔

(۲) سورج غروب ہوتے وقت۔

(۳) نصف النہار کے وقت، جب سورج بالکل بیچ آسمان کے ہو جائے، اسے زوال کا وقت کہا جاتا ہے۔

---

(۱) مشکوۃ عن ابن عمرؓ، باب اوقات النھی ۹۴، بحوالہ بخاری و مسلم

ان تین اوقات میں احناف کے یہاں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنی جائز نہیں ہے، نہ نفل، نہ قضا، نہ سجدۂ تلاوت، مکروہ اوقات میں دو اور اوقات بھی ہیں جن میں قضا نماز ادا کی جاسکتی ہے، سجدۂ تلاوت بھی جائز ہے، لیکن نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، نمازِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروب آفتاب سے پہلے دھوپ کے زرد ہونے تک۔

قضا نماز کی جماعت

سوال کیا فرض نماز کی قضا جماعت بنا کر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ہم تین دوست ہیں، فجر کی نماز اگر چھوٹ جائے تو الگ الگ پڑھیں یا جماعت بنا کر؟

جواب کوشش تو کریں کہ ہر نماز اپنے وقت پر مسجد میں جماعت سے ادا کریں، لیکن اگر کبھی کسی عذر کے سبب چند آدمیوں کی نماز چھوٹ جائے تو وہ جماعت سے قضا نماز پڑھ سکتے ہیں، بلکہ یہی بہتر ہے۔(۱)

سنتوں کی قضا

سوال قضا نمازوں کے ساتھ سنتیں پڑھنا بھی ضروری ہیں یا کہ صرف فرض نماز ہی کی قضا پڑھیں گے؟ (علی حیدر، جدہ)

جواب سنت نمازیں اپنے وقت کے اندر ہی ادا کی جائیں گی، وقت گذر جانے کے بعد سنتوں کی قضا نہیں، اگر سنتوں کی بھی قضا کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ باعثِ اجر ہوگا۔(۲)

گھر میں نماز کی جماعت

سوال ہمارے گھر کے نزدیک مسجد ہے اور یہ مسجد بازار میں واقع ہے اور نماز پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں، جس وقت دل چاہا جماعت کر دی، ہم دکانوں پر تقریباً بارہ آدمی کام کرتے ہیں، ہم لوگوں نے گھر میں ایک کمرے کو مسجد بنا دیا ہے اور ہم سب مل کر یہاں نماز پڑھتے ہیں، آپ سے پوچھنا ہے کہ ہم نے گھر میں جو مسجد بنائی ہے، کیا اس میں ہم نماز پڑھ سکتے ہیں؟ نیز کیا

(۱) الفقہ الاسلامی ۱۳۷/۲ (۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۱۳۷/۲

اس میں اذان دینا بھی ضروری ہے، ہم سب کو تقریباً سات آٹھ سورتیں یاد ہیں، کیا ہم میں سے کوئی بھی امامت کرسکتا ہے؟ (چودھری محمد اقبال، جیزان)

جواب بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ مسجد میں جمع ہو کر نماز پڑھیں، تاہم گھر میں جس کمرے کو نماز کے لئے مختص کرلیا گیا، اس میں بھی نماز باجماعت ادا کی جاسکتی ہے، لیکن اس کا ثواب عام مسجد میں نماز ادا کرنے کی طرح نہ ہوگا، آپ میں سے ہر شخص امامت کرسکتا ہے، البتہ جس کو نماز کے مسائل کا زیادہ علم ہو وہ امامت کا زیادہ مستحق ہے، اگر اس بارے میں سب برابر ہوں تو پھر جو قرآن زیادہ اچھا اور تجوید کے ساتھ پڑھتا ہو وہ امام بننے کا زیادہ اہل ہے۔ (۱)

قضا نماز کا وقت

سوال میری ظہر اور عصر کی نمازیں عام طور پر رہ جاتی ہیں، کیوں کہ میں ڈیوٹی پر رہتا ہوں اور ڈیوٹی بھی رہائش سے تقریباً سو کلو میٹر دور ہے، سفری نماز پڑھ سکتا ہوں، لیکن کپڑے نماز کے نہیں ہوتے، کیا میں اسی دن مغرب کے ساتھ یا عشاء کے ساتھ قضا نماز پڑھ سکتا ہوں؟ (محمد آصف، ابہا)

جواب قضا نماز کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں، مکروہ اوقات کے علاوہ دن کے کسی بھی حصے میں کوئی بھی قضا نماز پڑھی جاسکتی ہے، ایسا نہیں کہ ظہر کی قضا ظہر ہی کے وقت اور عصر کی قضا عصر ہی کے وقت میں کی جائے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اگر کسی عذرِ شرعی کی بناء پر کوئی نماز چھوٹ جائے تو موقع ملتے ہی اسے فوراً پڑھ لیا جائے، اس سلسلہ میں تاخیر مناسب نہیں، اس لئے کہ ارشادِ نبوی ہے:

فاذا نسی احدکم صلاۃ او نام عنها فلیصلها اذا ذکرها. (۲)

تم میں سے اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا بغیر پڑھے سو جائے تو جیسے ہی یاد آئے اسے پڑھ لے۔

---

(۱) مسلم ۲۳۶/۱ باب من احق بالامامة ، کتاب الصلوٰۃ

(۲) ترمذی ، عن ابی قتادة ، باب ماجاء فی النوم عن الصلاۃ کتاب الصلاۃ حدیث ۱۷۷

ابوداؤد ، کتاب الصلاۃ ، باب من نام عن الصلاۃ او نسیها حدیث ۴۳۵.

نیز ملازمت یا ڈیوٹی پر ہونا ترکِ نماز کے لئے کوئی معتبر عذر نہیں، آپ نمازوں کو اس کے صحیح اوقات میں پڑھیں، قضا نہ کریں، بلا وجہ نمازوں کو چھوڑنا یا اس کو مؤخر کرنا، قضا کرنا بہت بڑا گناہ ہے، نیز نماز کی ادائیگی کے لئے کسی مخصوص لباس کا ہونا ضروری نہیں، کسی بھی کپڑے میں نماز ادا کی جاسکتی ہے جب کہ وہ پاک ہو اور اس سے قابل ستر حصہ چھپ جاتا ہو، ہاں اگر آپ کے ساتھ کوئی مجبوری ہو تو نماز کے لئے الگ کپڑے اپنے ساتھ رکھیں یا ملازمت کرنے کی جگہ رکھ دیں، تاکہ اسے پہن کر نماز پڑھی جاسکے، البتہ رہائش سے تقریباً سو کلومیٹر دور رہونے کی بناء پر ظہر وعصر کی نمازیں قصر کریں یعنی چار رکعات کے بجائے دو دو رکعات پڑھیں۔

سنتِ فجر کی قضا

سوال میری ڈیوٹی رات بارہ بجے تک رہتی ہے، گھر آکر کھاپی کر سونے تک کافی دیر ہوجاتی ہے اور اکثر نمازِ فجر میں اُٹھ نہیں پاتا ہوں، صبح اُٹھتے ہی نمازِ فجر کی قضا کرلیتا ہوں اور نمازیں الحمد للہ باجماعت ادا ہوتی ہیں، نماز قضا ہوجائے تو صرف فرض کی قضا ہوگی یا سنتوں کی بھی قضا کرنی ہوگی؟ (بونیر خاں، جدہ)

جواب فجر کے علاوہ کوئی اور نماز چھوٹ جائے تو صرف فرض کی قضا کرنی ہوگی، سنت نمازوں کی قضا نہیں، البتہ احادیث میں سنتِ فجر کی بڑی تاکید آئی ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ فجر کی اگر صرف سنت بھی چھوٹ جائے تو اس کو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھا جائے اور اگر سنت وفرض دونوں چھوٹ جائیں تب بھی طلوعِ شمس کے بعد زوال سے پہلے تک سنت وفرض دونوں کی قضا کریں، البتہ اگر زوال تک قضا نہ کرسکیں تو پھر بعد میں کبھی بھی صرف فرض کی قضا کی جائے (۱) ـــــ لیکن نماز کی ادائیگی میں اتنی سستی وکاہلی درست نہیں، اپنی عادت بدلیں اور نمازِ فجر کو بھی وقت پر جماعت سے ادا کرنے کا معمول بنائیں، اپنی طرف سے اس کی بھرپور کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے مدد وتوفیق کی دُعا مانگتے رہیں۔

---

(۱) المغنی ۱/۴۳۱

فرض نماز کی صحت سنت کی ادائیگی پر موقوف نہیں

سوال زید جمعہ کے دن خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہوتا ہے اور امام کے سلام پھیرتے ہی مسجد سے نکل جاتا ہے، بعد کی سنتیں بھی نہیں ادا کرتا، کیا اس کی نماز درست ہوجائے گی؟ (سراج قمر الدین، ریاض)

جواب فرض نماز کی اپنی مستقل حیثیت ہے، اس کی صحت یا قبولیت نوافل یا سنت پر موقوف نہیں، اگر کوئی سنتِ مؤکدہ چھوڑتا ہے تو اس کے ترک کرنے کا گناہ ہوگا، لیکن فرض نماز صحیح ہوجائے گی، نیز اگر کوئی شخص مسجد میں سنت نماز نہیں پڑھتا تو اس کے بارے میں یہ بدگمانی کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ سنت نمازیں نہیں پڑھتا، ہوسکتا ہے کہ وہ فرض سے پہلے کی سنتیں گھر سے پڑھ کر آتا ہو اور بعد کی سنتیں بھی گھر میں جا کر پڑھتا ہو، اس لئے کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنن ونوافل کا مسجد کے بجائے گھر پر پڑھنا بہتر وافضل ہے۔(۱)

سنت ووتر کے بغیر فرض کی ادائیگی

سوال ہمارے بعض ساتھی کبھی سنت نماز پڑھتے ہیں اور کبھی نہیں پڑھتے، صرف فرض پر اکتفا کرتے ہیں، بقول ان کے سنت ضروری نہیں ہے، اس طرح کبھی وتر بھی نہیں پڑھتے ہیں، کیا سنت ووتر کی ادائیگی کے بغیر صرف فرض نماز پڑھی جائے تو نماز مکمل ہوجاتی ہے؟ یا سنت ووتر پڑھنا بھی ضروری ہے؟

(محمد نعیم حیدر، جدہ)

جواب سنت، وتر اور فرض یہ سب مستقل نمازیں ہیں، ایک دوسرے کی ادائیگی پر ان کی صحت موقوف نہیں، اگر کوئی صرف فرض نماز پڑھے تو اس کی فرض نماز ہوجائے گی، سنت ووتر کے ترک کا اس پر گناہ ہوگا، عشاء کے بعد وتر کی نماز واجب ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت اور تاکید آئی ہے، سنن ترمذی کی ایک روایت میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے، جو تمہارے لئے سرخ اُونٹوں (کی دولت) سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر ہے اور اس کا وقت نمازِ عشاء اور صبح صادق

---

(۱) الفقه الاسلامی وادلته ۲/۴۱

کے درمیان رکھا ہے(۱) —— اس سلسلے میں اور بھی روایتیں کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، نمازِ وتر آخر شب میں پڑھنا (تہجد کے بعد) مستحب اور افضل ہے لیکن اگر کسی کو نیند سے بیدار ہو سکنے کا اندیشہ ہو تو رات سونے سے قبل پڑھ لینا چاہئے۔ مسلم شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں : من خاف منكم أن لايستيقظ من آخر الليل فليوتر من أول الليل ، ومن طمع منكم ان يستيقظ فليوتر من آخر الليل ، فان صلوٰة اخر الليل مشهورة وذلك افضل . (۲)

رسولِ کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام ؓ کو سونے سے قبل وتر پڑھ لینے کی نصیحت فرمائی تھی۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نمازِ وتر کو فقہی اصطلاح کے لحاظ سے واجب نہیں کہتے، لیکن وہ بھی اس کے سنت ہونے (یعنی سنتِ مؤکدہ قریب بہ واجب ہونے) کے قائل ہیں، لہٰذا نمازِ وتر کو عمداً ترک کرنا گناہ ہے۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں :

وهو سنة مؤكدة ، قال احمد : من ترك الوتر عمداً فهو رجل سوء ولاينبغي أن تقبل له شهادة . (۳)

وتر سنتِ مؤکدہ ہے، امام احمدؒ نے فرمایا کہ جو شخص عمداً وتر چھوڑ دے تو وہ گنہ گار ہے، مناسب یہ ہے کہ اس کی شہادت قبول نہ کی جائے۔

فجر کی سنت

سوال فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو کیا دو رکعت سنت ادا کی جائے یا امام کے ساتھ جماعت میں شمولیت کی جائے، سنت فجر کب تک پڑھی جائے؟

(محمد سلیم، بحرین)

جواب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) تلخيص الحبير ۲/۱٦ باب صلوة التطوع ، حديث ۵۲۳

(۲) تلخيص الحبير ۲/۱٦ باب صلوة التطوع ، حديث ۵۲۸

(۳) المغني ۱/۴۲۵

اذا أقيمت الصلاة فلاصلاة الاالمكتوبة . (۱)

جب جماعت کھڑی ہوجائے تو دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔

آپ جماعت میں شامل ہوجائیں اور فجر کی سنتیں بعد میں پڑھیں۔ یہ امامِ احمد کی رائے ہے(۲) —— لیکن امام ابوحنیفہؒ کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہوجائے اور فجر کی سنت نہ پڑھ سکا ہو تو یہ دیکھنا چاہئے کہ فجر کی سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر غالب گمان ہو کہ وہ سنت سے فارغ ہوکر جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، چاہے دوسری رکعت ہی میں شریک ہونے کا موقع ملے تو سنت پڑھ لے، ورنہ اگر یقین ہو کہ سنتِ فجر میں شریک ہونے سے جماعت میں شریک نہیں ہوسکے گا تو جماعت ہی میں شریک ہوجائے اور سنت نہ پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ركعتا الفجر خير من الدنيا ومافيها . (۳)

فجر کی دو رکعت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

لاتدعوهما وان طردتكم الخيل . (۴)

فجر کی سنت نہ چھوڑو، اگرچہ گھوڑے تم کو روند ڈالیں۔

ظہر کی سنت

سوال: ظہر کی نماز میں دیر سے مسجد پہنچیں اور فرض سے پہلے کی چار رکعت سنت نہ پڑھ سکیں تو فرض نماز کے بعد فوراً چار رکعات پڑھیں یا پہلے فرض کے بعد کی دو رکعت سنت پڑھ کر پھر یہ چھوٹی ہوئی چار رکعات ادا کریں؟ (رؤف احمد، بید)

---

(۱) مسلم، باب كراهية الشروع في نافلة، كتاب المسافرين

(۲) المغني ۴۳۱/۱

(۳) نيل الاوطار ۱۹/۳، صحيح مسلم / كتاب الصلاة / باب استحباب ركعتي سنة الفجر حديث ۷۲۵

(۴) ابوداؤد عن ابي هريرة، باب في تخفيفهما، حديث ۱۲۵۸، كتاب التطوع

جواب دونوں صورتیں جائز ہیں، تاہم بہتر یہ ہے کہ پہلے دو رکعتیں ادا کرے، پھر بعد میں چار رکعت، ترمذیؒ نے اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے کہ اگر ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت فوت ہو جاتی تو آپ ﷺ اسے ظہر کے بعد (کی دو رکعت سنت کے بعد) ادا فرماتے تھے: انہ علیہ السلام . کان اذا لم یصل قبل الظہر صلاھن بعدہ . (۱)

اگر جماعت شروع ہو جائے؟

سوال میں نے ایک دفعہ فرض سے تھوڑی دیر پہلے سنت پڑھنا شروع کیا تھا اور ابھی ایک رکعت بھی نہیں ہوئی تھی کہ جماعت شروع ہو گئی۔ میں سنت نماز پوری کر کے جماعت میں شامل ہو گیا، اس وقت تک میری ایک رکعت چھوٹ گئی، جسے میں نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد مکمل کر لیا، مجھ سے قریب ایک مصلی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ میں نے غلط کیا، مجھے سنت چھوڑ کر گویا نماز توڑ کر فرض نماز میں شامل ہو جانا چاہئے تھا، ایسے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب ایک حدیث میں رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

اذا أقیمت الصلاۃ فلا صلاۃ الا المکتوبۃ . (۲)

جب نماز کے لئے اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے سوا کوئی دوسری نماز نہیں۔

لہٰذا ایسے موقع پر سنت نماز شروع کرنا درست نہیں اور اگر کوئی شخص پہلے ہی سنت شروع کر چکا ہو پھر اسی درمیان جماعت کھڑی ہو جائے، تو ایسے موقع پر تفصیل یہ ہے کہ اگر سنت کی پہلی رکعت مکمل نہ ہوئی ہو یعنی ابھی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو نماز توڑ کر جماعت میں

---

(۱) ترمذی عن عائشہ باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظہر

حدیث ۴۲۶ باب ۲۰۰ کتاب الصلاۃ

(۲) مسلم باب کراھیۃ الشروع فی نافلۃ . کتاب المسافرین

شامل ہو جانا چاہئے اور اگر سنت نماز کی ایک رکعت پڑھ چکا ہو تو ایسی صورت میں نماز توڑنے کے بجائے مختصراً دوسری رکعت پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیر کر نماز مکمل کر لینی چاہئے، چاہے چار رکعت کی نیت سے نماز شروع کی ہو، اسی طرح چار رکعت کی صورت میں تین رکعت مکمل کر لینے کے بعد جماعت شروع ہوئی تو جلدی سے چوتھی رکعت بھی مکمل کر کے جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے اور اگر چار رکعت کی صورت میں دو رکعت مکمل نہیں ہوئی تو دو رکعت کے بعد سلام پھیرے اور جماعت میں شریک ہو جائے۔(۱)

فرض اور سنت کے بعد دُعا کرنا

سوال ہمارے یہاں دو گروہ ہیں، ایک گروہ کہتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دُعا ثابت ہے، جب کہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دُعا ثابت ہے، کون سا مسلک صحیح ہے؟ (عنایت الرحمان توحیدی، ریاض)

جواب رسولِ کریم ﷺ نے دُعاؤں کی قبولیت کے اوقات کے بیان میں ارشاد فرمایا:

قال جوف الليل و دبر الصلاة . (۲)

رات کے آخری حصے کی دُعا اور فرض نمازوں کے فوراً بعد کی دُعا زیادہ سنی جاتی ہے۔

یعنی دُعا قبول کی جاتی ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، اس حدیث سے فرض نمازوں کے بعد متصلاً دُعا کرنا ثابت ہے، البتہ اجتماعی طریقے سے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا نہ فرض کے بعد ثابت ہے اور نہ سنتوں کے بعد۔

بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھنا

سوال ہمارے یہاں کچھ لوگ بلا عذر بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، یہ عام عادت بن گئی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (عامر حسین بھٹی، قطیف)

---

(۱) هندية ۱/۱۱۹

(۲) ترمذی، عن ابی أمامة، احادیث شتی من ابواب الدعوات

جواب نماز کو اس طریقے پر ادا کرنا چاہئے جس طریقے پر اسے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے ادا کیا ہے، اگرچہ بلاعذر بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے، لیکن اس پر آدھا ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

من صلی قائما فهو افضل ومن صلاها قاعدا فله نصف أجر القائم ومن صلاها نائما فله نصف اجر القاعد . (۱)

کہ جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھے اس کا عمل افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اس کو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والے کے ثواب کا آدھا ثواب ملے گا اور سو کر پڑھے تو بیٹھ کر نفل پڑھنے والے کے ثواب کا آدھا ثواب ملے گا۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ اور مسند احمد بن حنبل میں مروی ہے، اس لئے بلاعذر اور بلاضرورت اپنے ثواب میں کمی کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پھر یہ بات بھی مناسب نہیں ہے جو ہمارے یہاں ایک عام عادت بن گئی ہے کہ ہر نماز کے بعد بہت سے لوگ بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، بعض علماء نے اسے مکروہ قرار دیا، اس لئے کہ اسے ضروری سمجھا جانے لگا ہے۔

افضل نفل نماز

سوال کون سی نفل نمازوں کا ثواب زیادہ ہے؟

جواب نفل نمازوں میں سب سے زیادہ افضل اور زیادہ ثواب والی نماز رات کی نماز یعنی ''تہجد'' ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تہجد ادا کرنے کا حکم فرمایا :

ومن الیل فتهجد به نافلة لك . (۲)

رات کے کچھ حصے میں آپ جاگتے رہئے، یہ آپ کے لئے زائد (ذمہ داری) ہے۔

خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

---

(۱) ترمذی عن عمران بن حصین ، باب ماجاء ان صلوة القاعد علی النصف من صلاة القائم

(۲) الاسراء ۷۹

افضل الصلوٰۃ بعد الفریضۃ صلوٰۃ اللیل ۔ (۱)

فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل رات کی نماز یعنی تہجد ہے۔

نیز رات کو جاگنا، وضو کرنا اور عبادت کرنا، یہ نفس پر بڑا گراں گذرتا ہے اور دوسرے اوقات میں نیند کو قربان کرنے کی نوبت نہیں آتی ہے، اس لئے رات کی نفل نماز بمقابلہ دن کے زیادہ افضل اور ثواب والی ہے۔ (۲)

سفر میں قصر نماز کا حکم

سوال قصر نماز کا شرعی معاملہ کیا ہے؟ خاص ہم لوگوں کے لئے جو ایک سال یا دو سال کے ویزے پر آتے ہیں، نیز اگر ہم جدہ شہر سے یا بلد سے ۱۰۰ کلو میٹر کے فاصلے پر رہتے ہیں اور ہفتہ میں بلد (شہر کے مرکز) جائیں تو کیا قصر ادا کریں گے؟ (محمد یامین علی، جدہ)

جواب شرعاً جو مسافر ہو، اس کے لئے حکم یہ ہے کہ چار رکعت والی فرض نماز اگر تنہا پڑھ رہا ہو (یا امامت کر رہا ہو) تو دو رکعت پڑھے اور اگر مقیم امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے تو امام کی اقتداء میں مکمل نماز پڑھنا ہوگی، قصر جائز نہیں، اگر امام بھی مسافر ہو تو پھر اس کے ساتھ دو ہی رکعت پڑھے، البتہ اس کے پیچھے جو مقیم حضرات نماز پڑھ رہے ہوں وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد خود سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو کر تنہا دو رکعت نماز ادا کریں گے، اس طرح مقیم مسافر امام کے پیچھے بھی مکمل نماز پڑھے گا، امام کی اقتداء میں اس کے لئے قصر جائز نہیں، تین رکعت اور دو رکعت والی نمازوں (یعنی فجر و مغرب) میں قصر نہیں۔

سفر شرعی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے شہر کی حدود کے باہر کم از کم ۴۸ میل (تقریباً ۷۲ کلو میٹر) دور تک جانے کا ارادہ رکھتا ہو، اس ارادہ سے جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے اور اپنے شہر کی حد سے گذر جائے اسی وقت وہ مسافر سمجھا جائے گا، راستہ میں یا منزل پر پہنچنے کے بعد فرض نمازوں میں اسے قصر کرنا ہوگا، البتہ کسی مقام پر وہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ مدت قیام

---

(۱) ترمذی، عن ابی ھریرۃ، باب ماجاء فی فضل صلوٰۃ اللیل

(۲) المغنی ۴۳۹/۱ صحیح مسلم / کتاب الصیام / باب فضل صوم المحرم حدیث ۱۱۶۳

کا ارادہ کرے تو اس ارادہ کے بعد سے وہ شرعاً مسافر نہیں رہے گا، بلکہ اس کا حکم مقیم کا ہوگا، ایسی صورت میں قصر اس کے لئے جائز نہیں، چاہے وہ اپنا کام ہو جانے کی وجہ سے پندرہ دن سے پہلے ہی وہاں سے لوٹ جائے، اسی طرح کوئی شخص پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ کرے لیکن اخیر میں کام نہ ہونے کی وجہ سے مزید دس بارہ دن (پندرہ دن سے کم) ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ شرعاً مسافر ہی رہے گا، چاہے اس طرح اس کے قیام کی مدت طویل کیوں نہ ہو جائے، جو لوگ سال کے ویزے پر وطن چھوڑ کر آتے ہیں، وہ لوگ راستہ بھر تو مسافر رہیں گے، لیکن منزلِ مقصود پر پہنچنے کے بعد چوں کہ ان کی نیت پندرہ دن سے زیادہ (سال دو سال) ٹھہرنے کی ہوتی ہے، اس لئے وہ شرعاً مسافر نہیں ہوں گے، بلکہ ان کا حکم مقیم کا ہوگا، اگر کوئی شخص ہفتہ دو ہفتہ میں یا روزانہ ہی مسافتِ سفر کی دوری طے کرے تو وہ اس دوران مسافر ہی رہے گا جب تک کہ وہ اپنے شہر نہ آجائے یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ کرلے۔

قصر نماز پڑھیں

سوال ہم چند ڈرائیور ساتھی جو کہ ٹریلر چلاتے ہیں، ینبع سے گیس ٹینکرز میں لے کر مملکت کے مختلف شہر جاتے ہیں، جس شہر میں جاتے ہیں ٹینکر خالی ہوتے ہی ینبع واپس ہو جاتے ہیں، ہر شہر میں کمپنی کی رہائش موجود ہے جہاں ہم ٹینکر خالی ہونے تک آرام کر سکتے ہیں، عام طور پر ہمارا قیام ایک دن سے زیادہ نہیں ہوتا، کیا اس صورت میں ہم قصر نماز کی ادائیگی کریں یا پوری نماز پڑھنی ہوگی؟ اسی طرح بعض مرتبہ کسی ضروری کام یا مجبوری کے باعث اگر سنتِ مؤکدہ نہ پڑھ سکیں تو کیا گناہ ہوگا اور اس کی قضا کرنی ہوگی؟

(سردار مشتاق حسین۔ ینبع)

جواب آپ ینبع پہنچنے تک قصر نماز پڑھتے رہیں، بشرطیکہ جس شہر گئے تھے، وہ مسافتِ سفر پر واقع ہو، ہاں اگر کسی شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو پھر پوری نماز پڑھنی ہوگی، پندرہ دن سے کم قیام کے ارادہ پر آدمی مسافر ہی رہتا ہے اور اسے قصر نماز پڑھنی

ہوتی ہے، سفر میں سنت نماز ترک کی جاسکتی ہے، لیکن موقع ہو اور دُشواری نہ ہو تو سنتوں کا اہتمام ترک نہ کرنا چاہئے، عام حالات میں بلا عذر سنتِ مؤکدہ ترک کردینے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے، تاہم وقت گذر جانے کے بعد سنتوں کی قضا نہیں۔

سفر میں سنتوں کی ادائیگی

سوال سفر کی حالت میں فرض نماز قصر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، کیا سفر میں سنت و نوافل پڑھی جائیں گی یا نہیں اور اگر پڑھی جائیں تو قصر کے ساتھ یا بغیر قصر کے؟ (محمد مبین، مدینہ منورہ)

جواب اگر موقع ہو اور زیادہ دُشواری نہ ہو تو سفر میں سنن و نوافل پڑھنا چاہئے، لیکن حالت سفر میں ان کی ادائیگی ضروری نہیں، اگر کوئی شخص بغیر عذر کے بھی سفر کی حالت میں سنت ترک کردے تو وہ گنہگار نہیں البتہ سنتِ فجر کی ادائیگی کے بارے میں حدیث میں زیادہ تاکید آئی ہے، اس لئے اسے سفر میں بھی نہ چھوڑا جائے، حالتِ سفر میں قصر فرض نمازوں میں ہے، سنت و نفل میں نہیں، اگر یہ پڑھی جائیں تو مکمل پڑھی جائیں گی۔(۱)

نوافل کی گھر میں ادائیگی

سوال مسجد میں باجماعت فرض نماز ادا کرنے کے بعد باقی نماز سنن و نوافل بھی مسجد میں ادا کی جائیں یا گھر آکر؟ کس میں ثواب زیادہ ہے؟

جواب فرض نمازوں کے علاوہ باقی سنن و نوافل گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر و افضل ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کا عمل بھی یہی تھا اور حکم بھی یہی ہے، البتہ مسجد میں پڑھنا بھی بلا کراہت جائز ہے۔(۲)

سنت کے لئے جگہ کی تبدیلی

سوال مسجد میں فرض نماز کی ادائیگی کے بعد سنت و نفل پڑھنے کے لئے کیا جگہ بدلنا ضروری ہے یا اسی جگہ پڑھ سکتے ہیں؟ کونسی صورت بہتر ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ (ایم۔این صمناز، ریاض)

---

(۱) المغنی ۴۳۵/۱ (۲) ابن ماجہ، حدیث ۱۴۲۶

جواب اصلاً سنت ونفل نماز کی ادائیگی گھر میں افضل ہے، جیسا کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے، ہم مسجد میں بھی بلا کراہت سنت ونفل نماز ادا کی جاسکتی ہے، اس صورت میں زیادہ بہتر وافضل یہ ہے کہ فرض نماز کی جگہ سے ہٹ کر سنت ونفل نماز ادا کرے، جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی موجود ہے(۱) —— اس سے جہاں فرض وسنت کے درمیان فرق وامتیاز مقصود ہے وہیں اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ نمازی کے حق میں گواہ بن سکے، کسی مجبوری یا جگہ کی تنگی کی وجہ سے اگر فرض نماز کی جگہ ہی سنت پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ جگہ کی تبدیلی واجب نہیں، بلکہ صرف بہتر و افضل ہے۔

نفل کی نیت اور سجدہ میں تسبیحات

سوال سنت، نفل اور واجب نمازوں میں کیا وقت کی صراحت ضروری ہے، جیسا کہ فرض نماز میں ہوتی ہے، مثلاً وقتِ ظہر اور وقتِ عصر وغیرہ؟ اسی طرح سجدہ میں تسبیح تین بار، پانچ بار یا سات بار پڑھتے ہیں، کیا اسے گن کر پڑھنا چاہئے، اگر کچھ کم زیادہ ہو جائے تو کیا کوئی حرج ہے؟ (اختر عالم، بریدہ)

جواب نیت، حقیقت میں دل کے ارادہ کا نام ہے، نیت کرتے ہوئے خاص الفاظ کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں، فرائض کی ادائیگی کے وقت بھی صرف دل میں یہ ارادہ کر لینا کافی ہے کہ میں فلاں نماز مثلاً فجر، ظہر یا عصر کی نماز پڑھ رہا ہوں، اسی طرح سنت ونفل اور واجب نمازوں کی ادائیگی کے وقت بھی جو سنت یا نفل نماز پڑھی جارہی ہو اس کا دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے، زبان سے وقت وغیرہ کی صراحت کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ فقہاء یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر ارادہ کے خلاف سہواً زبان سے کوئی لفظ نکل جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور نیت صحیح سمجھی جائے گی، مثلاً دل میں ارادہ اور نیت تو یہ ہے کہ ظہر کی نماز پڑھ رہا ہوں، لیکن سہواً زبان سے عصر کا لفظ نکل گیا تو ظہر کی ادائیگی صحیح ہو جائے گی۔(۲)

رکوع اور سجدہ میں تسبیح سات بار سے زیادہ بھی پڑھی جاسکتی ہے، کمی زیادتی سے کوئی

---

(۱) ابن ماجہ، حدیث ۱۴۲۶ (۲) المغنی ۲۹۷/۱

فرق نہیں ہوتا، البتہ طاق عدد ہوتو زیادہ بہتر ہے، اسی طرح گن کر پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ اُنگلیوں پر گن کر پڑھنا خلافِ ادب ہے، ذہن ودماغ حاضر رکھ کر خشوع وخضوع سے پڑھنا چاہئے، تاکہ بغیر گنے بھی طاق عدد کا اندازہ لگایا جاسکے، ویسے کم یا زیادہ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

تاخیر سے وتر کی ادائیگی

سوال عشاء کی فرض نماز مسجد میں پڑھ کر سنت ووتر وغیرہ رات بارہ بجے یا اس سے پہلے یا بعد میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (احسان اللہ، جیزان)

جواب وتر اور سنت ونفل رات میں کبھی بھی پڑھ سکتے ہیں، البتہ عشاء کے بعد سنتِ مؤکدہ فرض کے بعد ہی پڑھ لینا بہتر ہے، جب کہ وتر کی نماز رات کے آخری حصے میں پڑھنا افضل ہے، بشرطیکہ اس وقت اُٹھنے کا یقین ہو، اگر نیند سے بیدار ہونے کا یقین نہ ہوتو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہئے، اسی طرح رات میں نوافل یا تہجد وغیرہ پڑھنے کا ارادہ ہوتو وتر کو مؤخر کر کے سب سے اخیر میں پڑھنا چاہئے۔ (۱)

تہجد کا وقت

سوال تہجد کا وقت گھڑی کے حساب سے کتنے بجے شروع ہوتا ہے؟ یہاں فجر سے کافی پہلے جو تہجد کی اذان ہوتی ہے، اذان کے بعد ہی پڑھنا چاہئے یا پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں، اگر پہلے پڑھ سکتے ہیں تو کتنے بجے کے بعد سے پڑھیں، زیادہ تر دیر سے سونے کا رواج ہے، اگر فجر تک کوئی نہ سو سکے تو تہجد کی نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں، کیوں کہ تہجد کی نماز نیند سے ہی اُٹھ کر پڑھنا افضل مانا جاتا ہے اور اس نماز میں کوئی خاص سورۃ پڑھی جاتی ہوتو اس سے آگاہ کریں (فریدہ، جدہ)

جواب نمازِ عشاء کے بعد کبھی بھی تہجد کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، یہاں جو تہجد کی اذان ہوتی ہے، اس سے پہلے بھی تہجد کی نماز پڑھی جاسکتی ہے، اذان کا انتظار ضروری نہیں، اسی طرح اگر

---

(۱) المغنی ۴۵۳/۱ ، الفقه الاسلامی وادلته ۸۲۳/۱

کوئی دیر تک نہ سوئے، پھر تہجد پڑھ کر سو جائے تو اس کا یہ عمل بھی جائز ہے، لیکن زیادہ افضل یہی ہے کہ رات جلدی سو کر آدھی رات بعد رات کے اخیر حصہ میں اُٹھ کر تہجد کی نماز ادا کی جائے۔ وھبہ زحیلی لکھتے ہیں :

تندب الصلوٰة لیلاً خصوصاً اٰخرہ وھی افضل من صلاة النھار . (۱)

رات میں بالخصوص رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا مستحب ہے اور یہ دن کی نفل نمازوں سے افضل ہے۔

اذانِ تہجد کے بعد وتر کی ادائیگی

سوال یہاں پر جب تہجد کی اذان ہوتی ہے تو کیا اس اذان کے بعد نمازِ تہجد اور وتر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اذانِ فجر سے کتنی دیر پہلے تک نفل یا وتر پڑھ سکتے ہیں؟ (عبدالستار، جدہ)

جواب فجر کا وقت ہونے تک تہجد کی نماز اور وتر پڑھی جا سکتی ہے اور یہاں عموماً وقت شروع ہوتے ہی فجر کی اذان ہوتی ہے، لہٰذا اذانِ فجر سے چند لمحات پہلے تک بھی نفل یا وتر پڑھ سکتے ہیں۔ (۲)

اذانِ فجر کے بعد وتر

سوال اگر تہجد کی نماز کے دوران فجر کی اذان ہو جائے تو وتر اذان کے بعد پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟ (دلشاد نثار، رابغ)

جواب تہجد کی نماز ادا کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وتر اپنے وقت پر ادا کر لیں، تاکہ وتر جیسی اہم نماز قضا نہ ہونے پائے، تاہم اگر فجر کی اذان ہو گئی اور وتر نہ پڑھ سکا تو فجر کی سنت سے پہلے، فرض اور سنت کے درمیان بھی اور فریضہ فجر ادا کرنے کے بعد بھی جب تک کہ آفتاب کا طلوع شروع نہ ہو جائے، وتر کی نماز ادا کی جا سکتی ہے، کراہت نفل کی ہے، نہ کہ واجب کی اور یہ واجب ہے (۳) —— مالکیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (۴)

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴۷/۲ (۲) المغنی ۴۵۳/۱

(۳) کبیری ۲۳۶ (۴) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵۲۸/۱

نمازِ وتر میں دُعاءِ قنوت

سوال وتر کی نماز میں کبھی کبھی میں دُعاءِ قنوت بھول جاتا ہوں، اگر نماز میں یاد آجائے تو سجدۂ سہو کر لیتا ہوں، کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے یا دوبارہ پڑھنا پڑے گا؟ کبھی وقت کی کمی کے باعث دُعاءِ قنوت بھی چھوڑ دیتا ہوں۔

جواب عمداً دُعاءِ قنوت ترک کرنا مناسب نہیں، نمازِ وتر میں دُعاءِ قنوت پڑھنا ضروری ہے، دورانِ نماز اگر نہ پڑھی جائے اور آخر میں یاد آجائے تو سجدۂ سہو کرنا واجب ہے۔ (۱)

کیا وتر کے بعد نفل ہے؟

سوال کیا وتر کے بعد کوئی نفل، سنت وغیرہ ادا کی جا سکتی ہے؟

(محمد ظاہر شیر دل، بحرین)

جواب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ۔'' (۲)

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ وتر رات کی آخری نماز ہے، اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے، البتہ ایک صحیح حدیث سے یہ ضرور ثابت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھی ہے۔ (۳)

رمضان المبارک میں وتر کی جماعت

سوال رمضان المبارک میں تراویح کے بعد یہاں جو وتر پڑھی جاتی ہے، وہ حنبلی طریقے سے پڑھاتے ہیں، کیا ہم اس طرح امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا الگ وتر پڑھیں؟

(محمد خاں حاجی عطاء اللہ، مدینہ منورہ)

جواب آپ جہاں کہیں بھی ہوں، امام کی متابعت اختیار کریں، امام جس طرح نماز پڑھائے آپ اسی طرح سے نماز پڑھیں، لیکن جماعت کو چھوڑ کر الگ نماز پڑھنا خواہ وتر ہی

---

(۱) الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۵۲۸/۱ ، ھدایۃ ۱۳۷/۱ ، ط : انڈیا

(۲) بخاری عن عبداللہ بن عمروؓ ، باب لیجعل آخر صلاتہ وترا کتاب الوتر حدیث ۹۹۸

نیز دیکھئے : صحیح مسلم حدیث ۷۴۹

(۳) ترمذی عن أم سلمہ ، باب ماجاء لاوتر ان فی لیلۃ

کیوں نہ ہو، مناسب نہیں ہے۔ فقہاءِ حنفیہ میں ابو بکر جصاص رازیؒ نے وتر میں دوسرے مکتبِ فقہ کے امام کی اقتداء کی اجازت دی ہے اور یہی رائے علامہ ابن ہمامؒ کی ہے۔ (۱)

نمازِ وتر کا حکم

سوال کیا عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھنا لازم ہے، اگر کوئی وتر کی نماز نہ پڑھے تو کیا اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ (الطاف حسین ہاشمی، مکہ مکرمہ)

جواب رسولِ کریم ﷺ نے حدیث میں نمازِ وتر کا تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے اور اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ روزانہ نمازِ تہجد کے بعد آپ ﷺ وتر پڑھا کرتے تھے۔ سنن بیہقی اور مستدرک حاکم میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر ایک نماز کا اضافہ فرمایا ہے جو تمہارے لئے سرخ اُونٹوں کی دولت سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر ہے اور اس کا وقت نمازِ عشاء اور صبح صادق کے درمیان رکھا ہے" (۲) اس سلسلہ میں اور بھی روایتیں کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، جس کی بناء پر امام ابو حنیفہؒ نے اس نمازِ وتر کو واجب کہا ہے۔ (۳)

بعض دوسرے ائمہ اگر چہ اس کو واجب نہیں کہتے، لیکن وہ بھی اس کے سنتِ مؤکدہ ہونے یعنی قریب بواجب ہونے کے قائل ہیں (۴) —— لہٰذا نمازِ وتر کو ضرور پڑھیں، ترک نہ کریں، لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے نمازِ وتر نہ پڑھ سکے تو اس کی عشاء کی نماز پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اس کی نماز صحیح اور دُرست سمجھی جائے گی، کیوں کہ یہ دو الگ نمازیں ہیں، نمازِ عشاء کی صحت وتر کے پڑھنے پر موقوف نہیں۔

کیا نمازِ تہجد کے لئے کوئی خاص سورۃ ہے؟

سوال تہجد کی نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد پڑھنے کے لئے کیا کوئی خاص سورۃ یا دُعا

---

(۱) فتح القدیر ۱۸۳/۱ ، باب الوتر

(۲) سنن بیهقی ، باب تاکید صلاة الوتر ، کتاب الصلاة ۴۶۹/۲ ، مستدرك ، باب الوتر حق ، کتاب الوتر ۳۰۶/۱

(۳) بدائع ۲۷۰/۱ (۴) المغنی ۴۵۲/۱ ، بدائع ۲۷۰/۱

متعین ہے، یا کوئی بھی دُعا پڑھ سکتے ہیں؟

جواب تہجد یا کسی بھی نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد کسی خاص سورۃ کا پڑھنا متعین اور ضروری نہیں ہے، بلکہ جو بھی سورۃ یاد ہو پڑھی جاسکتی ہے، البتہ بعض نمازوں میں رسولِ کریم ﷺ سے کثرت سے بعض سورتوں کا پڑھنا ثابت ہے، ایسی جگہوں پر اس کی رعایت کرنا مسنون ہے، واجب وضروری نہیں، جیسے فجر کی سنتوں میں آپ ﷺ اکثر سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھا کرتے تھے (۱) — جمعہ کے دن نمازِ فجر میں سورۃ السجدۃ اور سورۃ الانسان (الدھر) پڑھا کرتے تھے (۲) اور نمازِ جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور الغاشیہ، نمازِ وتر میں سورۃ اعلیٰ، الکافرون اور الاخلاص پڑھنے کا معمول تھا (۳) — اسی طرح ایسی جگہوں پر اس کی رعایت کرنا مسنون ہے، واجب وضروری نہیں، بلکہ عملاً وجوب کی طرح اس کا التزام کرنا بھی درست نہیں، کبھی اس کے برخلاف بھی کرنا چاہئے۔

جماعت کے ساتھ تراویح کی ادائیگی

سوال کیا جماعت کے ساتھ تراویح کی ادائیگی سنت ہے؟ میں یہاں دُکان پر کام کرتا ہوں، اس لئے تراویح بہ مشکل چار رکعت باجماعت پڑھ سکتا ہوں، کیا میں بیس رکعات اسی مسجد میں بغیر جماعت کے پڑھ سکتا ہوں، جب کہ تراویح کی نماز جماعت سے شروع ہوچکی ہو؟ زیادہ تر میں عشاء کے بعد فوراً تراویح شروع کردیتا ہوں اور جب تک امام چار رکعت تراویح پوری کرتا ہے میری بیس رکعات پوری ہوجاتی ہیں؟ کیا میرا یہ طریقہ درست ہے؟

(محمد مبین، مدینہ منورہ)

جواب یقیناً جماعت کے ساتھ تراویح کی ادائیگی سنت ہے، مجبوری کی صورت میں تنہا پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں، بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ امام کے ساتھ آخر تک نماز میں شریک

---

(۱) ترمذی عن ابن عمرؓ، باب فی تخفیف رکعتی الفجر و القراءۃ فیھما

(۲) ترمذی عن ابن عباس، باب ماجاء فی مایقرأ فی صلاۃ الصبح یوم الجمعۃ

(۳) ابن ماجہ، باب ماجاء فی القراءۃ فی الصلوٰۃ یوم الجمعۃ

رہا جائے، لیکن اگر دشواری ہو تو تنہا نمازِ تراویح میں بھی کوئی حرج نہیں، عبد اللہ بن عمرؓ، قاسمؒ، ابراہیمؒ، نافعؒ جیسے اساطین اُمت نے بھی تنہا نمازِ تراویح پڑھی ہے، ظاہر ہے کہ ان کو تارکِ سنت نہیں کہہ سکتے، البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ مسجد میں تنہا نمازِ تراویح نہ پڑھیں، کیوں کہ اس میں جماعتِ تراویح کی خلاف ورزی ہوگی، جو مناسب نہیں، اس لئے گھر میں تنہا تراویح ادا کی جاسکتی ہے۔کبیری میں ہے :

لو صلی انسان فی بیته لایأثم . (۱)

اگر کوئی گھر میں تراویح پڑھ لے تو وہ گنہ گار نہیں۔

اشراق کی فضیلت

سوال فجر کی نماز کے بعد مسجد میں اشراق تک بیٹھنے اور پھر نمازِ اشراق پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟ (محمد خالد، حفرالباطن)

جواب سورج نکل کر مطلع سے جیسے ہی تھوڑا سا بلند ہو جائے، اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے، سعودی تقویم میں اسی کا خیال رکھتے ہوئے اشراق کا وقت لکھا گیا ہے۔اشراق کی بڑی فضیلتیں حدیث میں آئی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

قال من قعد فی مصلاه حین ینصرف من صلاة الصبح حتی یسبح رکعتی الضحی لایقول الا خیرا غفر له خطایاه وان کانت اکثر من زبدالبحر . (۲)

جو شخص آفتاب نکلنے تک اپنے مصلی یعنی اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہے اور اشراق کی دو رکعت پڑھ کر اُٹھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے مثل ہوں۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

ومن خرج الی تسبیح الضحی لاینصبه الا ایاه فاجره

(۱) کبیری ۳۸۴

(۲) ابو داؤد، باب صلوٰۃ الضحیٰ حدیث ۱۲۸۷

كالمعتمر . (۱)

جو شخص اشراق کی دو رکعت پڑھ لے، اسے حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

اشراق کا وقت

سوال کہتے ہیں کہ نماز پڑھ کر اشراق کے وقت تک جانماز پر بیٹھے رہیں، پھر اشراق کے بعد نفل پڑھ کر اٹھیں، کیا یہ بات درست ہے؟ اگر ہاں تو پھر اشراق کا وقت کب شروع ہوتا ہے اور اس کی کتنی رکعتیں ہیں؟

(شبیلہ اسماعیل، مکہ مکرمہ)

جواب اشراق کے وقت نفل پڑھنے کی حدیث میں فضیلت بیان کی گئی ہے، سورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد تقریباً دس منٹ بعد اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے، چاشت کا وقت تقریباً نو بجے شروع ہوتا ہے، جب سورج اپنی گرمی پھینکنا شروع کرتا ہے۔ صلوٰۃ اشراق دو رکعت ہے، جب کہ صلوٰۃ چاشت دو رکعت سے زیادہ بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور اشراق و چاشت دونوں نفل نمازیں ہیں (۲) لہٰذا نماز فجر کے بعد نماز اشراق کے لئے بیٹھنا ضروری نہیں ہے۔

اذانِ مغرب کے بعد نفل نماز

سوال مغرب کی اذان کے بعد اور جماعت کھڑی ہونے سے قبل یہاں عام طور پر دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہے، لیکن ہمارے ملک میں کسی بھی جگہ اذانِ مغرب کے بعد جماعت سے قبل یہ دو رکعت نہیں پڑھتے، چنانچہ یہاں ہمارے دوستوں میں بعض یہ دو رکعت پڑھتے ہیں اور بعض نہیں پڑھتے اور پڑھنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں، ہماری رہنمائی فرمائیں کہ اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھی جائے گی یا نہیں؟ نیز اگر کوئی شخص اسی وقت مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

(عنایت الرحمان، مکہ مکرمہ)

---

(۱) ابو داؤد، باب ماجاء في فضل المشي الى الصلوة، حديث ٥٥٦

(۲) الفقه الاسلامي وادلته ٤٦/٢

جواب مغرب کی اذان کے بعد فرض نماز سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں مستحب ہے، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، لیکن ابن قدامہؒ حنبلی نے اپنی مشہور تالیف المغنی میں محض جواز کا قول نقل کیا ہے کہ مغرب کی اذان اور فرض نماز کے درمیان دو رکعت نماز پڑھنا جائز ہے(۱) — امام شافعیؒ بھی اسے جائز کہتے ہیں، البتہ متقدمین احناف اور مالکیہ اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، لیکن اس کے جائز ہونے کے سلسلے میں بعض روایات اتنی مضبوط اور صحیح و صریح ہیں کہ اس کی بناء پر اس نماز کو مکروہ یا ناجائز نہیں کہا جا سکتا، چنانچہ متاخرین احناف نے بھی اذانِ مغرب کے بعد فرض سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے(۲) —— جن میں علامہ ابن ہمامؒ اور ماضی قریب کے مشہور محدث علامہ انور شاہ کشمیریؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، البتہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نماز دو رکعت کی حیثیت سنت کی نہیں، نیز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اکثریت کا معمول نہ پڑھنے کا تھا، لہٰذا اس کے ترک کرنے اور معمول نہ بنانے کو بہتر سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص پڑھ لے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔

اس سلسلہ میں بعض روایات یہ ہیں: صحیح بخاری میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین مرتبہ) ارشاد فرمایا:

صلوا قبل صلوٰة المغرب قال فی الثالثة لمن شاء . (۳)

مغرب سے قبل نماز پڑھو، تیسری مرتبہ کہا: جو چاہے پڑھے۔

یعنی جو چاہے پڑھے، اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ کہیں لوگ اسے سنت نہ بنالیں۔ سنن ابوداؤد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مغرب سے قبل دو رکعت نماز پڑھی، ان کے شاگرد نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیکھا؟ جواب دیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا، پھر نہ ہمیں

---

(۱) المغنی ۴۳۶/۱ (۲) فتح القدیر ۳۸۸/۱

(۳) بخاری عن ابن بریدة ، باب الصلاة قبل المغرب ابواب التطوع ،

نیز ملاحظہ ہو: ابوداؤد ۱۸۲/۱ عن عبداللہ المزنی باب الصلاة قبل المغرب

منع کیا اور نہ اس کا حکم فرمایا۔ قال نعم رآنا فلم یامرنا ولم ینھنا ۔ (۱)

ابوداؤد ہی کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

ماریت احداً علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلیھما ۔ (۲)

کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی کو یہ دو رکعت پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔

بہر حال یہاں عام طور پر مساجد میں اذانِ مغرب کے بعد بھی دیگر نمازوں کی طرح کچھ مختصر وقفہ دیا جاتا ہے اور روایات سے اذانِ مغرب کے بعد دو رکعت پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کبھی کبھار اس پر عمل کر لے تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، البتہ اس کا معمول نہ بنالیا جائے اور اس کو ضروری نہ سمجھا جائے، نیز اس مسئلے کی وجہ سے ایک دوسرے پر ملامت یا تنقید واعتراض بھی نہ کیا جائے۔

صلوٰۃ التسبیح کی حقیقت وفضیلت

سوال صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ کیا ہے؟ اس نماز کو کس طرح ادا کیا جاتا ہے اور اس کے پڑھنے کا اجر وثواب کیا ہے؟ کیا اس نماز کا شرعاً کوئی ثبوت ہے؟ کیوں کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث ضعیف ہے، اس لئے یہ نماز بدعت ہے، براہِ کرم اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔

(امۃ اللہ جدہ، اسلام اللہ راجہ طائف، محمد اسحاق، محمد جمیل، ، ، ، ،)

جواب صلوٰۃ التسبیح کو اکثر علماء نے مستحب ونفل نمازوں میں شمار کیا ہے، جب کہ بعض علماء اس کی روایت کے ضعف کو دیکھتے ہوئے اس نماز کو غیر مشروع اور بدعت کہتے ہیں، جس روایت پر اس نماز کا دارومدار ہے اور جو اس کی اصل بنیاد ہے وہ یہ ہے: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی

---

(۱) ابوداؤد ۱۸۲/۱، عن انس، باب الصلاۃ قبل المغرب

(۲) ابوداؤد ۱۸۲/۱، عن ابن عمرؓ، باب الصلاۃ قبل المغرب

اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: کہ اے عباس! اے میرے چچا! کیا نہ دوں میں آپ کو؟ کیا آپ کو نہ عطا کروں؟ کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بنادوں؟ کہ اگر آپ ان کو اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے، پرانے اور نئے قصداً اور سہواً چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے، آپ چار رکعات نماز اس طرح پڑھیے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ پڑھیے، جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے ہی کھڑے پندرہ مرتبہ (یہ تسبیح) کہیے: ''سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' پھر رکوع میں جایئے اور (رکوع کی تسبیح ''سبحان ربی العظیم'' کہنے کے بعد) رکوع میں یہ تسبیح دس مرتبہ کہیے، پھر رکوع سے سر اُٹھایئے اور (''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہیے، پھر سجدہ میں جایئے اور (''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہیے، پھر سجدہ سے سر اُٹھایئے اور یہ تسبیح دس مرتبہ کہیے، پھر دوسرے سجدہ میں جایئے اور (سجدہ کی تسبیح کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہیے، پھر اپنا سر سجدہ سے اُٹھایئے اور یہ تسبیح دس مرتبہ کہیے، یہ کل ۷۵ تسبیحات ہوئیں، اس طرح چاروں رکعت میں کیجیے، یعنی مذکورہ طریقہ سے یہ تسبیح ۷۵ مرتبہ ہر رکعت میں پڑھیے، اگر آپ اس نماز کو روزانہ پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھیے، اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھیے، اگر ہر ہفتہ نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ اور اگر ہر سال نہ پڑھ سکیں تو کم از کم پوری عمر میں ایک مرتبہ (ضرور ہی) پڑھ لیجیے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ: ''اگر آپ کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں یا عالج (ایک جگہ کا نام ہے) کی ریت کے برابر ہوں تو بھی اللہ تعالیٰ انھیں معاف کر دے گا۔'' اس روایت سے نماز پڑھنے کا طریقہ اور اجر و ثواب دونوں ہی کا پتہ چلتا ہے، جہاں تک اس روایتِ حدیث کا درجہ اور کتبِ احادیث کا تعلق ہے، جن میں یہ روایت نقل کی گئی ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ شیخ ناصر الدین البانی نے ''صحیح الجامع الصغیر'' میں حدیث نمبر ۷۹۳۷ پر اس روایت کو درج کیا ہے اور اسے صحیح شمار کیا ہے، اس روایت کے بعض

سلسلۂ اسناد میں اگرچہ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن یہ روایت اتنی کثیر اسناد وطرق سے مروی ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا ضعف ختم ہوجاتا ہے اور اس روایت کو کم از کم "حدیثِ حسن" کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور پھر فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف روایات پر عمل کی محدثین نے بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ اس کا ضعف شدید نہ ہو اور وہ قرآن وحدیث کی صریح نصوص یا دین کی کسی اصل سے نہ ٹکراتی ہو۔ پھر اس روایت کو کئی محدثین نے اپنی کتب میں جگہ دی ہے، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، بیہقی، مستدرک، حاکم، صحیح ابن خزیمہ وغیرہ میں یہ روایت دیکھی جاسکتی ہے۔(۱)

ائمہ اربعہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں اس نماز کے غیر مشروع اور مکروہ ہونے کا قول ملتا ہے، مشہور حنبلی عالم ابن قدامہؒ نے "المغنی" میں صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں امام احمدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ : "مجھے یہ بھلی نہیں لگتی" پوچھا گیا : کیوں؟ جواب دیا : "اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت نہیں" اور پھر اپنے ہاتھ کو اس طرح جھاڑ دیا جیسے وہ اس کا انکار کررہے ہوں، پھر ابن قدامہؒ نے ابوداؤد، ترمذی کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کو نقل کرکے لکھا کہ : "امام احمدؒ نے اس موضوع کی روایت کو ثابت نہیں قرار دیا اور نہ اس نماز کو مستحب قرار دیا، لیکن اگر کوئی انسان اس پر عمل کرے، یعنی اس نماز کو پڑھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ نوافل اور فضائل میں حدیث کی صحت شرط نہیں۔"(۲)

مشہور محدث وعالم امام بغویؒ نے بھی اپنی کتاب "مصابیح السنۃ" میں صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اسے "حسن" کے درجہ میں رکھا ہے۔ "مصابیح السنۃ" کی تحقیق وتعلیق کا کام ڈاکٹر یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی، محمد سلیم ابراہیم سمارۃ اور جمال حمدی الذہبی نے کیا ہے۔ روایتِ مذکورہ کے سلسلے میں حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ : امام احمدؒ کے بارے میں جو منقول ہے وہ قابل غور ہے، اس لئے کہ

---

(۱) ابوداؤد عن ابن عباس، باب صلاۃ التسبیح، ترمذی، عن ابی رافع، باب ماجاء فی صلاۃ التسبیح، ابواب الوتر، ابن ماجہ عن ابی رافع، باب ماجاء فی صلاۃ التسبیح

(۲) المغنی ۴۳۷/۱، مسئلہ نمبر ۱۰۴۴

اس میں اختلاف ہے اور امام احمدؒ نے اس کے موضوع ہونے کی صراحت نہیں کی ہے، نیز ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمدؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا تھا، پھر ائمۂ اسلام اور حفاظِ حدیث نے اس روایت کی تخریج کی ہے، دارِ قطنیؒ نے تو اس روایت کے تمام طرق کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے، پھر (مشہور عالم) خطیب نے بھی یہ کام کیا ہے، اس کے بعد حافظ ابوموسیٰ المدینی نے ''تصحیح صلاۃ التسبیح'' کے نام سے ایک رسالہ میں اس روایت کی تمام سندوں کو جمع کیا ہے، ان تمام اسناد کو سامنے رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ روایت دس صحابہؓ سے موصولاً اور بعض تابعین سے مرسلاً مروی ہے، پھر مزید کچھ تفصیل کے بعد صاحب تحقیق اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتے ہیں کہ : ''حق یہ ہے کہ یہ روایت کثرت طرق (کثیر سندوں سے مروی ہونے) کی وجہ سے ''حسن'' کے درجہ میں ہے۔ واللہ اعلم'' (۱)

جو لوگ اس نماز کو غیر مسنون یا بدعت قرار دیتے ہیں، ان کی بات بھی اگرچہ بے بنیاد نہیں بلکہ بعض شرعی اُصول وضوابط ہی کی روشنی میں وہ یہ رائے رکھتے ہیں، لیکن اس روایت کے سلسلے میں مذکورہ بالا توضیح کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ اسے بیک جنبش قلم بدعت، غیر مسنون یا بے بنیاد قرار دینا دُرست نہیں اور نہ ہی اس نماز کو وہ درجہ دیا جاسکتا ہے جو صراحتاً قرآن یا کسی صحیح وصریح روایت سے ثابت ہونے کی بناء پر ملتا ہے، جیسے فرائض وواجبات اور سُنن مؤکدہ وغیرہ، لہٰذا مناسب بات یہ ہے کہ اگر کوئی اس نماز کو پڑھنا چاہے اور اس کا اہتمام کرنا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس کے ساتھ فرائض یا دوسرے احکام شرعیہ کی بجا آوری میں غفلت وکوتاہی نہ ہو، نیز اس نماز کی ادائیگی کے وقت اس کے ثبوت یا اس کے اجر وثواب پر ایسا کامل اعتقاد ویقین نہ ہو جیسا کہ کسی صحیح وصریح نص شرعی سے ثابت ہونے والے حکم پر ہونا چاہئے اور یہ اس احتیاط کے پیش نظر کہ ہماری طرف سے نادانستہ بھی نبی کریم ﷺ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جو آپ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد نہیں فرمائی، کیوں کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے، مشہور حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ملتا ہے :

---

(۱) مصابیح السنة ۱/۴۵۸، باب صلوة التسبیح، کتاب الصلوة، تحقیق: یوسف عبدالرحمن، سلیم ابراهیم، جمال حمدی، ذهبی

من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار . (۱)

جوکوئی مجھ پر جھوٹ بولے (یعنی میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو) تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

آیت الکرسی کی فضیلت

سوال قرآن پاک میں افضل آیت کونسی ہے اور اس کی فضیلت کیا ہے؟

(محمد طیب حسین، طائف)

جواب صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن پاک کی سب سے عظیم اور افضل ترین آیت آیت الکرسی ہے، ایک حدیث میں اسے قرآنی آیات کی سردار کہا گیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ سید الکلام (تمام کلاموں کا سردار) قرآن ہے، سید القرآن (قرآن کا سردار) سورۃ البقرۃ ہے اور سید البقرۃ آیت الکرسی ہے، نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جس کے ذریعہ کوئی بندہ دُعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے، تین سورتوں میں ہے: سورۃ البقرۃ، آلِ عمران اور طٰہٰ، بعض راوی اور سلفِ صالحین سے مروی ہے کہ اس سے مراد سورۃ البقرۃ میں اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (آیت الکرسی) آلِ عمران میں الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم اور سورہ طٰہٰ میں وعنت الوجوہ للحی القیوم ہے اور ان تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ کا اسم مشترک "الحی القیوم" ہے۔ (۲)

بہر حال آیت الکرسی قرآن پاک کی افضل ترین آیت ہے اور جہاں تک اس کی فضیلت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں کئی احادیث مروی ہیں، ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: "جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا، اس کے جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی چیز مانع نہیں۔"

عورتوں کی نماز

سوال کیا عورتوں کو بھی مسجد میں نماز ادا کرنا چاہئے؟ ہمارے یہاں مسجدوں میں

---

(۱) بخاری ۲۱/۱ عن ابی ھریرۃ باب اثم من كذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم كتاب العلم

(۲) ابن ماجه ، باب اسم اللہ الاعظم ، ابواب الدعاء

عورتوں کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر نہیں، اس لئے ہمارے گھر اور محلے کی عورتیں اپنے اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھتی ہیں، نیز نماز تراویح میں عورتیں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی بھی سورۃ پڑھ سکتی ہیں یا کوئی خاص سورۃ پڑھنی ہوگی؟ وضاحت فرمائیں۔ (اشفاق خان، مکہ مکرمہ)

جواب عورتیں مسجد میں بھی نماز باجماعت ادا کرسکتی ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں معمول تھا، رسول کریم ﷺ سے اس کی اجازت کے باوجود یہ بات بھی ثابت ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے۔ سیدنا عمر ؓ، ام المومنین عائشہؓ اور بعض اکابر صحابہ ؓ فتنے کے خوف سے عورتوں کے مسجد جانے کو ناپسند فرماتے تھے، اُم المومنین عائشہؓ فرماتی تھیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیتے۔ لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای ما احدث النساء لمنعھن المسجد (۱) —— بہر حال عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا ہی زیادہ بہتر اور افضل ہے، تاہم وہ مسجد جا کر نماز پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکتی ہیں، بشرطیکہ مسجد میں عورتوں کو الگ نماز پڑھنے اور وضو کرنے کی مستقل جگہ ہو، جو مردوں سے الگ ہو، نیز عورتوں کا آنا جانا مکمل شرعی پردے میں ہو اور عورتوں کے آنے سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر یہ شرائط پائی جائیں تو عورتیں مسجد جا کر نماز پڑھ سکتی ہیں، تاہم سعودی عرب میں عورتوں کے لئے فتنہ سے بچتے ہوئے مسجد میں نماز ادا کرنے کی صورت متحقق ہے، لیکن ہندو پاک میں یہ صورت نہیں ہے، ان ملکوں میں خواتین کو اپنے گھروں ہی میں نماز ادا کرنی چاہئے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد نمازِ تراویح اور دوسری نمازوں میں بھی کوئی بھی سورۃ پڑھی جاسکتی ہے، کوئی مخصوص سورۃ نہیں، چاہے مرد ہو یا عورت۔ (۲)

شوہر کی اجازت کے بغیر مسجد جانا

سوال کیا شوہر سے اجازت لئے بغیر تراویح کے لئے مسجد جانا جائز ہے؟ اس

---

(۱) مسلم ۱۸۳/۱ باب خروج النساء الی المساجد کتاب الصلاۃ

(۲) مراقی الفلاح ٦٦، ط: بولاق مصر

طرح اگر شوہر اجازت نہ دے تو درسِ قرآن کی محفل میں جانا (جب کہ تمام شرعی آداب ملحوظ رکھے گئے ہوں) کیسا ہے؟ (ایک بہن، ینبع)

جواب شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کو تراویح کے لئے مسجد جانے سے نہ روکے، بشرطیکہ عورت کے مسجد جانے سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، تاہم اگر شوہر اجازت نہ دے تو بیوی کے لئے مسجد جانا دُرست نہیں، اسی طرح کسی دینی مجلس و محفل میں شرکت کے لئے بھی شوہر کی اجازت ضروری ہے۔(۱)

سنت اور نفل نماز میں ضم سورۃ

سوال فرض نماز یا سنت نمازوں میں تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا کافی ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھنا چاہئے؟

جواب فرض نماز میں تو تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا کافی ہے، ضم سورۃ کی ضرورت نہیں، البتہ سنت و نفل اور واجب نماز کی ہر رکعت یعنی تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ ضروری ہے۔(۲)

مسجد کی جماعت سے قبل خواتین کی نماز

سوال کیا خواتین گھر میں محلّہ کی مسجد کی جماعت سے پہلے نماز پڑھ سکتی ہیں؟

(ایک بہن، جدہ)

جواب اگر نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو تو خواتین اپنے گھر میں محلّہ کی مسجد کی جماعت سے قبل بھی نماز ادا کر سکتی ہیں۔

جوتوں سمیت نماز

سوال کیا عام حالات میں بھی وردی میں ملبوس فوجیوں کو جوتوں سمیت نماز پڑھنا جائز ہے؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں؟ (ظفر وقار، خمیس مشیط)

جواب جوتے چپل سمیت نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ پاک ہوں، حدیث میں یہود کی

---

(۱) فتح القدير ۲/۲۰۸ ، البحر الرائق ۴/۱۹۵ ، الدر المختار على هامش الرد ۲/۶۶۵

(۲) المغنی ۲/۱۸

مخالفت میں جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم منقول ہے، لیکن یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سجدہ میں اُنگلیوں کا زمین سے لگنا ضروری ہے، عہدِ رسالت میں جس وضع کے جوتے چپل پہنے جاتے تھے، وہ زمین پر اُنگلیوں کے لگنے سے مانع نہیں ہوتے تھے، اگر آج بھی اس وضع کے جوتے چپل پہن کر کوئی نماز پڑھے تو اس کی اجازت ہوگی اور نماز بلا کراہت دُرست سمجھی جائے گی، اگر جوتے اس وضع کے نہ ہوں بلکہ وہ اُنگلیوں کے زمین پر لگنے میں رکاوٹ ہوں، (جیسا کہ اکثر اسی وضع کے جوتے مستعمل ہیں) تو پھر ایسے جوتوں سمیت نماز کی اجازت اور اس کی صحت قابلِ غور ہے۔ دوسری بات یہ کہ رسولِ کریم ﷺ کے زمانہ میں عام طور پر مسجد کا فرش پختہ نہیں ہوا کرتا تھا، اس لئے کچے فرش پر جوتے سمیت چلنا عرفاً ''بےادبی'' نہ تھا، جیسا کہ آج بھی زیرِ تعمیر مساجد کے کچے فرش پر جوتے چپل سمیت چلنے کا معمول ہے، آج کل مساجد میں پختہ فرش اور اس پر بھی قالین اور جانماز وغیرہ بچھی ہوتی ہیں، جس پر جوتے سمیت چلنا اور اسے روندنا عرفاً وعقلاً بےادبی ہے، نیز آج کل جوتے چپل کا پاک رہنا بھی مشکل ہے، اس لئے جوتے چپل پہن کر مسجد میں داخل ہونا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا بہتر نہیں، مقدس جگہ پر جوتے اُتارنے کا حکم خود قرآن پاک میں موجود ہے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اپنے نعلین (جوتے) اُتارو، کیوں کہ تم مقدس وادی طویٰ میں ہو(۱) —— تیسری بات یہ کہ جوتوں سمیت نماز بذاتِ خود پسندیدہ نہیں بلکہ یہ حکم یہود کی مخالفت میں دیا گیا، جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ آج کل انگریز جوتوں سمیت اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے ہیں، لہٰذا آج ان کی مخالفت میں بھی یہ فعل (جوتے چپل سمیت مسجد میں داخل ہونا اور نماز پڑھنا) مکروہ ہونا چاہئے، کیوں کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

قصوا سبالكم و وفروا عثانينكم و خالفوا أهل الكتاب . (۲)

اپنی مونچھیں تراشو اور اپنی داڑھی بڑھاؤ اور یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو۔

---

(۱) سورۃ طٰہٰ ۱۲

(۲) مسند احمد ۲۶۵/۵

بہر حال جوتے چپل پاک ہوں اور سجدہ میں زمین سے اُنگلیوں کے لگنے میں مانع نہ ہوں تو ان کو پہن کر نماز جائز و درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو نماز درست نہیں، چاہے وہ فوجیوں کی ملازمت کے اوقات میں ہو یا عام حالات اور اوقات میں۔ مشہور مفسر قرطبیؒ اپنی تفسیر قرطبی میں لکھتے ہیں :

ولم یختلف العلماء فی جواز الصلوٰۃ فی النعل اذا کانت طاھرۃ. (۱)

جوتا پاک ہو تو اس کو پہن کر نماز کے جائز ہونے میں علماء کا اختلاف نہیں۔

نماز جمعہ سے قبل اور بعد میں چار چار رکعات سنت

سوال مجھے ایک صاحب نے کہا کہ جمعہ سے قبل کوئی بھی نماز پڑھنی ثابت نہیں ہے، اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ (محمد اشرف علی، ابہا)

جواب بلا علم وتحقیق کسی بھی مسئلے کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہے، دینی مسائل خواہ وہ عقائد سے متعلق ہوں یا اعمال و معاملات سے، ان کے بارے میں ہمیں اہل علم سے رجوع کرنا چاہئے، بغیر علم کے خود کوئی رائے دے دینا زیادتی ہے اور قطعاً نامناسب ہے، کسی بھی صورت میں اس کا جواز نہیں۔

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب ''سنن الترمذی'' کے ابواب الجمعۃ میں ایک باب کا عنوان رکھا ہے ''جمعہ سے قبل اور جمعہ کے بعد نماز کا بیان''، پھر اس باب میں سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نمازِ جمعہ سے قبل اور نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔

امام ترمذیؒ نے مزید لکھا ہے کہ عبداللہ بن المبارکؒ اور سفیان الثوریؒ نے بھی سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) قرطبی ۱۲۷/۱۱

(۲) ترمذی، باب ماجاء فی الصلاۃ قبل الجمعۃ وبعدھا

جمعہ میں سنت نماز کی رکعات

سوال نمازِ جمعہ میں کتنی رکعات سنت ہیں؟ (سید آغا ایوب صابری، البادق)

جواب جمعہ سے قبل چار رکعات سنتِ مؤکدہ پڑھنی چاہئے، نمازِ جمعہ کے بعد چار رکعت بھی پڑھنی ثابت ہے، دو رکعت بھی پڑھنا جائز ہے اور چھ رکعات پڑھنے کی روایات بھی موجود ہیں (۱) —— اس تیسری حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہے کہ اس صورت میں پہلی دونوں روایات پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔

تارکِ جمعہ کا حکم

سوال جو شخص مسلسل تین جمعہ نماز نہیں پڑھتا، ایسے شخص کے بارے میں اسلام میں کیا کہا گیا ہے؟ (محمد عارف، نجران)

جواب نماز دین کے اہم بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، نماز نہ پڑھنے والوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں شدید وعیدیں موجود ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز قرار دی ہے بين العبد والكفر ترك الصلاة (۲) —— اسی طرح ایک اور صحیح حدیث میں ارشاد ہے:

من تركها فقد كفر . (۳)

جس کسی نے عمداً نماز ترک کی اُس نے کفر کیا۔

اسی لئے بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ بلا عذر جان بوجھ کر نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے، بعض اہل علم کی رائے پر بے نمازی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے سے منع کیا گیا ہے، بے نمازی کی کوئی عبادت بھی قبول نہیں کی جاتی، بے نمازی کے چہرے سے ایمان کا نور اُٹھا لیا جاتا ہے، بے نمازی کو مرتے ہوئے کلمہ شہادت بھی نصیب نہیں ہوتا۔

یہ تو عام فرض نمازوں کی چند وعیدیں ہیں، نمازِ جمعہ کے بارے میں تو حدیث میں آیا

---

(۱) الفقه الاسلامي وأدلته ۲/۱ ٤

(۲) ابن ماجه ۷۵/۱ ، عن جابر بن عبدالله باب ماجاء فيمن ترك الصلاة . كتاب الصلاة

(۳) ابن ماجه ، حديث ۱۰۷۹

ہے کہ :

من ترك الجمعة ثلث مرات تهاونا طبع الله على قلبه ۔ (۱)

جو شخص بلاعذر تین جمعوں کی نماز نہیں پڑھتا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگادیتا ہے۔

ابن خزیمہؒ اور ابن حبانؒ کی ایک روایت میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ : ''جس کسی نے بلاعذر تین جمعے چھوڑ دیئے وہ منافق ہے۔'' ایک اور حدیث میں ہے : ''جو شخص تین جمعے مسلسل چھوڑ دیتا ہے، وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ (۲)

عورتوں پر جمعہ کی نماز

سوال کیا عورتوں پر جمعہ کی نماز دو رکعت فرض ہے یا وہ جمعہ کے وقت ظہر کی چار رکعت فرض پڑھیں، جب کہ وہ گھر میں نماز ادا کر رہی ہوں؟

(یوسف قاضی، مکہ مکرمہ، لیاقت یوسف سرنائیک)

جواب عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں، بلکہ وہ گھر پر ظہر کی نماز یعنی چار رکعت فرض پڑھیں گی (۳) ـــــ ہاں اگر وہ کسی ایسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں جہاں عورتوں کے لئے علیحدہ نماز کی جگہ مختص ہو اور پردے وغیرہ کا بھی انتظام ہو تو پھر اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ امام کی اقتداء میں جمعہ کی نماز ادا کریں، لیکن اگر گھر پر نماز پڑھیں تو ظہر ہی کی نماز پڑھنا ہوگی، یہی حکم مردوں کے لئے بھی ہے کہ اگر کسی وجہ سے جمعہ کی نماز چھوٹ جائے تو تنہا ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی جائے گی، نہ کہ جمعہ کی دو رکعت، کیوں کہ نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کی اہم شرط جماعت اور خطبہ ہے، اس کے بغیر جمعہ کی ادائیگی دُرست نہیں۔

---

(۱) ترمذی، عن ابی الجعد، باب ماجاء فی ترك الجمعة من غير عذر

(۲) مسند ابویعلی حدیث ۳۱۷۹

(۳) بدائع ۲۵۸/۱ عن جابر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال : من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة الا مسافراً أو مملوكاً أو صبيا او امراة او مريضا

اگر جمعہ چھوٹ جائے تو کیا کرے؟

سوال کسی مجبوری کی وجہ سے نمازِ جمعہ باجماعت پڑھنے سے رہ جائے، تو کیا اذان دے کر ظہر کی نماز باجماعت پڑھ سکتے ہیں، جب کہ ہم چند آدمی ہیں؟ یا پھر ایسے وقت کیا کیا جائے؟ (محمد عثمان، جدہ)

جواب اگر شرعی عذر اور مجبوری کی وجہ سے جمعہ کی نماز چھوٹ جائے تو ایسے شخص پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے، اگر ایسے کئی آدمی ہوں تو جماعت کے ساتھ نمازِ ظہر ادا کر لینی چاہئے، اذان دینے کی ضرورت نہیں، مسجد کی اذان کافی سمجھی جائے گی، صرف اقامت کہیں اور نماز ادا کرلیں، ہاں اگر سفر پر مساجد سے دور صحرا وغیرہ میں ہوں تو پھر اذان و اقامت دونوں کہیں۔ (۱)

خطبہ کے دوران سنت کی ادائیگی

سوال جمعہ کے دن جب خطبہ شروع ہو جائے تو کیا سنت نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد صادق، ابہا)

جواب احناف کے یہاں خطبہ کے دوران بات چیت یا کوئی بھی نماز ادا کرنا درست نہیں، جب کہ دیگر ائمہ کے یہاں اگر کوئی شخص خطبہ کے وقت مسجد پہنچے تو وہ اسی وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے۔

جمعہ کے دن کی ڈیوٹی

سوال میں یہاں ملازمت کرتا ہوں، جمعہ کے دن بھی کام کرنا پڑتا ہے، ہم چار آدمی ملازم ہیں اور ہر ایک کی ڈیوٹی کم از کم ایک جمعہ کو ضرور آتی ہے، جس کی وجہ سے ہماری جمعہ کی نماز چھوٹ جاتی ہے، ہم کیا کریں؟ (محمد عمران، مکہ مکرمہ)

جواب رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مخلوق کے جس کام میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو ایسے کام میں کسی کی بھی اطاعت نہ کرو'' (۲) — آپ اپنے کام کی نوعیت اور اوقاتِ کار کے

---

(۱) المغنی ۸۴/۲

(۲) سنن ابن ماجہ ۲۰۵ عن ابی سعید الخدری، باب لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ، کتاب الجهاد

بارے میں ایسی ترتیب پر عمل کریں کہ آپ کی نماز نہ چھوٹے اور کام کاج کا حرج بھی نہ ہو۔

خطبہ جمعہ کی مقدار

سوال ابھی حال میں ۱۸/اگست کا خطبہ جمعہ میرے لئے عجیب سا رہا، خطیب منبر پر آئے، اذان کے بعد سورہ ق کی تلاوت شروع کی، چار پانچ منٹ کے بعد چند سکنڈ کا وقفہ کر کے پھر باقی سورۃ مکمل کی اور منبر سے اُتر آئے، اس طرح دس بارہ منٹ میں خطبہ اور نماز ختم ہو گئی، خطبہ میں نہ حمد وثنا ہوئی اور نہ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام، نہ کسی طرح کا خلاصہ اور تفسیر بیان کی گئی، میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا اس طرح خطبہ صحیح ہے؟ (شاہ نواز حسین، ینبع الصناعیہ)

جواب خطبہ جمعہ کی حیثیت تذکیر یعنی لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے کی ہے، اگر مختصر سے مختصر تذکیر بھی خطبہ جمعہ میں ہو جائے تو خطبہ دُرست ہے اور قرآن سے بڑھ کر تذکیر اور نصیحت کس میں ہے؟ لہٰذا یہ خطبہ بالکل درست ہے۔ خطبہ جمعہ میں حمد وثنا یا صلوٰۃ وسلام اور قرآنی آیات یا حدیث کا پڑھنا اور اس کی تفسیر وتشریح کرنا واجب وضروری نہیں، اس کے بغیر بھی تذکیر کے مقصد کو ادا کر دیا جائے تو خطبہ دُرست تصور کیا جائے گا۔(۱)

بہ روزِ جمعہ قبولیتِ دُعا کا وقت

سوال کیا جمعہ کے دن بعد از عصر دُعا قبول کی جاتی ہے؟

جواب صحیح حدیثوں میں ہے کہ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دُعا کی جائے قبول ہوتی ہے، مگر اس وقت کے تعین میں روایات بھی مختلف ہیں اور علماء کے بھی کئی اقوال ہیں، محققین علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے پورے دن میں دائر رہتی ہے، کبھی بھی کسی وقت یہ ساعت آسکتی ہے، مگر صحابہ ؓ وتابعین کے اقوال اور کثرتِ روایت کے پیشِ نظر ان دو وقتوں کو ترجیح حاصل ہے:

۱) جس وقت امام خطبہ کے لئے بیٹھے، اُس وقت سے لے کر نماز ختم ہونے تک۔(۲)

---

(۱) الفقه الاسلامی وأدلته ۲/۲۸٤

(۲) مسلم عن ابی موسیٰ الاشعری، فصل فی ذکر الساعة التی تقبل فیها دعوة العبد

اس صورت میں یہ ضرور واضح رہے کہ زبان سے دُعا نہیں کرنی چاہئے، بلکہ دل ہی دل میں دُعا مانگے، یا خطبہ میں خطیب جو دُعا مانگتا ہے، دل ہی میں ان پر آمین کہے۔

(۲) دوسرا وقت عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔(۱)

ہمیں ان دونوں اوقات کو دُعا میں مشغول رکھنا چاہئے۔

خطبہ کے دوران آمین کہنا

سوال جمعہ کے دن دوسرے خطبہ کے دوران خطیب جب دُعا مانگتا ہے تو چند لوگ ہاتھ اُٹھا کر اور چند لوگ بغیر ہاتھ اُٹھائے آمین کہتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ (ایم احمد، جدہ)

جواب جمعہ کا خطبہ سُننا واجب ہے، اس دوران دوسرا کوئی کام بھی نہ کیا جائے، خطبہ کے دوران امام کی دُعا پر ہاتھ اُٹھائے بغیر آمین کہا جاسکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دل ہی دل میں آمین کہے، زبان سے نہ کہے۔(۲)

قصر کی مدت

سوال میں ٹریلر ڈرائیور ہوں، دُور دُور تک میرا جانا ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ گھر سے کتنے کلومیٹر دُوری پر قصر کرنا واجب ہے اور کیا سنتوں کی بھی قصر کریں گے یا انھیں پورا پڑھنا ہوگا اور اگر نہ پڑھیں تو گناہ تو نہیں؟ نیز میرا اگر یمنٹ دو سال کا ہے، تو کیا جب تک میں یہاں رہوں قصر ہی پڑھتا رہوں؟

(شاہ نواز حسین، ینبع الصناعیہ)

جواب ۴۸ میل (۷۷ $\frac{1}{4}$ ستتر کلومیٹر) کی مسافت کا سفر کرنے والا شخص شرعاً مسافر سمجھا جائے گا، اگر کوئی شخص اتنی دور سفر کے ارادہ سے گھر سے باہر نکلے تو وہ نمازیں قصر سے ادا کرے گا جب تک کہ وہ اپنے گھر نہ لوٹ جائے، یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرلے(۳) ـــــ اگر حالتِ سفر میں کسی مقام پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی

---

(۱) ترمذی عن عبداللہ ابن سلام، باب فی الساعة التی ترجی فی یوم الجمعة

(۲) المغنی ۸۶/۲ (۳) المغنی ۲۴۷/۲

نیت اور ارادہ کر لے تو اب وہ اس جگہ شرعاً مسافر نہیں سمجھا جائے گا، ایسی صورت میں جب تک وہاں رہے قصر صحیح نہیں، بلکہ پوری نماز پڑھے گا(۱) — پھر جب وہ وہاں سے نکل جائے تو گھر لوٹنے تک قصر کرے گا، اگر کسی شخص کی ملازمت یا ڈیوٹی ایسی ہو کہ وہ ہر روز تقریباً ۸۹/ کلومیٹر یا اس سے زیادہ دور کا سفر کرتا ہو تو وہ روزانہ جو نمازیں سفر میں پڑھے گا وہ قصر کے ساتھ پڑھے گا اور جس نماز کا وقت گھر پہنچنے کے بعد شروع ہوا ہو اور وہ اپنے گھر یا شہر میں نماز ادا کر رہا ہو تو اس نماز کو مکمل پڑھے گا، سفر میں سنت نمازوں کی ادائیگی ضروری نہیں، اگر موقع ملے اور پڑھنا چاہے تو پوری پڑھنا ضروری ہے، اس میں قصر درست نہیں، قصر صرف فرض نمازوں میں ہے، البتہ سفر میں سنت چھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ مسافر پر قصر اُسی وقت ہے جب وہ فرض نماز تنہا پڑھ رہا ہو، اگر وہ مسجد میں یا کہیں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو اور اس کا امام مسافر نہ ہو تو اس کی اتباع واقتداء میں مسافر بھی پوری نماز پڑھے گا(۲) — مقیم امام کے پیچھے مسافر کا قصر کرنا دُرست نہیں۔

مسافر کے لئے قصر بہتر ہے یا مکمل نماز؟

سوال میں دمام میں رہتا ہوں، ہر دو تین دن بعد الجبیل آنا جانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں مجھے الجبیل پہنچنے پر قصر نماز پڑھنی چاہئے یا چار رکعت پوری کرنی چاہئے؟ اگر جماعت ہو رہی ہو یا جماعت مل سکتی ہو تو جماعت میں شامل ہو جاؤں یا الگ سے قصر پڑھوں؟

جواب چوں کہ فقہاءِ احناف کے یہاں سفر کی مسافت ۴۸/ میل یعنی ۷۷/ کلومیٹر اس لئے وہ شخص شرعاً مسافر ہے اور اسے نماز میں قصر کرنا ضروری ہے، سوائے اس کے کہ جماعت سے نماز پڑھے اور امام مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو، ایسی صورت میں امام کی اقتداء میں مکمل نماز پڑھی جائے گی، قصر کرنا صحیح نہیں، اگر کہیں جماعت ہو رہی ہو یا جماعت سے نماز مل سکتی ہو تو جماعت سے نماز پڑھنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے جلد نماز پڑھ کر فارغ ہونا

---

(۱) هندية ۱۳۹/۱

(۲) ان اقتدیٰ مسافر بمقیم فی الوقت صح وأتمها أربعا (مراقی الفلاح ۲۷۹)

چاہے تو مسافر صرف فرض پر اکتفا کر سکتا ہے، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قصر رخصت ہے اور مسافر کو اختیار ہے کہ چار رکعت پڑھے یا دو رکعت۔(۱)

مسبوق مسافر اور مقیم امام کی اقتداء

سوال مسافر سفر میں قصر نماز پڑھتے ہیں، امام مقامی ہو تو مسافر کو چاہئے کہ امام کی اقتداء میں مکمل نماز پڑھے، اس کے لئے قصر جائز نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ امام تو مقامی ہے اور اس نے دو رکعت نماز پڑھا دی، اب تیسری رکعت میں اگر کوئی مسافر نماز میں اس امام کے ساتھ شامل ہوتا ہے، تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد امام کے ساتھ چھوٹی ہوئی دو رکعت پڑھے یا امام کے ساتھ پڑھی ہوئی دو رکعتیں اس کے لئے کافی ہو جائیں گی؟ (عتیق احمد راز، نجران)

جواب ایسی صورت میں مسافر کو چاہئے کہ امام کے ساتھ چھوٹی ہوئی دو رکعات امام کے سلام پھیرنے کے بعد مکمل کرے، امام کے ساتھ پڑھی گئی دو رکعات کافی نہیں، امام مقیم ہو تو مسافر کو بھی امام مقیم کی اقتداء میں مکمل نماز پڑھنا ضروری ہے، چاہے مسافر پہلی رکعت سے امام کے ساتھ شامل ہو یا درمیان میں کسی بھی رکعت میں شامل ہوا ہو۔(۲)

سفر میں قصر اور دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے کا حکم

سوال میں روزانہ تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کا سفر طے کرتا ہوں، کیا میں دورانِ سفر نماز قصر پڑھوں؟ اور کیا میں دو وقت کی نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا ہوں؟

(غلام محمد، حفر الباطن)

جواب دورانِ سفر بہر حال نماز قصر ہی ادا کی جائے گی، البتہ دو نمازوں کو جمع کرنے کے بارے میں احناف کے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ دو نمازیں جمع کر کے پڑھنی جائز نہیں، جب کہ باقی ائمہ کے یہاں مسافر کو سفر میں یہ سہولت حاصل ہے کہ وہ قصر اور جمع دونوں پر عمل کرے

---

(۱) الفقه الاسلامی وادلته ۲/۳۱۸

(۲) المغنی ۲/۱۳

اور یہی سہل اور ظاہر حدیث سے قریب تر ہے(۱) —— بعض فقہاءِ حنفیہ نے بھی اس پرعمل کی اجازت دی ہے۔(۲)

یومِ عرفہ اور نمازِ قصر و جمع

سوال یومِ عرفہ کے دن جو لوگ مسجد نمرہ میں نماز نہیں پڑھتے، اپنے خیموں میں نماز پڑھتے ہیں، ان کے لئے آپ نے فرمایا ہے کہ وہ نمازیں تو قصر پڑھیں، لیکن ظہر اور عصر کو نہ ملائیں، بلکہ ان کے وقتوں پر ادا کریں، آپ کا یہ جواب سنتِ مطہرہ کے خلاف ہے، اُمت کے تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عرفہ کے دن سنت طریقہ یہ ہے کہ نماز قصراً و جمعاً ادا کی جائے۔

جواب چوں کہ سوال کرنے والے کی اکثریت کا تعلق فقہ حنفی سے ہے، لہٰذا عموماً ان لوگوں کو ان کے مسلک کے مطابق جواب دیا جاتا ہے، امام السرخسیؒ المتوفی ۴۹۰ھ، امام الکاسانی المتوفی ۵۸۷ھ اور امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ المتوفی ۱۸۹ھ نے اپنی اپنی کتبِ فقہ میں یہی بات لکھی ہے کہ عرفات میں جمع صلاتین امام کے ساتھ مسجد نمرہ میں پڑھنے کے لئے خاص ہے، اگر مسجد نمرہ میں یہ دونوں نمازیں امام کے ساتھ نہ پڑھی جائیں تو پھر ہر نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائے گی، کیوں کہ سورۂ نساء آیت نمبر ۱۰۳ میں صاف صاف حکم ہے کہ بے شک ایمان والوں پر ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا ضروری ہے۔ علامہ عینیؒ المتوفی ۸۵۵ھ نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں امام ابوحنیفہؒ کے اس قول کی تائید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہی مذہب مشہور تابعی امام سفیان الثوریؒ ۱۶۱ھ اور امام النخعیؒ ۹۴ھ کا ہے۔ واللہ اعلم

نمازِ خوف

سوال اُردو نیوز میں شائع شدہ ایک مضمون میں لکھا تھا کہ غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر رسولِ کریم ﷺ نے نمازِ خوف پڑھائی، میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس نماز میں کون کون سی سورۃ پڑھی گئی؟ (محمد فاروق قیصر، دمام)

جواب ہمارے علم کے مطابق روایتوں میں نمازِ خوف میں پڑھی جانے والی سورتوں کی

---

(۱) المغنی ۵۷/۲ (۲) ردّالمحتار ۴۱۲/۱، قبیل باب الاذان

تفصیل مذکور نہیں، قرآن کی کوئی بھی سورۃ پڑھی جاسکتی ہے، نیز نمازِ خوف کوئی مستقل نماز نہیں بلکہ یہ پنج وقتہ فرض نماز ہی ہے، جو بعض غزوات میں دُشمن کے حملہ آور ہونے کے خوف کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو دو حصوں میں تقسیم کر کے انھیں پڑھائی، ایک گروہ دشمن سے دفاع کرتا اور دوسرا گروہ رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ ایک رکعت نماز ادا کرتا، پھر یہ دُشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا اور پہلا گروہ آ کر رسول کریم ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتا، پھر رسول اللہ ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد یہ اپنی ایک رکعت پوری کر کے سلام پھیرنے کے بعد دُشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا اور دوسرا گروہ آ کر اپنی باقی رکعت پڑھ لیتا، اسی کو نمازِ خوف کہتے ہیں۔ دُشمن سے خوف کے وقت فرض نماز کی جماعت کے تقریباً ۱۶ طریقے (معمولی فرق کے ساتھ) روایتوں میں منقول ہیں، جن میں سے بعض طریقے مسلم اور بیشتر طریقے ابوداؤد میں مذکور ہیں، ۹ طریقے تو صحیح ابن حبان میں بھی مذکور ہیں۔ ان میں سے کسی بھی طریقے پر نماز ادا کی جاسکتی ہے، بعض حضرات صلوٰۃِ خوف کو رسولِ کریم ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں، جب کہ جمہور علماء آپ ﷺ کے بعد بھی صلوٰۃِ خوف کو جائز قرار دیتے ہیں۔

کیا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟

سوال اگر بیوی فوت ہو جائے تو کیا شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟ اور اگر شوہر فوت ہو جائے تو کیا بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے؟

(فاروق محمد شفیع، مدینہ منورہ)

جواب اس بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بوقتِ ضرورت بیوی اپنے شوہر کو اس کے انتقال کے بعد غسل دے سکتی ہے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اس کے انتقال کے بعد غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے (۱) — اور اس بارے میں ان کی دلیل دو احادیث ہیں، ایک حدیث ابن ماجہ میں ہے، جس میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی محبوب زوجہ محترمہ اُم المومنین سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

---

(۱) المغنی ۲/۲۰۱

لومت قبلی فقمت علیك فغسلتك و كفنتك و صليت عليك و دفنتك . (۱)

اگر تم مجھ سے پہلے مر گئیں تو میں تمہیں غسل دوں گا اور کفن بھی پہناؤں گا۔

دوسری حدیث دار قطنی اور بیہقی کی ہے، جس میں آتا ہے کہ سیدنا علی ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے انتقال کے بعد خود غسل دیا (۲) —— حنفیہ کے یہاں شوہر بیوی کو غسل نہیں دے گا، کیوں کہ انتقال کے ساتھ ہی اس کا نکاح ختم ہو چکا ہے اور اب وہ اس کے حق میں ایک اجنبی عورت کے درجہ میں ہے۔ (۳)

کفن کا انتظام کرنا

سوال کسی کو کفن پہنانا اور کفن کا انتظام کرنا کیا یہ بڑی نیکی ہے؟

(ابو عامر، راشد علی، احمد جان، بیشہ)

جواب جس طرح کسی مسلمان کی زندگی میں اس کے ساتھ کوئی بھی نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے، اسی طرح کسی کے مرنے کے بعد اس کا جنازہ پڑھنا، اسے کفن دینا، اس کے جنازے کو کندھا دینا اور اس کے لئے دُعا کرنا باعثِ اجر و ثواب ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کسی نے مردے کو غسل دیا اور اس کی ستر پوشی کی، اللہ تعالیٰ اُس شخص کی ستر پوشی فرمائے گا اور جس نے کسی مردے کو کفن پہنایا یعنی کفن دیا یا پہنایا، اللہ تعالیٰ اُس شخص کو (جنت کے) قیمتی و اعلیٰ ریشمی کپڑے پہنائے گا۔ (۴)

نمازِ جنازہ میں ایک سلام یا دو سلام

سوال ہمارے یہاں نمازِ جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرا جاتا ہے، جب کہ یہاں صرف دائیں طرف سلام پھیرتے ہیں، کون سا طریقہ صحیح ہے؟

(ایم احمد، جدہ)

---

(۱) ابن ماجه ، باب ماجاء في غسل الرجل امرأته وغسل امرأة زوجها

(۲) بیهقي ، باب الرجل يغسل امرأته اذا ماتت (۳) هنديه ۱۶۰/۱ كذا في السراج الوهاج

(۴) جمع الفوائد ۱۳۳/۱ ، باب غسل الميت و كفنه

جواب نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنے کے بارے میں مختلف احادیث موجود ہیں، حنابلہ کے یہاں ایک طرف سلام پھیرنے والی احادیث زیادہ معتبر ہیں، جب کہ احناف کے نزدیک دونوں طرف سلام پھیرنے والی احادیث کو لیا گیا ہے۔(۱)

غیر مسلم سے قبر کی کھدوائی

سوال کیا کسی غیر مسلم سے قبر کھدوائی جا سکتی ہے، جب کہ گاؤں میں نوجوانوں کی کمی ہو یا روزگار وغیرہ کے سلسلے میں باہر مقیم ہوں؟ (طاہر وبیر کوٹی، بحرین)

جواب اگر اس علاقے میں کوئی مسلم اس کام کے لئے نہیں ملتا تو یہ جائز ہے۔

میت کے غسل میں بیری کا پتہ

سوال ہمارے یہاں جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کو پانی میں بیری کا پتہ ڈال کر غسل دیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے اور شرعا اس کا کیا حکم ہے؟

(سید امان اللہ، نجران)

جواب صفائی و پاکیزگی کے اہتمام کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے اور حدیث سے اس کا ثبوت موجود ہے۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسولِ کریم ﷺ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ ہمارے پاس آئے اور ارشاد فرمایا کہ :

اغسلنها ثلاثاً او خمسا او اكثر من ذلك ان رأيتن بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافوراً . (۲)

انھیں تین مرتبہ، پانچ مرتبہ یا ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ غسل دو، پانی اور بیری کے پتے سے اور آخر میں کافور بھی استعمال کرو۔

چنانچہ میت کے غسل کے لئے بیری کے پتے اور پھر کافور یا کوئی خوشبو کی چیز کا استعمال کرنا مسنون و مستحب ہے۔

---

(۱) الفقه الاسلامي وأدلته ۴۹۳/۲

(۲) ابوداؤد، عن ام عطية، باب غسل الميت، كتاب الجنائز، ابن ماجه، باب في غسل الميت، كتاب الجنائز

میت کو غسل دینے والے پر غسل

سوال کیا میت کو غسل دیتے وقت میت کے غیر ضروری بال کاٹنے ضروری ہیں؟ یا صرف میت کو غسل دینا کافی ہوتا ہے۔ نیز کیا غسلِ میت کے بعد غسل دینے والے کو بھی غسل کرنا ضروری ہے یا صرف وضو کر کے نمازِ جنازہ اور فرض نماز وغیرہ پڑھی جاسکتی ہے؟ بعض مرتبہ اپنے گھر سے دُور دوسرے شہروں میں بھی عزیز و اقارب کو غسل دینے کی ضرورت پڑتی ہے، شرعی طور پر رہنمائی فرمائیں۔ (محمد نعیم حیدر، جدہ)

جواب میت کو صرف غسل دینا کافی ہے، میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں، وہ صرف وضو کر کے اور پہلے سے باوضو ہو تو دوبارہ وضو کئے بغیر بھی نمازِ جنازہ یا فرض نماز وغیرہ پڑھ سکتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ :

من غسله الغسل ومن حمله الوضوء . (۱)

جس نے میت کو غسل دیا وہ غسل کرے اور جو میت کو اُٹھائے وہ وضو کرے۔

لیکن اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے اور اسے کمزور قرار دیا ہے (۲) ــــــ چنانچہ کسی بھی امام کے نزدیک جنازہ اُٹھانے والے پر وضو اور میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں، البتہ جمہور فقہاء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ میت کو غسل دینے والا بھی (غسل کے بعد) غسل کر لے : ویستحب عند الجمهور لمن غسل میتا ان یغتسل بعد فراغه من غسله (۳) خصوصی طور پر استحبابِ غسل کا حکم اس لئے ہو سکتا ہے کہ غسل دینے والے کے بدن پر چھینٹیں پڑسکتی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ میت کا بدن ناپاک ہو (یعنی اس کے بدن پر کوئی نجاست لگی ہو) ایسی صورت میں غسل دینے والے کا جسم بھی ان ناپاک چھینٹوں کی وجہ سے ناپاک ہو سکتا ہے، اس لئے بہتر و مستحب ہے کہ غسل کر لیا جائے۔

---

(۱) ترمذی عن ابی هریرةؓ ، باب ماجاء فی الغسل من غسل المیت ، ابواب الجنائز

(۲) قال البیهقی : الصحیح انه موقوف علی ابی هریرةؓ ، المجموع شرح مهذب ۱۴۱/۵

(۳) الفقه الاسلامی وادلته ۴۶۲/۲

قبروں پر نمازِ جنازہ

سوال میرے والد کا انتقال ہوگیا (اللہ تعالیٰ ہر مرحوم مسلمان کی مغفرت فرمائے) اُس وقت میں یہاں سعودی عرب میں تھا، پھر اپنے ملک گیا، قبر کی زیارت کی، دُعائے مغفرت کی اور کچھ دن وہاں رُک کر واپس چلا آیا، یہاں آنے کے بعد صحیح بخاری کی ایک حدیث نظر سے گذری، جس میں وارد ہے کہ مسجدِ نبوی کی صفائی کرنے والا (کرنے والی) کا انتقال ہوگیا، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ صفائی کرنے والا نظر نہیں آیا، کہاں ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''وہ انتقال کر گیا'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''رات کو اس کا انتقال ہوا اور اُس وقت ہمیں آپ کو تکلیف دینا برا لگا'' آپ ﷺ کو اُس شخص (یا عورت) کی قبر پر لے گئے، وہاں آپ ﷺ نے اس کے لئے نمازِ جنازہ پڑھی اور مجھے اپنے والد کے انتقال پر ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور تدفین میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا، تو کیا میں اب دوبارہ وطن جاؤں تو اپنے والد کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھ سکتا ہوں؟ میں انتقال کے فوری بعد گیا، تب یہ حدیث نہیں جانتا تھا، اس لئے صرف زیارتِ قبر اور دُعائے مغفرت کر کے چلا آیا۔ اس سلسلے میں آپ سے رہنمائی کی درخواست ہے۔ (عمر محمد سعدی، جدہ)

جواب اگر کسی میت کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہے تو دفن کئے جانے کے بعد قبر پر اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے اور اس پر تمام علماء و فقہاء کا اتفاق ہے، البتہ جس میت کو نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کیا گیا ہو، اس کے دفن کئے جانے کے بعد اس کی قبر پر جا کر نمازِ جنازہ پڑھنے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ متفق علیہ حدیث میں مسجدِ نبوی کی صفائی کرنے والی ایک عورت (یا ایک نوجوان مرد) کے بارے میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ان کے دفن کئے جانے کے بعد ان کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی فاتی علی قبره فصلی علیه (۱)

(۱) بخاری، عن ابی ھریرةؓ، باب الصلاة علی القبر بعد مایدفن

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے، جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں، جب کہ امام نخعیؒ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اس سے منع کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تو اس کے دفن کر دینے کے بعد اس کی قبر پر اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے(۱) — بصورتِ دیگر یہ ائمہ اس کے قائل نہیں ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کا جنازہ اس کے دفن کے دن ہی پڑھا تھا(۲) —— امام ترمذیؒ نے سنن ترمذی میں فرمایا ہے کہ میت کو دفن کر دینے کے بعد اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے اکثر اہل علم قائل ہیں، جیسا کہ امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے اور بعض اہل علم اس کے قائل نہیں ہیں، جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے (۳) امام ترمذیؒ نے آگے چل کر فرمایا: امام عبداللہ بن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو ایسی میت کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے(۴) —— امام احمدؒ کا قول ہے کہ دفن کئے جانے کے ایک ماہ بعد تک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

امام ابن قدامہ الحنبلیؒ نے حنابلہ کا مسلک و مذہب بیان کرتے ہوئے المغنی میں لکھا ہے کہ دفن کئے جانے کے بعد ایک ماہ تک قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے، المغنی میں ہے:

تتوقت الصلوٰة علی الغائب بشهر كالصلوٰة على القبر . (۵)

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی نمازِ جنازہ اس کی قبر پر پڑھنا جائز ہے، البتہ اگر نمازِ جنازہ کے بعد دفن کیا گیا ہو تو اس کے دفن کئے جانے کے بعد قبر پر اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا مناسب نہیں ہے، کاسانی لکھتے ہیں:

ولا يصلى على ميت الا مرة واحدة ، لا جماعة ولا وحداناً عندنا الا أن يكون الذين صلوا عليها أجانب بغير أمر الاولياء ، ثم حضر

---

(۱) فتح الباری ۲٦٤/۳ ، ط: پاکستان

(۲) فتح الباری ۲٦٤/۳ ، ط: پاکستان

(۳) ترمذی ، باب ماجاء فی الصلاة علی القبر

(۴) بدائع الصنائع ٤٧/۲

(۵) المغنی ۱۹۵/۲

الولی فحینئذ له ان یعیدها . (۱)

ہمارے نزدیک ایک مرتبہ سے زیادہ میت کی نماز نہیں پڑھی جائے گی نہ تنہا اور نہ جماعت سے ۔ ہاں اگر اس کی نمازِ جنازہ اولیاء کی اجازت کے بغیر دوسرے لوگوں نے پڑھ لی، پھر ولی حاضر ہوا تو ایسی صورت میں دوبارہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

اس بارے میں احناف کا مسلک جیسا کہ امام ابن الہمامؒ نے فتح القدیر میں اور امام الکاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں بیان کیا ہے، یہ ہے کہ : رسول اللہ ﷺ کا کسی کی نماز پڑھنا یا کسی کی قبر پر جا کر اس کی نمازِ جنازہ ادا کرنا قبر والوں کے لئے قبر کی تاریکی اور اندھیرے کے دور ہو جانے اور قبر کے روشن ومنور ہو جانے کے لئے تھا، جیسا کہ خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ اس واقعہ کی روایت میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

ان هذه القبور مملوة ظلمة علی أهلها وان الله ینورها له بصلاتی علیهم . (۲)

یہ قبریں اپنے مردوں کے لئے تاریکیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ، ان قبروں پر میرے نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں روشن کر دیتا ہے۔

احناف کا یہ بھی کہنا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خصوصیت ہی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے اس عمل کو تسلسل سے انجام نہیں دیا اور صحابہ کرامؓ کسی قبر پر جا کر اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے :

ولو جاز لما ترک مسلم الصلوٰة علیهم خصوصا علی رسول الله صلی الله علیه وسلم ، لأنه فی قبره کما وضع ، فان لحوم الانبیاء حرام علی الارض ، به ورد الأثر ، ترکهم ذلك اجماعاً منهم دلیل علی عدم جواز التکرار . (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع ۴۷/۲ (۳) بدائع الصنائع ۴۸/۲

(۲) مسلم ۳۱۰/۱ عن ابی ہریرةؓ ، فصل فی الصلاة علی القبر ، کتاب الجنائز

اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو میت (کی قبر) پر نماز پڑھنے کو مسلمان کیوں ترک کرتے، خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی قبر پر، اس لئے کہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں ایسے ہی موجود ہیں جیسے کہ رکھے گئے تھے، کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا گوشت زمین پر حرام کر دیا گیا ہے، جیسا کہ احادیث میں موجود ہے، لہٰذا اس کو چھوڑنا ان کی طرف سے "اجماع" ہے جو تکرار کے عدم جواز پر دلالت کرتا ہے۔

بلکہ یہ لوگ کثرت سے دُعاءِ مغفرت کرتے تھے۔

مسجد میں نمازِ جنازہ

سوال ہمارے ملک میں جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اس کی نمازِ جنازہ مسجد کے باہر ادا کی جاتی ہے، چاہے وہ جگہ مسجد کے باہر روڈ پر ہی کیوں نہ آتی ہو، مسجد میں جنازہ لے جانا اور مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھانا بہت ہی برا مانتے ہیں، جب کہ یہاں مسجد میں ہی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ دُرست طریقہ کیا ہے؟ (عبدالوہاب خان، ریاض)

جواب مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا مسئلہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے، فقہاءِ احناف اسے مکروہِ تنزیہی اور بعض مکروہِ تحریمی قرار دیتے ہیں، جب کہ شوافع وحنابلہ کے نزدیک بلاکراہت جائز ہے، ابن قدامہؒ تحریر کرتے ہیں:

لا بأس بالصلاة على الميت في المسجد اذا لم يخف تلويثه وبهذا قال الشافعيؒ واسحاقؒ وابو ثورؒ وداؤدؒ وكره ذلك مالكؒ وابو حنيفةؒ لأنه روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال: "من صلى على جنازة في المسجد فلاشي له." (۱)

اگر مسجد کے گندی ہونے کا خطرہ نہ ہو تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی کے قائل امام شافعیؒ، اسحاقؒ، ابوثورؒ، اور داؤدؒ ہیں۔ امام

(۱) المغنی ۱۸۵/۲، نیز ملاحظہ ہو: هندية ۱۶۵/۱

مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اس کو مکروہ کہتے ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھی اُس کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔''

صحیح مسلم کی ایک حدیث سے جہاں رسول کریم ﷺ سے مسجد میں نمازِ جنازہ کے پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، وہیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ آپ ﷺ کا دائمی معمول نہ تھا، چنانچہ روایت میں ہے کہ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ، تاکہ میں بھی نماز پڑھ سکوں، لوگوں نے اس پر انکار کیا کہ مسجد میں نمازِ جنازہ کیسے پڑھی جاسکتی ہے، اُم المومنین سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دونوں بیٹوں سہیل اور ان کے بھائی کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی ہے(۱) — اگر یہ عام معمول ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر تعجب یا انکار نہ ہوتا، چنانچہ فقہاءِ احناف کا رجحان اس طرف ہے کہ اگر کوئی معقول عذر ہو جیسے بارش یا نمازیوں کی اتنی کثرت کہ باہر نمازِ جنازہ پڑھنا ممکن ہی نہ ہو وغیرہ، تو ایسی صورتوں میں نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے۔

ولاتکرہ بعذر المطر ونحوہ . (۲)

بارش اور اس جیسی مجبوریوں کے پیش نظر مسجد میں نمازِ جنازہ مکروہ نہیں ہے۔

ورنہ عام حالات میں مسجد سے باہر صحن مسجد وغیرہ میں نمازِ جنازہ پڑھی جائے، جب کہ دیگر فقہاء مذکورہ روایت کو جواز پر محمول کرتے ہوئے مطلقاً مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

نمازِ جنازہ کے بعد سر پر قرآن رکھنا

سوال بعض مقامات پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد ایک آدمی سر پر قرآن شریف رکھ لیتا ہے اور باقی سب دُعا کرتے ہیں، پھر میت کو سپردِ خاک کیا جاتا ہے، کیا

---

(۱) نیل الاوطار ۶۸/۴، نصب الرایہ ۲۸۶/۲

(۲) ھندیۃ ۱۶۵/۱

یہ صحیح ہے؟

جواب یہ ناجائز اور غلط رسم ہے کہ اس طرح کا عمل آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور جو چیز سنت سے ثابت نہ ہو، وہ شرعاً غلط ہے۔

ویکرہ عند القبر کل مالم یعهد من السنة . (۱)

قبر کے پاس ہر وہ عمل کرنا مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو۔

نمازِ جنازہ کے بعد دُعا

سوال ہمارے علاقے میں جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد فوراً کچھ لوگ دُعا کرتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں، کون سی بات دُرست ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(محمد افراز عباسی، جدہ)

جواب نمازِ جنازہ خود دُعا ہے، نماز کے بعد دُعا ثابت نہیں، چنانچہ کاسانی کا بیان ہے :

لیس فی ظاهر المذهب بعد التکبیرة الرابعة دعاء سوی السلام . (۲)

ظاہر مذہب کے مطابق چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے اور کوئی دُعا نہیں ہے۔

قبروں کو پکا کرنا

سوال بعض لوگ محرم میں قبروں کو پکا کرتے ہیں، بعض لوگ قبروں پر پانی چھڑکتے ہیں، کیا یہ عمل ثواب والا عمل ہے؟ (حاجی ظہیر احمد واثق، ابہا)

جواب محرم میں یا یوم عاشورہ کو قبریں پکی کرنا، ان پر پانی چھڑکنا وغیرہ بدعت ہے، رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (۳)

---

(۱) ردالمحتار ۶۰۶/۱ قبیل مطلب فی وضع الجرید

(۲) بدائع ۵۱/۲ ، ط : بیروت

(۳) مسلم باب النهی عن تجصیص القبر ، کتاب الجنائز

قبر کیسی ہونی چاہئے؟

سوال اپنے ملک میں اکثر سنگِ مرمر یا اینٹ وسیمنٹ سے بنی ہوئی پکی قبریں نظر آتی ہیں، لیکن یہاں میں نے کبھی کوئی پکی قبر نہیں دیکھی، جنت البقیع میں بھی سب قبریں کچی ہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ قبر پکی بنانا دُرست ہے یا نہیں؟ (لال حسین، بہاول شیر، جدہ)

جواب احادیث میں پکی قبریں بنانے کی ممانعت آئی ہے، سیدنا جابر ؓ سے ایک روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے سے، ان پر لکھنے سے اوران کو روندنے سے منع فرمایا:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبر و ان يبنىٰ عليه، و أن يقعد عليه. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے اس پر تعمیر کرنے اوراس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

صحیح مسلم میں سیدنا علی ؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لاتدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويته. (۲)

مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس مہم پر بھیجا کہ جس مورتی کو دیکھوں اُسے توڑ ڈالوں اور جس اُونچی قبر کو دیکھوں اُس کو ہموار کردوں۔

لہٰذا قبروں کو پختہ بنانا یا اس پر قبہ وغیرہ تعمیر کرنا جائز نہیں بلکہ قبر کچی ہونی چاہئے۔ اسی طرح قبر کو زیادہ اُونچا کرنا بھی جائز نہیں، البتہ زمین کے بالکل برابر بھی نہ ہو بلکہ زمین سے ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ اُونچی ہو۔

---

(۱) مسلم عن جابر، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، رقم الحديث ۹۷۰

(۲) مسلم عن علي، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، حديث ۹۶۹

دفن کے بعد میت کی منتقلی

سوال شرعاً میت کو کسی جگہ کچھ مدت کے لئے امانتاً دفنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کو دفنانے کی کوئی مدت مقرر ہے؟ (نواب، مدینہ منورہ)

جواب میت کے حقوق میں اہم حق یہ ہے کہ اسے فوراً دفن کیا جائے، جہاں انتقال ہوا ہے، وہیں پر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے، البتہ اگر قبر کے بہہ جانے یا کسی اور نقصان کا اندیشہ ہو تو میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا حنابلہ اور مالکیہ کے یہاں جائز ہے، بشرطیکہ یہ میت کی مصلحت میں ہو، میت کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو اور منتقل کرنا بربناءِ ضرورت ہو، بلا ضرورت میت کی منتقلی جائز نہیں ہے، شوافع کے یہاں دفن کے بعد میت کی منتقلی حرام ہے، البتہ اگر قبر کے ضائع ہو جانے اور بہہ جانے کا خطرہ ہو یا اسی طرح کسی دوسری ضرورت کے تحت کراہت کے ساتھ جائز ہے، احناف کا موقف اس مسئلہ میں سخت ہے کہ دفن کرنے کے بعد مردے کو کسی بھی صورت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا، بالکل ناجائز ہے۔ (۱)

دفن کے وقت روپیہ تقسیم کرنا

سوال بعض لوگ مردہ دفن کرتے وقت روپیہ تقسیم کرتے ہیں، اگر کوئی نہ کرے تو کہتے ہیں کہ یہ لاوارث میت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ غلط رسم ہے، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (۲)

قبروں پر چادر چڑھانا

سوال قبروں پر چادر چڑھانا شرعاً کیسا ہے۔ اگر یہ منع ہے تو بڑے بڑے لوگ مزاروں پر کیوں چادر چڑھاتے ہیں؟ (افتخار احمد ظریف، اٹھمر)

جواب یہ عمل نہ رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام ؓ نے ایسا کوئی کام کیا، لہٰذا یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے۔ ہمارے لئے کتاب وسنت، رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کا

---

(۱) الفقه الاسلامي وأدلته ۵۲۹/۲ ، المغني ۱۹٤/۲

(۲) هندية ۱۶۶/۱

عمل دلیل ہے نہ کہ صدیوں بعد آنے والے توہم پرست یا مفاد پرست لوگوں کا عمل، چنانچہ ہندیہ میں صراحتاً مذکور ہے کہ :

یکرہ عند القبر مالم یعهد من السنة ، والمعهود منها لیس الازیارته والدعاء عنده قائما . (۱)

قبر کے پاس وہ تمام اعمال مکروہِ (تحریمی) ہیں، جو سنت سے ثابت نہ ہوں اور سنت سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے اور میت کی مغفرت کے لئے دُعا کی جائے۔

تبدیلی قبر کی صورت میں دوبارہ تکفین

سوال میرے والد مرحوم آزاد کشمیر کے ممتاز عالم دین تھے، جن کا انتقال مارچ ۱۹۹۳ء میں ہوا اور انھیں شہری قبرستان کے بجائے مقامی قبرستان کے مالک کی رضامندی بلکہ اصرار کی وجہ سے وہاں دفنایا گیا، اب قبرستان کے مالک کے ساتھ کچھ اختلافات ہو گئے ہیں اور اس نے کہا ہے کہ اپنے والدِ مرحوم کی میت کو یہاں سے نکال کر کہیں اور دفنائیں، چنانچہ اب ہم قبر کی تبدیلی چاہتے ہیں، تو کیا دوبارہ تکفین اور نمازِ جنازہ بھی پڑھنی ہوگی؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ (ایم-آر-ملک، ریاض)

جواب تدفین کے بعد قبر کھود کر میت کو نکالنا جائز نہیں، تاہم بعض صورتوں میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، جیسے بلا اجازت کسی دوسرے کی زمین پر مردہ کو دفن کیا گیا ہو اور اس زمین کا مالک اس پر راضی نہ ہو، صورتِ مسئولہ میں چوں کہ قبرستان کے مالک نے خود ہی اپنے قبرستان میں تدفین کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اصرار بھی کیا، لہٰذا اب اسے اس بات کا حق نہیں کہ وہ میت کو منتقل کرنے کا حکم کرے، بلکہ خود اس کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کیا جائے گا (۲) — پھر جب تدفین کو تین سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہو تو کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میت اپنی اصل حالت پر ہوگی؟ ایک مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھ کر مردہ کو دفن کر دینے کے بعد اس پر

---

(۱) هندیه ۱/۱٦٦ ، کبیری ٥٦٤ (۲) الفقه الاسلامی ۱/٥٢٩

دوبارہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی، ہاں اگر کسی شخص کو بغیر نمازِ جنازہ کے ہی دفن کردیا گیا ہو تو فقہاء نے قبر پر ہی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے، وہ بھی صرف اس وقت تک جب تک کہ مردہ کے اصلی حالت پر قائم رہنے کا یقین ہو، اگر یہ شک پیدا ہوجائے کہ مردہ کا جسم سڑگل گیا ہوگا تو پھر قبر پر بھی نمازِ جنازہ دُرست نہیں، چاہے بغیر نمازِ جنازہ کے ہی اسے دفن کردیا گیا ہو۔

وان دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بلا غسل او ممن لا ولاية له صلي على قبره استحسانا مالم يغلب على ظنه تفسخه (۱)

اگر نماز پڑھے بغیر یا نماز پڑھ کر غسل دیے بغیر دفن کردیا یا اس کے ولی کے علاوہ دوسروں نے نماز پڑھ کر دفن کردیا تو اس کی قبر پر استحساناً نماز پڑھی جائے گی جب تک کہ اس کے پھٹ جانے کا ظن غالب نہ ہو۔

قبر پر اذان

سوال چند ماہ قبل میں وطن گیا تھا، وہاں ہمارے ایک عزیز کا انتقال ہوگیا، جب انھیں دفن کرچکے تو ایک باریش نوجوان قبر کے سرہانے کھڑا ہوکر اذان دینے لگا، کیا شرعاً قبر پر اذان دینا دُرست ہے؟ صحابہ کرامؓ یا بعد کے دور میں کبھی ایسا ہوا ہے؟ نیز پوچھنے پر پتہ چلا کہ آج کل سبز رنگ کی پگڑی والا نیا گروہ پیدا ہوا ہے جو اپنے ہم پگڑی والے کو ''یا مدینہ'' وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کرتا ہے، اس طرح آپس میں پکارنا کہاں تک دُرست ہے؟

(راجہ محمد آزاد خان، مکہ مکرمہ)

جواب قبر پر اذان بدعت ہے، کتاب وسنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، نیز آپس میں ایک دوسرے کو ''یا مدینہ!'' کہہ کر پکارنا بھی مہمل بات ہے۔ (۲)

---

(۱) الدر المختار ۱۲۵/۳، قبيل مطلب في كراهية صلاة الجنازة في المسجد، باب صلاة الجنازة كتاب الصلاة، ط: ديوبند، نيز ملاحظه هو: المغنى ۱۹۵/۲

(۲) هندية ۱۶۶/۱، كبيرى ۵۶٤

زندگی میں قبر بنوانا

سوال کیا انسان زندگی میں اپنی قبر خود بنوا سکتا ہے؟

جواب زندگی ہی میں اپنی قبر خود بنوانا بہتر نہیں، انسان کو کیا پتہ کہ وہ کہاں مرنے والا ہے، سورہ لقمان کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : ''کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا؟'' تاہم فقہاء نے اپنے کسی خاص جگہ مدفن بنوانے (جیسے مسجد و مدرسہ وغیرہ کی تعمیر کر کے اس کے کسی گوشہ میں اپنے لئے قبر بنوا لینے) کو مکروہ اور عام قبرستان میں (زندگی ہی میں) قبر بنوانے کو مباح یعنی جائز لکھا ہے، چنانچہ کبیری میں علامہ حلبیؒ نے لکھا ہے :

من حفر لنفسه قبراً فلا بأس به ويؤجر عليه ، كذا عمل عمر بن عبدالعزيز ، والربيع بن خيثم وغيرهما ، ذكره في التاتار خانيه ، وعن أبي بكر أنه رأىٰ رجلا عنده مسحاة يريد أن يحفر لنفسه قبراً فقال : لا تعد لنفسك قبراً واعد نفسك للقبر انتهىٰ ، والذي ينبغي أن لايكره تهيئه نحو الكفن ، لأن الحاجة اليه متحققة غالباً بخلاف القبر لقوله تعالىٰ : وما تدري نفس باى أرض تموت .(۱)

اگر کسی نے اپنے لئے قبر کھدوائی تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس پر ثواب ملے گا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ربیع بن خیثم اور دوسروں سے اس طرح کا عمل منقول ہے، حضرت ابو بکرؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک شخص کے ہاتھ میں کدال دیکھا، تاکہ اس سے اپنے لئے قبر تیار کر لے، تو آپ نے کہا : اپنے لئے قبر مت تیار کرو بلکہ اپنے آپ کو قبر کے لئے تیار کر لو۔ اس سلسلہ میں مناسب بات یہ ہے کہ کفن جیسی بکثرت پیش آنے والی چیز کو تیار کر لینے میں کوئی کراہت نہیں ہونی چاہئے، برخلاف قبر کے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کی موت کس

---

(۱) کبیری ٥٦٦ ، ط : دیوبند

سرزمین میں واقع ہوگی۔

شوہر کے لئے بیوی کی تدفین

سوال اگر بیوی کا انتقال ہوگیا تو کیا شوہر اس کو دفن کرنے کے لئے قبر میں اُتر سکتا ہے؟

جواب اُتر سکتا ہے، یہ جائز ہے، چنانچہ سیدنا علی ؓ نے سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خود ہی قبر میں اُتارا تھا۔ (۱)

کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا

سوال مردے کو کفن پہنانے سے پہلے کفن پر کلمہ طیبہ لکھا جاتا ہے اور خوشبو بھی لگائی جاتی ہے، کیا یہ دُرست ہے؟ (انور ساجد، جدہ)

جواب کفن پر خوشبو لگانا جائز ہے، البتہ اس پر کلمہ طیبہ لکھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا اس طرح کی رسومات سے بچنا چاہئے۔ (۲)

زیارتِ قبور کی دُعا

سوال جب قبرستان میں جائیں تو کون سی دُعا پڑھنی چاہئے؟

جواب جب قبرستان سے گذر ہو، یا خاص کر زیارتِ قبور کے ارادے سے قبرستان جائیں تو موت و آخرت کو یاد کر کے اپنے لئے اور اہلِ قبور کے لئے کوئی بھی مغفرت کی دُعا کی جاسکتی ہے اور اہلِ قبور کو سلام بھی حدیث سے ثابت ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے ایک دُعا منقول ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ (۳)

اے اہلِ قبور! تم پر سلامتی ہو، اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم

---

(۱) مختصر المزنی للشافعی ۳۶

(۲) ھندیۃ ۱/۱۶۶، اس سے متعلق عبارت گذر چکی ہے

(۳) ترمذی عن ابن عباس، باب مایقول اذا دخل المقابر

سے پہلے جانے والوں میں ہو اور ہم تمہارے بعد آنے والوں میں۔

قبروں پر پھول چڑھانا

سوال: کیا قبروں پر پھول چڑھانا جائز ہے؟ (محمد جمال، جدہ)

جواب: قرآن و حدیث یا صحابہ کرامؓ کے کسی عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا یہ ناجائز اور بدعت ہے۔(۱)

کفن آبِ زمزم سے دھونا

سوال: کفن کا کپڑا آبِ زمزم سے دھونا کیسا ہے؟ (محمد خان، مدینہ منورہ)

جواب: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(۲)

ایصالِ ثواب کا غلط طریقہ

سوال: ہمارے علاقے کے کچھ لوگوں نے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد ہر روز کھانا کھانے سے پہلے فوت ہونے والوں کی روح کو ایصالِ ثواب کے لئے قرآنِ پاک کی چند سورتیں پڑھتے ہیں، کیا یہ دُرست ہے؟ یا اور کوئی طریقہ ہو تو ضرور بتلائیں۔ (محمد اعظم، محمد طاہر، ابھار)

جواب: جس رسم اور طریقے کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس کی حیثیت بدعت سے زیادہ کچھ نہیں اور ہر بدعت ناجائز ہے، جس سے بچنا ضروری ہے۔ میت کو فائدہ پہنچانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے وقتاً فوقتاً دُعاءِ مغفرت کی جائے۔(۳)

موت کا اعلان

سوال: اذان کے مقام سے موت کا اعلان اور جنازہ کے لئے پکارنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس اعلان کی ضرورت ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اسے مستقل عادت بنالینا

---

(۱) هندية ۱/۱٦٦

(۲) هندية ۱/۱٦٦

(۳) ابو داؤد، باب الدعاء للميت، كتاب الجنائز

مناسب نہیں ہے۔(۱)

نمازِ جنازہ کا طریقہ

سوال نمازِ جنازہ کا طریقہ کیا ہے اور اس کی نیت کس طرح کریں اور نمازِ جنازہ کے دوران کن چیزوں کا پڑھنا ضروری ہے؟ نیز حرم شریف میں اکثر نمازِ جنازہ میں شرکت کا اتفاق ہوتا ہے، لیکن کبھی یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ میت بالغ مرد و عورت کی ہے یا نابالغ لڑکا یا لڑکی، ایسی صورت میں کیا کریں اور کس طرح نماز پڑھیں؟ یہاں ایک ہی طرف سلام پھیرا جاتا ہے، جب کہ ہمارے ملکوں میں دونوں طرف، کون سا طریقہ صحیح ہے؟ نیز نمازِ جنازہ شروع ہونے کے بعد اگر کوئی شخص پہنچے تو وہ کس طرح نمازِ جنازہ پڑھے؟ عورت کے لئے نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(شاہ نواز، ینبع الصناعیہ، محمد نذیر بٹ، بیشہ، عدل احمد مسعود، جدہ)

جواب نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ ہے کہ امام جب تکبیر تحریمہ کہے تو آپ بھی تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کانوں تک اُٹھائیں اور پھر باندھ لیں، جیسے نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، پھر دُعائے استفتاح یعنی ثناء پڑھیں، پھر امام دوسری تکبیر کہے تو آپ بھی آہستہ سے دوسری تکبیر کہیں، پھر دوسری تکبیر کے بعد درودِ ابراہیمی یا کوئی بھی درود شریف پڑھیں، پھر امام کے ساتھ تیسری تکبیر آہستہ سے کہہ کر نمازِ جنازہ کی دُعا پڑھیں، جو کہ معروف ہے۔ احادیث میں اس سلسلے میں دو دُعائیں خصوصیت سے مروی ہیں، ان میں سے کوئی بھی دُعا پڑھی جاسکتی ہے، زیادہ بہتر ہے کہ دونوں پڑھیں، بالغ مرد و عورت کے لئے یہی دُعائیں ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوجائیں۔

نابالغ لڑکے اور لڑکی کی نمازِ جنازہ میں کسی الگ دُعا کا ذکر کتبِ احادیث میں نہیں ملتا۔ البتہ بچوں کی موت اور ان کے اجر کے سلسلے میں کتبِ احادیث میں بعض دُعائیں منقول ہیں، انہی کی روشنی میں بعض فقہاء نابالغ لڑکی اور لڑکے کی نمازِ جنازہ میں الگ الگ مستقل

---

(۱) فتاویٰ عبدالحی (اُردو) ۲۲۸، ط: دیوبند

دُعا کے پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں، یہ دُعائیں بھی اگرچہ پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن نابالغ لڑکی اور لڑکے کی نمازِ جنازہ میں بھی وہ دُعا پڑھیں جوکہ بالغ مرد وعورت کی نمازِ جنازہ میں پڑھتے ہیں تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، بالخصوص میت کے بارے میں جب یہ علم نہ ہوسکے کہ یہ بالغ مرد وعورت کی ہے یا نابالغ لڑکی اور لڑکے کی، تو وہی مسنون دُعا پڑھیں جوکہ بڑوں کے لئے پڑھی جاتی ہے، پھر نمازِ جنازہ میں ثناء، درود اور دُعاؤں کا پڑھنا فرض وواجب نہیں بلکہ مستحب ہے، اگر کوئی شخص کسی وجہ سے کچھ بھی نہ پڑھ سکے، صرف کھڑے ہوکر چار تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دے تب بھی اس کی نماز صحیح ہوجائے گی۔ اگر کوئی شخص بعد میں نمازِ جنازہ میں شریک ہو تو اسے چاہئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو تکبیریں چھوٹی ہیں صرف اتنی ہی تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دے، کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ امام کے سلام پھیر دینے سے پہلے جتنی تکبیریں اسے ملی ہیں، اس میں دُعا وغیرہ جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ کے یہاں نمازِ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ہر تکبیر پر ہاتھ اُٹھانا ضروری نہیں، نیز چوتھی تکبیر کے بعد دائیں بائیں دونوں طرف سلام پھیرنا ہے، جیسا کہ فرض نمازوں میں ہے، بعض دوسرے ائمہ کے یہاں نمازِ جنازہ میں دائیں طرف ایک ہی سلام پھیرنا کافی ہے، یہی امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک ہے(۲) ـــ اور دونوں طریقے صحیح ہیں، اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثناء کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنا بھی ثابت ہے، اسی پر بعض ائمہ کا عمل بھی ہے، لہٰذا اگر کوئی سورہ فاتحہ پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔(۳)

نمازِ جنازہ کون پڑھائے؟

سوال: نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟ کیا امامِ علاقہ ہی نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے یا کوئی دوسرا شخص بھی؟

جواب: نمازِ جنازہ پڑھانے کا حق سب سے پہلے حاکم وقت (اسلامی حکومت کے سربراہ) پھر اس کے نائب کو ہے، اس کے بعد جامع مسجد کے امام، پھر محلّہ کی مسجد کے امام کو ہے، پھر

---

(۱) فتح القدیر علی الهدایة ۸۵/۲ (۲) المغنی ۱۸۳/۲

(۳) المغنی ۱۸۰/۲

میت کا ولی وسرپرست جیسے بیٹا، باپ، بھائی اور چچا وغیرہ زیادہ حقدار ہیں، ان کے علاوہ کوئی دوسرا عام شخص بھی نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے، مگر اس کو چاہئے کہ پہلے میت کے ولی سے اجازت لے لے، بلا اجازت نمازِ جنازہ پڑھادے تو بہر حال نماز ہوجائے گی، لیکن میت کے ولی کو یہ حق ہے کہ وہ دوبارہ نماز پڑھائے۔(۱)

آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ

سوال رسولِ کریم ﷺ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ کس نے پڑھائی؟

جواب رسولِ کریم ﷺ کی نمازِ جنازہ میں کوئی امام نہ تھا، بلکہ جب غسل اور تجہیز وتکفین سے فراغت ہوئی اور نمازِ جنازہ تیار ہوگیا تو حجرۂ عائشہؓ ہی میں رکھا رہا اور لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے حجرۂ اقدس میں داخل ہوتے اور نمازِ جنازہ پڑھ کر فارغ ہوتے، پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نمازِ جنازہ پڑھی، جب سب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو حجرۂ اقدس میں جس جگہ آپ ﷺ کا انتقال ہوا، وہیں آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔(۲)

حرمین شریفین میں نمازِ جنازہ

سوال حرمین شریفین میں عموماً نمازوں کے بعد جنازے کی نماز کا اعلان ہوتا ہے، بعض اوقات ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ مردہ مرد ہے کہ عورت، بچہ ہے کہ بچی، ہم کون سی دُعا پڑھیں؟ (محمد خان حاجی عطاء اللہ، مدینہ منورہ)

جواب حرمین شریفین میں فرض نمازوں کے بعد جب جنازے کی نماز کا اعلان ہوتا ہے تو یہ بات بتلادی جاتی ہے کہ مرنے والا مرد ہے کہ عورت، اگر مرد ہو تو ''الصلاة علی المیت'' کہا جاتا ہے اور اگر عورت ہو تو ''الصلاة علی المیتة''، اگر ایک سے زیادہ میت کے جنازے ہوں تو جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے ''الصلاة علی الاموات'' کہا جاتا ہے، بچے کا جنازہ ہو تو ''الصلاة علی الطفل'' اور اگر بچی کا جنازہ ہو تو ''الصلاة علی الطفلة'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

---

(۱) هداية مع الفتح ۸۱/۲

(۲) طبقات ابن سعد ۲۹۳/۲

نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی

سوال جو شخص نہ مرد ہو نہ عورت، کیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی؟

(فضل حسین، بحرین)

جواب ہر مسلمان میت کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ ایسی میت کا کوئی ایسا نام رکھ دیا جائے جو مرد و عورت دونوں کے لئے رکھے جانے کے قابل ہو، جیسے مسلمہ، قتادہ، سعادہ، عتبہ وغیرہ۔ (۱)

بے نمازی کی نمازِ جنازہ

سوال بے نمازی مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب حدیث میں آیا ہے :

صلو علی کل بر وفاجر ۔ (۲)

ہر نیک و بد کی نماز جنازہ پڑھو۔

اس حدیث کے مطابق ہر مسلمان میت کو غسل دینا اور نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے، چوں کہ بے نمازی بھی مسلمان ہے، اس لئے اس کی نمازِ جنازہ اور غسل دینا ضروری ہے، فقہاء نے جن لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے، ان میں بے نمازی کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ (۳)

قصاصاً قتل کئے جانے والے کی نمازِ جنازہ

سوال جن لوگوں کو بطورِ قصاص سزائے موت دی جاتی ہے اور قتل کر دیا جاتا ہے، ان کی نمازِ جنازہ اور تدفین کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (ابرار احمد، الجوف)

جواب عام میت ہی کی طرح ان کی نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی اور دفن کیا جائے گا، اس سلسلے میں ان کے احکام الگ نہیں ہیں۔ (۴)

---

(۱) المغنی ۲/۲۰۱

(۲) ابو داؤد، باب امام البر و الفاجر، حدیث ۵۹۵-۲۵۳۳

(۳) ھندیۃ ۱۶۳/۱ (۴) ھندیۃ ۱۶۳/۱

قبرستان کب جانا چاہئے؟

سوال قبرستان کب جانا بہتر ہے؟

جواب مردوں کے لے دُعاءِ مغفرت، آخرت کی یاددہانی اور عبرت حاصل کرنے کے لئے قبرستان کبھی بھی جاسکتے ہیں، بلکہ قبر کی زیارت کے لئے کسی خاص وقت کا متعین کر لینا دُرست نہیں۔

میت پر نوحہ وبین کرنا جائز نہیں

سوال ہمارے علاقے میں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو عورتیں بین کر کے روتی ہیں، سینہ کوبی کے ساتھ ساتھ مرنے والے کے قصے بیان کئے جاتے ہیں، سنا ہے کہ ایسی عورتوں پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، پھر اس برائی کو کس طرح ختم کیا جائے؟ نیز رونا کہاں تک غلط ہے؟ کیوں کہ کبھی مرنے والا اس قدر عزیز اور محترم ہوتا ہے کہ بے اختیار رونا آجاتا ہے اور آدمی اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ (چنگیز اقبال ثابت، جدہ)

جواب میت پر بین کرنا کبیرہ گناہ ہے، بلکہ اسے کفر کہا گیا ہے، کسی کی جدائی اور مرنے پر رونا تو جائز ہے، لیکن چیخنا، کپڑے پھاڑنا، سینہ کوبی کرنا، ماتم کرنا، چہرہ اور سر پیٹنا، کالے کپڑے پہننا، واویلا اور بین کرنا، نوحہ کرنا یہ سارے کے سارے شیطانی اعمال اور کبیرہ گناہ ہیں، بلکہ حرام ہیں، رسولِ کریم ﷺ نے نوحہ وبین کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

النائحة اذالم تتب قبل موتها تقام يوم القيامة وعليها سربال من قطران ودرع من جرب. (۱)

نوحہ کرنے والی اگر توبہ سے پہلے مرگئی تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھائی جائے گی کہ اس پر کولتار کا لباس اور لوہے کی زرہ ہوگی۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اربع في امتي من أمر الجاهلية لايتركونهن الفخر في الأحساب

---

(۱) مسلم ۳۰۳/۱ عن ابی مالك الاشعری، فصل فی الوعید للنائحة اذالم تتب كتاب الجنائز

والطعن فی الأنساب والاستسقاء بالنجوم والنیاحة . (۱)

جاہلیت کے چار کام کو لوگوں نے نہیں چھوڑا ہے، حسب پر فخر کرنا، نسب میں طعن و تشنیع کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنا۔

آپ اپنے خاندان اور محلے کی خواتین کو سمجھایئے کہ وہ اس حرام کام سے باز رہیں، اسلام نے کسی کے مرنے پر رونے اور شرعی حدود کے اندر رہ کر اظہارِ افسوس کرنے سے منع نہیں کیا، یہ فطرت ہے، البتہ اس میں زیادتی و مبالغہ منع ہے۔

میت کو کب دفنایا جائے؟

سوال کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کی تدفین میں کتنی تاخیر کی جاسکتی ہے؟ بعض جگہوں پر میت کے آخری دیدار کے لئے رشتہ داروں کی آمد کا انتظار کیا جاتا ہے اور میت کو دس بارہ گھنٹے رکھا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

(لیاقت یوسف سرنائیک، ریاض)

جواب مسنون طریقہ یہی ہے کہ مردے کو فوراً دفن کیا جائے اور دور سے کسی آنے والے کا انتظار نہ کیا جائے کہ اس سے لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور یہ طریقہ بہتر بھی نہیں، رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسرعوا به الی قبره . (۲)

جنازے میں جلدی کرو۔

امام قرطبیؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میت کے جنازہ و دفن میں تاخیر نہ کی جائے، البتہ اگر کسی قریبی رشتہ دار کی وجہ سے چند گھنٹے تاخیر ہوجائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، چنانچہ رسولِ کریم ﷺ کی تدفین میں بھی اسی مصلحت کے تحت تاخیر عمل میں آئی تھی۔

---

(۱) مسلم عن ابی مالک الاشعری ، فصل فی النہی عن الفخر بالا حساب ، کتاب الجنائز

(۲) مشکوۃ عن ابن عمرؓ ، الفصل الثالث ، باب دفن المیت

جنازے کے ساتھ بلند آواز میں ذکر

سوال بعض لوگ جنازے کو قبرستان لے جاتے ہوئے بلند آواز سے کلمہ شہادت کا ورد کرتے رہتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ (افتخار حسین زکریا، جیس شیط)

جواب جنازے کو قبرستان لے جاتے ہوئے خاموش رہیں، اگر ذکر کرنا ہو تو آہستہ ذکر کریں، کلمہ شہادت بھی آہستہ پڑھا جا سکتا ہے، بلند آواز سے ذکر یا کلمہ شہادت کا ورد دُرست نہیں، اس لئے کہ کسی حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔(۱)

عورت کی میت پر مردوں کی قرآن خوانی

سوال عورت کی میت پر غیر مرد قرآن خوانی کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب اُجرت لے کر قرآن خوانی کرے تو اس میں محققین نے لکھا ہے کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا ہے، کیوں کہ جب پڑھنے والے کو فاسد نیت کی وجہ سے ثواب نہیں ملتا تو میت کو کہاں سے ثواب ملے گا؟ البتہ اگر کوئی شخص للہ قرآن شریف پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچائے تو انشاء اللہ اس کا ثواب میت کو ملے گا، خواہ اپنے گھر پر پڑھ کر ثواب پہنچائے یا میت کے گھر پر۔ قبر پر خاص اہتمام سے قرآن پڑھنا دُرست نہیں اور دُعا و ایصالِ ثواب میں مرد و عورت اور محرم و غیر محرم کی کوئی تفریق نہیں۔

عورتوں کے قبرستان جانے کا مسئلہ

سوال کیا کوئی عورت اپنی بیٹی یا کسی قریبی عزیز کی قبر پر قبرستان جا سکتی ہے؟

(عائشہ عبدالوہاب، اظہر)

سوال عورتوں کے لئے قبرستان جانے کے بارے میں علماء کی کئی آراء ہیں، ہم اپنی عورتوں کو ان کے عزیزوں کی قبروں پر جانے کی اجازت دیں یا منع کریں؟ (شکیل احمد خان، مدینہ منورہ)

سوال ہمارے ایک عزیز کے ہاں ایک شخص کا انتقال ہوگیا، مرنے والے شخص کی والدہ اپنے شوہر کے منع کرنے کے باوجود جذبات کی وجہ سے اپنے بیٹے کی

(۱) ترمذی عن هشام، باب ماجاء فی دفن الشهداء

قبر پر گئیں، کیا یہ جائز ہے؟ (شریف اسلم، جدہ)

جواب قبرستان جانا مسنون عمل ہے کہ اس سے موت یاد آتی ہے، آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اور انسان آخرت کے لئے تیاری کرنے کے بارے میں سوچتا ہے کہ آخر مجھے بھی ایک دن اسی بستی میں آ کر رہنا ہے، سو میں نے اس زندگی کے لئے (جو عالم برزخ ہے) کیا تیاری کی ہے؟ خود سرکارِ دو عالم ﷺ کا معمول تھا کہ جنت البقیع تشریف لے جایا کرتے تھے اور صحابہ کرام ؓ کو بار بار موت یاد دلایا کرتے تھے، تاکہ دُنیا کی زندگی اور اس کی رنگینیاں فکر آخرت کو متاثر نہ کرسکیں، عارفین علماء نے تزکیہ نفس اور دل کی صفائی کے لئے جو اعمال ضروری قرار دیئے ہیں، ان میں ایک قبرستان کی حاضری بھی ہے، ہمیں بھی اس طرف توجہ دینی چاہئے اور اپنے دل کی صفائی کے لئے کبھی کبھار ضرور قبرستان جانا چاہئے۔

خواتین کے قبرستان جانے کے بارے میں علماء کے یہاں دو مشہور آراء ہیں، اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے کہ چوں کہ رسولِ کریم ﷺ نے عورتوں کو قبرستان جانے سے منع کیا ہے، جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہے اور بعض دوسری احادیث میں ان عورتوں پر لعنت بھیجی گئی ہے جو قبرستان جاتی ہیں اور قبروں پر چراغ جلاتی ہیں : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لعن الله زوارات القبور . (۱)

لہٰذا ان علماء کے نزدیک خواتین کے لئے قبرستان جانا جائز نہیں ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ عمر رسیدہ خواتین کے لئے جائز ہے، جوان عورتوں کے لے مکروہ ہے، چنانچہ مراقی الفلاح میں احناف کی رائے کی ترجمانی ان الفاظ میں کی گئی ہے :

وان كان للاعتبار والترحم والتبرك بزيارة قبور الصالحين من غير مايخالف الشرع فلاباس به اذا كن عجائز وكره ذلك للشابات كحضورهن في المساجد للجماعات . (۲)

اگر صالحین کی قبروں کی زیارت عبرت حاصل کرنے اور رحمت و برکت کی

---

(۱) تلخیص الحبیر ۱۳۷/۳، حدیث ۷۹۸

(۲) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ۲۶۲

دُعا کرنے کے لیئے ہو اور اس میں کوئی غیر شرعی عمل نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے جب کہ زیارت کرنے والیاں عمر رسیدہ ہوں، لیکن اگر وہ نوجوان ہیں تو ان کا قبرستان جانا ایسا ہی مکروہ ہے جیسا کہ ان کا مسجدوں میں جماعت کے لئے جانا مکروہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک مطلق زیارتِ قبور کی ممانعت نہیں، بلکہ بوڑھی عورتوں کے لئے زیارتِ قبور جائز ہے، اگر وہ خلافِ شریعت کوئی کام نہ کریں، البتہ جوان خواتین کے لئے دُرست نہیں، کہ اس میں فتنہ ہے۔

علماء کا دوسرا گروہ وہ ہے جو خواتین کو قبرستان جانے کی اجازت دیتا ہے، ان کے بارے میں ان کے ہاں جو دلائل ہیں، ان دلائل کی بناء پر ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم خواتین (مشروط طور پر) قبرستان جا سکتی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے ایک موقع پر قبرستان جانے کی پابندی ختم کر کے ارشاد فرمایا تھا: ''میں نے تم لوگوں کو قبرستان جانے سے منع کیا تھا (لیکن اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں) قبرستان جایا کرو کہ اس سے آخرت (اور موت) یاد آتی ہے۔'' اس حدیث میں قبرستان جانے کی اجازت عام ہے اور اس عام اجازت میں مرد، خواتین دونوں شامل ہیں۔

دوسری دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ ایک عورت اپنے بیٹے کی قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ ﷺ کا یہاں سے گذر ہوا تو اس عورت سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور صبر کرو(۱) —— اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا اپنے کسی قریبی عزیز کی قبر پر جانا جائز ہے، اگر یہ ناجائز ہوتا تو جہاں رسولِ کریم ﷺ اس عورت کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں، وہیں عورتوں کے قبرستان جانے کی ممانعت بھی فرما دیتے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر تشریف لے گئیں اور پوچھنے پر ارشاد فرمایا کہ رسولِ کریم ﷺ نے (عورتوں) کو قبرستان جانے سے منع کیا تھا، لیکن بعد میں اس کی اجازت دے دی تھی۔ قالت نعم کان ینھی عن

(۱) تلخیص الحبیر ۱۳۷/۱

زیارتها ثم أمر بزیارتها . (۱)

چوتھی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسولِ کریم ﷺ سے عرض کیا کہ جب میں قبرستان جاؤں تو (کون سی دُعا پڑھوں اور کیا کہوں؟ جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم یوں کہا کرو : السلام علیٰ اهل الدیار من المومنین و المسلمین و یرحم الله المستقدمین منکم ومنا المستأخرین وانا ان شاء الله بکم لاحقون . (۲)

امام النوویؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا کہ عورتوں کے لئے قبرستان جانے کے جواز پر اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے دلیل موجود ہے، جو اس کے جواز کے قائل ہیں : فیه دلیل لمن جوز للنساء زیارة القبور . (۳)

پانچویں دلیل یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے جس حدیث میں قبرستان جانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے، اس حدیث میں ''زوّارات'' کا لفظ ہے، جو کثرت سے بار بار قبرستان جانے کے لئے ہے، اگر کوئی عورت کبھی کبھار اپنے کسی عزیز کی قبر پر جائے تو یہ جائز ہے۔

عورتوں کے لئے قبرستان جانے کے جواز کے قائل علماء نے اس اجازت کو آدابِ شرعیہ کے ساتھ مشروط کردیا ہے، مثلاً یہ کہ جو عورت قبرستان جائے وہ موت اور آخرت کی فکر اور یاد کے لئے قبرستان جائے، قبرستان جانے والی عورت قبرستان کے تمام مردوں کے لئے دُعاءِ مغفرت کرے، قبرستان جانے والی عورت مکمل شرعی پردے میں قبرستان جائے، قبرستان کی حاضری بار بار کثرت سے نہ ہو بلکہ کبھی کبھار قبرستان جایا جائے۔ ان شرعی آداب کا خیال کرتے ہوئے کوئی بھی مسلم خاتون قبرستان جاسکتی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری شرح العسقلانی ۳/ نیز دیکھئے : حاشیہ خلیل احمد محدث سہارنپوری علی هامش الصحیح البخاری ۱۷۱/۱ ، باب زیارة القبور کتاب الجنائز ، ط : دیوبند

(۲) مسلم عن عائشةؓ ، فصل فی الذهاب الی زیارة القبور ، کتاب الجنائز

(۳) نووی علی مسلم ۳۱٤/۱ فصل فی الذهاب الی زیارة القبور قبیل کتاب الزکوة

مسنون طریقہ صرف دُعاءِ مغفرت ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ عورتوں کے لئے اپنے کسی عزیز کی قبر پر جانا اور آخرت و موت کو یاد کرنے کے لئے قبرستان جانا جائز ہے، اس کے علاوہ کسی دربار، خانقاہ، مزار پر جانا، عرس یا کسی میلے وغیرہ میں شرکت کے لئے جانا حرام ہے اور اسلام نے اس قسم کے حرام سفر سے مسلمان عورت کو منع کیا ہے، آپ کے جاننے والے جن صاحب کی اہلیہ اپنے بیٹے کی قبر پر گئی ہیں تو یہ گناہ نہیں ہے، اپنے بیٹے کی قبر پر جانا ماں کے لئے جائز ہے۔

اگرچہ مشروط طور پر علماء نے خواتین کو قبرستان جانے کی اجازت دی ہے، لیکن جہاں فتنوں کا اندیشہ ہو اور اس بات کا ڈر ہو کہ خواتین آدابِ شرعیہ کا لحاظ نہیں رکھیں گی تو اس صورت میں عورتوں کو قبرستان جانے سے منع کیا جا سکتا ہے۔ علامہ بدر الدین العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ نے عمدۃ القاری شرح البخاری میں اپنے زمانے اور حالات کے پیشِ نظر فرمایا تھا: ”عورتوں کے لئے قبرستان جانا جائز مگر مکروہ ہے، بلکہ آج کل ہمارے زمانے میں مصر میں عورتیں جس طرح سے قبرستان جاتی ہیں تو یہ حرام ہے اور عورتوں کو سختی سے قبرستان جانے سے منع کیا جائے۔“

امام ابن تیمیہؒ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ فتنے کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ عورتوں کو قبرستان جانے سے منع کیا جائے۔ بعض علماء نے ارشاد فرمایا کہ چوں کہ عورتیں عموماً شرعی آداب کا لحاظ بھی نہیں رکھتیں اور قبرستان جا کر رونا اور نوحہ و بین کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ لہٰذا عورتوں کو قبرستان جانے سے روکا جائے۔

میت کے ساتھ قرآن لے کر چلنا

سوال ہمارے گاؤں میں جب کوئی میت ہوتی ہے تو نمازِ جنازہ کے بعد لوگ میت کو اُٹھا کر چالیس قدم چلتے ہیں، میت کے آگے ایک آدمی قرآنِ پاک اُٹھا کر چلتا ہے، اس کے اوپر کچھ رقم بھی رکھتے ہیں جو بعد میں مولوی صاحب کو دے دیتے ہیں، کیا اسلام میں ایسا کرنا جائز ہے؟

(شیخ عبدالقدیر، بنی سعد)

جواب یہ رسم ناجائز اور سنگین بدعت ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

غیر مسلم کی میت میں شرکت

سوال کیا ایک مسلمان شخص غیر مسلم کی میت اور اس کی تدفین میں شامل ہو سکتا ہے؟

(محمد نظام الدین، مدینہ منورہ)

جواب مسلمان کے لئے غیر مسلم کی میت اور اس کی آخری رسومات میں شرکت جائز نہیں، کیوں کہ غیر مسلموں کے لئے استغفار اور ان کی قبروں کی زیارت سے منع کیا گیا۔

ولاتصل علی احد منهم مات ابداً ولا تقم علی قبره انهم کفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون. (توبہ ۸۴)

ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ ان کے جنازہ کی نماز ہرگز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک بدکار، بے طاعت رہے ہیں۔

تاخیر سے تعزیت

سوال اگر کسی عزیز کا انتقال ہو جائے اور وہ شخص موجود نہ ہو، سفر وغیرہ پر ہو تو کیا وہ واپس لوٹنے پر اس میت کے گھر والوں سے تعزیت کا اظہار کر سکتا ہے؟

(ندیم عمران، وادی الدواسر)

جواب جی ہاں! اگر کوئی شخص موجود نہیں اور کسی کے یہاں میت ہو جاتی ہے تو یہ غائب شخص واپس آ کر اہل خانہ سے تعزیت کا اظہار کر سکتا ہے۔(۱)

میت کے گھر کا کھانا

سوال کیا میت کے گھر کا کھانا گناہ ہے؟ بعض حضرات کا اصرار ہے کہ میت کے گھر میں تین دن کھانا حرام ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ دو سال قبل میرے والد کا انتقال ہو گیا، ہم لوگ گاؤں سے دور رہتے ہیں، ہم نے جنازے کا وقت دو بجے رکھا تھا، لوگ بہت دور سے آئے تھے، جس میں

---

(۱) وقتها من حین یموت الی ثلاثة ایام ویکره بعدها الا أن یکون المعزی غائبا، هندیة ۱/۱۶۷

عورتیں اور بچے بھی تھے، اگر ہم کھانے کا بندوبست نہ کرتے تو بچوں اور مہمانوں کا بھوک سے برا حال ہوتا، لہٰذا ہم نے جو کھانے کا نظم کیا وہ باعث گناہ تو نہیں تھا، یا جن لوگوں نے کھانا کھایا انھوں نے حرام تو نہیں کھایا؟

(سیف الرحمٰن، دمام)

جواب میت کے گھر کا کھانا حرام نہیں، البتہ جس گھر میں کسی کا انتقال ہو جائے تو یہ بالکل فطری بات ہے کہ گھر والے اس غم میں کھانے پکانے کا اہتمام نہ کر سکیں گے، اس لئے حسن اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ میت کے پڑوسی و ہمسایہ اور دوسرے رشتہ دار کھانا پکا کر میت کے گھر بھیجیں، نیز اس موقع پر اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ لوگ کھانا کھالیں، کیوں کہ ایسی غم کی حالت میں کھانے پینے کا خیال بھی نہیں رہتا۔ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے فرمایا تھا کہ جعفر کے اہل و عیال کے لئے کھانا تیار کرو، کیوں کہ انھیں ایک ایسا حادثہ پیش آیا ہے جو انھیں کھانے پکانے سے باز رکھے گا۔ اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء هم أمر يشغلهم . (۱)

چنانچہ اس روایت کی بناء پر علماء نے ایک دن ایک رات اور بعض نے تین دن میت کے گھر والوں کے پڑوسی کا میت کے گھر والوں کے پاس کھانا پکا کر بھیجنا مستحب قرار دیا ہے۔ یہ حکم استحبابی ہے، اگر میت کے گھر والے خود اس کا انتظام کرلیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ المغنی میں ہے:

وان دعت الحاجة الى ذلك جاز فانه ربما جاء هم من يحضر ميتهم من القرى والاماكين البعيدة ويبيت عندهم ولا يمكنهم الا أن يضيفوه . (۲)

اگر اہل میت کو خود بنانا پڑ جائے تو جائز ہے، اس لئے کہ ان کے رشتہ دار بسا اوقات دیہات اور دُور دراز مقامات سے آتے ہیں اور ان کے یہاں رات

(۱) تلخيص الحبير ۱۳۸/۲ ، حديث ۸۰۰

(۲) المغنی ۲۱۵/۲

گذارتے ہیں، ایسی صورت میں ان کے لئے ضیافت کے سوا کوئی صورت بھی نہیں رہتی ہے۔ نیز ایسے موقع پر تعزیت وغیرہ کے لئے میت کے گھر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ حتی الامکان جلد واپس ہوجائے اور میت کے گھر والوں کو ضیافت ومہمان نوازی کی مشقت میں نہ ڈالے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو اس کی تدفین میں جلدی کرنا چاہئے، نمازِ جنازہ کا وقت مقرر کرنا، دُور دراز لوگوں تک خبر پہنچانا، پھر ان کے آنے کا انتظار کرنا مناسب نہیں، حتی الامکان اس معاملے میں جلدی کرنا چاہئے، یہی بات رسول کریم ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتی ہے۔

تعزیت کے وقت دُعا

سوال تعزیت کے وقت ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا کیسا ہے؟

جواب تعزیت کے وقت تسلی بھرے جملے اور خصوصاً وہ جملے جو رسولِ کریم ﷺ سے ثابت ہوں کہنے چاہئے، میت کے لئے دُعاءِ مغفرت بھی کی جاسکتی ہے (۱) —— جس کے لئے کوئی دُعا مخصوص نہیں ہے، لیکن باقاعدہ اہتمام سے ہاتھ اُٹھا کر بار بار دُعا کرنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اسی لئے بعض علماء نے اسے بدعت کہا ہے۔

حیلۂ اسقاط سنگین بدعت ہے

سوال ہمارے گاؤں میں میت کے ساتھ قرآن مجید کے نیچے پیسے رکھ کر دائرہ بنا کر حیلۂ اسقاط کرتے ہیں، یہ کام شریعتِ محمدی ﷺ کی رو سے دُرست ہے یا نہیں؟

(شیر محمد، پانی)

جواب کسی کے مرنے کے بعد میت کے گناہوں کو ختم کرنے کے لئے کفارہ کے طور پر حیلۂ اسقاط کے نام سے جو رسم انجام دی جاتی ہے، وہ سنگین بدعت ہے، دین وشریعت کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور یہ تصور نہایت جاہلانہ ہے کہ اس طرح کرنے سے مرنے والا گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ کسی کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے

---

(۱) یستحب أن یقال لصاحب التعزیة: غفر اللہ تعالی لمیتك. هندیة ۱۶۷/۱

مغفرت کی دُعا کی جائے اور بلا کسی رسم و رواج کے استطاعت ہو تو صدقہ و خیرات کیا جائے۔

اس مسئلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر میت نے مال چھوڑا ہو اور وصیت کر رکھی ہو کہ میری نماز، روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کر دیا جائے، تو مالِ متروکہ کے ایک تہائی سے فدیہ دینا واجب ہے اور اگر میت نے وصیت نہ کی ہو یا مال نہ چھوڑا ہو تو وارثوں کے اُوپر فدیہ دینا واجب نہیں ہے، اگر خود ادا کر دیں تو یہ تبرع اور احسان ہوگا، اس لئے اگر وارثوں سے ہو سکے تو فدیہ دے دیں، ورنہ اس طرح کے غیر شرعی حیلوں کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، متوفی کے لئے استغفار کریں۔

جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا

سوال کیا جنازے کو دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہونا چاہئے؟ اس بارے میں قرآن و سنت نے کیا موقف اختیار کیا ہے؟ (عبدالمقتدر، ع ع)

جواب جنازے کو دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے کہ "آج وہ کل ہماری باری ہے"، ایک دن ہمیں بھی اسی طرح لوگ اپنے کندھوں پر اُٹھا کر قبرستان لے جائیں گے اور منوں مٹی تلے دفن کر دیں گے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث روایت کی ہے، جو صحیح مسلم میں ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الموت فزع فاذا رأيتم الجنازة فقوموا . (۱)

بے شک موت ایک گھبرا دینے والی چیز ہے، جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔

علماء نے کہا کہ یہ حکم واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے۔ (۲)

میت کا آخری دیدار

سوال میت کا آخری دیدار کرنا کس کس کو جائز ہے، چاہے میت عورت ہو یا مرد، لڑکا ہو یا لڑکی؟ ہمارے علاقے میں اس سلسلے میں اختلاف ہے، کہیں میت

(۱) مسلم، کتاب الجنائز ۳۱۰/۱، فصل فی استحباب القیام للجنازة و جواز القعود

(۲) دیکھئے: شرح النووی علی هامش الصحیح المسلم ۳۱۰/۱ فصل فی استحباب القیام الخ

پر حاضر ہونے والے سبھی لوگوں کو دیدار کرنے کی اجازت ہوتی ہے اور کہیں اس کو ناپسند کیا جاتا ہے، بلکہ اگر عورت یا جوان لڑکی کی میت ہو تو صرف ان لوگوں کو دیدار کی اجازت دی جاتی ہے جن سے وہ زندگی میں پردہ نہیں کرتی تھی، اس ضمن میں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ (شاہ نواز حسین، شیخ الصناعیہ)

جواب اگر کوئی میت کا دیدار کرنا ہی چاہے تو اس کے لئے جائز ہے جس سے شرعاً پردہ نہ ہو، یعنی غیر محرم عورتوں کا دیکھنا جس طرح زندگی میں جائز نہیں، اسی طرح غیر محرم کی میت کو دیکھنا یعنی اس کے چہرے کا دیدار کرنا بھی جائز نہیں۔

سوگ منانا

سوال کسی کے مرنے پر اہل خانہ کو سوگ میں کتنے دن گذارنے چاہئے اور دوسرے رشتہ داروں کو کتنے دن سوگ کی اجازت ہے؟ (جمیل اختر، فل العماص)

جواب کسی شخص کے انتقال پر اس کے اہل خانہ یا رشتہ داروں میں سے کسی کو بھی تین دن سے زیادہ غم منانے اور سوگ میں رہنے کی اجازت نہیں، سوائے بیوی کے، کہ اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو تو اس کے لئے شرعاً ضروری ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت میں گذارے یعنی سوگ میں رہے اور زیب و زینت کو ترک کر دے، اس مدت میں اس کی شادی بھی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی، بلکہ عدت گذرنے تک صراحتاً اس کو پیغام نکاح دینے سے بھی شریعت نے روکا ہے۔ (۱)

شوہر کا انتقال اور نماز

سوال میرے بعض دوستوں کا کہنا ہے کہ جس دن شوہر کا انتقال ہو جائے یا جس دن طلاق واقع ہو، اس دن عورت نماز نہیں پڑھ سکتی، کیا یہ صحیح ہے؟ شرعی طور پر رہنمائی فرمائیں۔ (محمد صادق، ہبہ)

جواب یہ خیال صحیح نہیں، شوہر کا انتقال ہونے یا اس کی طرف سے طلاق واقع ہونے کی وجہ سے اس دن بیوی سے نماز معاف نہیں ہوتی، عورتوں پر نماز صرف ناپاکی کے ایام میں معاف

---

(۱) البقرة ۲۳۵

ہے، باقی تمام دنوں میں وہ نمازیں ادا کریں گی ورنہ گنہگار ہوں گی۔

مرحوم بیوی کا چہرہ دیکھنا

سوال آپ نے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے بارے میں فرمایا کہ قرآن خوانی، زیارت، دسواں، بیسواں، چہلم، برسی وغیرہ کوئی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے، پھر کیوں اس کا رواج پڑ گیا؟ نیز بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر مرحوم بیوی کے چہرہ کو کیوں نہیں دیکھ سکتا، اکثر لوگ ایسا کہتے ہیں، آخر اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ (علی ظہیر، ریاض)

جواب شرعی اُمور اور دینی مسائل کی بابت یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ فلاں مسئلے کا حکم کیا ہے؟ اس کے بارے میں علماء و فقہاء کی رائے کیا ہے؟ لیکن کسی بھی مسئلے کے بارے میں یہ سوال کرنا کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ سوال نامناسب اور فضول ہے، کیوں کہ نہ تو ہر شرعی مسئلے اور دینی معاملے کی حکمت بیان کی جاتی ہے اور نہ ہی ان باتوں کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، علمی بحثیں، فقہی اصطلاحات اور دوسرے کئی اُمور ایسے ہیں، اگر ان کی حکمتوں وغیرہ کو بیان کر بھی دیا جائے تب بھی عام آدمی انھیں سمجھ نہیں سکتا، اگر ہر مسئلے کی بابت کیوں کا سوال ذہن میں بٹھا لیا جائے تو یہ آگے چل کر خود آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن جائے گا، آپ جس موضوع کی وجہ سے ذہنی اُلجھن میں مبتلا ہیں، اس موضوع پر ایک سے زائد بار تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، جو سمجھنے کے لئے کافی ہے، اگر آپ جوابی لفافہ ارسال کریں تو ان تمام جوابات کی فوٹو کاپی ارسال کی جا سکتی ہے۔

انتقال کے بعد مرحوم بیوی کو غسل دینے اور اس کا چہرہ دیکھنے کے سلسلے میں امام الشوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں جمہور علماء کی یہ رائے نقل کی ہے کہ انتقال کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتے ہیں، غسل بھی دے سکتے ہیں اور کفنا کر قبر میں اُتار بھی سکتے ہیں، کہ ایسا کرنا خود سیدنا ابو بکرؓ اور ان کی اہلیہؓ، سیدنا علیؓ اور ان کی اہلیہؓ سے ثابت ہے (۱) جیسا کہ دار قطنی اور بیہقی میں ہے اور مسند احمد اور ابن ماجہ میں خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے اُم

---

(۱) نیل الاوطار ۲۷/٤

المومنین سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرگئیں تو علی تمہیں غسل بھی دوں گا اور کفن بھی پہناؤں گا۔ لومت قبلي فقمت عليك فغسلتك و كفنتك وصليت عليك و دفنتك (۱) — سیدنا علی ﷺ نے خود اپنی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا، جب کہ سیدنا ابوبکر ﷺ کو ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا، سیدنا ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے اپنی بیوی کو غسل دیا اور جابر بن زید ﷺ نے وصیت کی کہ ان کو ان کی بیوی غسل دے۔

پھر اس پر تمام کا اتفاق ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ وقتِ ضرورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا شوہر بیوی کو اس کے انتقال کے بعد غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی'' میں حنابلہ نے امام احمدؒ سے دو روایتیں نقل کی ہیں، فرمایا: اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو اس کے انتقال کے بعد غسل دے سکتی ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آیا شوہر اپنی بیوی کے انتقال کے بعد اسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام احمدؒ کی ایک رائے جمہور کی رائے کے ساتھ ہے کہ شوہر بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے، چہرہ بھی دیکھ سکتا ہے، لیکن امام احمدؒ کی دوسری رائے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق ہے کہ شوہر اور بیوی کا رشتہ نکاح بیوی کے مرنے پر ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو غسل نہ دے، البتہ حنابلہ کا کہنا ہے کہ اگر اس کی ضرورت ہو کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل دے تو ایسا کرنا جائز ہے، احناف کا مسلک جیسا کہ مشہور کتبِ احناف میں مذکور ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی اپنے شوہر کا چہرہ بھی دیکھ سکتی ہے اور اسے غسل وکفن بھی دے سکتی ہے، لیکن شوہر کے لئے بیوی کے انتقال کے بعد اسے غسل دینا جائز نہیں، چہرہ دیکھنا جائز ہے (۲) — اس میں شبہ نہیں کہ احناف کی رائے زیادہ احتیاط پر مبنی ہے اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کی موت کے بعد جب تک عورت عدت کی

---

(۱) نيل الاوطار ۲۷/۳ ، باب ماجاء في غسل أحدالزوجين الخ ، ابن ماجه عن عائشة ، باب ماجاء في غسل الرجل امراته وغسل امراة زوجها ، أبواب الجنائز

(۲) المغنی ۲۰۱/۲

حالت میں رہے، ایک گونہ نکاح باقی رہتا ہے، بخلاف بیوی کے، کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔

چالیس دنوں تک مردہ کے لئے دُعا

سوال ہمارے یہاں کسی کے مرنے پر لوگ چالیس دن تک میت کے لئے دُعا کرتے رہتے ہیں، محفل میں سوگ کے ساتھ ساتھ جب کوئی آدمی دُعا کے لئے کہتا ہے تو کچھ لوگ سگریٹ یا حقہ پی رہے ہوتے ہیں، سگریٹ زمین پر رکھ کر دُعا کر دیتے ہیں، کیا یہ دونوں کام ایک ساتھ جائز ہیں؟

(محمد عرفان، ریاض)

جواب مرنے والے کی تعزیت اور سوگ صرف تین دن تک کی جاسکتی ہے کہ یہ مسنون عمل ہے، تعزیت کے لئے مستقل بیٹھنا اور اس کا اہتمام کرنا کسی بھی صحیح حدیث یا آثارِ سلف سے ثابت نہیں ہے، اگر بالفرض ایسے موقع پر کچھ لوگ جمع ہوں تو انھیں چاہئے کہ وہ ادب سے بیٹھیں، آخرت اور قبر کی باتیں کریں اور خلافِ شرع کاموں سے اجتناب کریں۔

مردہ کی فلم دیکھنا

سوال جو آدمی اس دُنیا سے سفر کر جاتا ہے، کیا اس کی موت کے بعد اس کی فلم دیکھنا یا اس کی برائی بیان کرنا جائز ہے؟ نیز بلا وجہ مرنے والے کی تعریف کرنا کیسا ہے؟

(چنگیز اقبال ثاقب، بدہ)

جواب بحیثیت مسلمان ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے مردوں یعنی مسلمانوں کے وہ لوگ جو انتقال کر جائیں، ان کے بارے میں اچھائی والی بات ہی کہنی چاہئے اور ان کا ذکر اچھے جملوں سے کیا جانا چاہئے، رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

لاتسبوا الأموات فانهم قد افضوا (۱)

مردوں کو برا بھلا مت کہو، اس لئے کہ وہ وہاں چلے گئے ہیں، جہاں اپنے اعمال (کا بدلہ) پا رہے ہیں۔

---

(۱) بخاری ۱۸۷/۱ عن عائشۃ، باب ماینهی عن سب الاموات قبيل كتاب الزكاة

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے: عن انس بن مالك يقول مروا بجنازة فأثنوا عليها خيرا فقال النبي صلى الله عليه وسلم وجبت ثم مروا بأخرى فأثنوا عليها فقال النبي صلى الله عليه وسلم وجبت ...... انتم شهداء الله في الأرض . (۱)

رسول کریم ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا تو بعض لوگوں نے اس میت کے بارے میں اچھے الفاظ کہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا، واجب ہوگئی (جنت واجب ہوگئی یا جو خیر کے کلمات کہے گئے وہ واجب ہوگئے) پھر ایک دوسرا جنازہ گذرا، بعض لوگوں نے اس میت کے بارے میں غیر مناسب جملے کہے، اس پر بھی یہی ارشاد فرمایا کہ واجب ہوگئی، پھر ارشاد فرمایا: تم لوگ ایک دوسرے پر گواہ ہو۔

کسی عام مسلمان کے بارے میں تو عموماً لوگ اچھے دُعائیہ جملے ہی ادا کرتے ہیں، لیکن عادی مجرموں، شرپسندوں اور دوسرے بڑے بڑے مجرموں کے بارے میں سوائے بددُعاؤں اور برا بھلا کہنے کے اور کچھ نہیں کہا جاتا ہے۔

پھر آپ اس بات کو نہ بھولیں کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اپنی زندگی میں ایسے نیک اور اچھے کام کر جاتے ہیں (صدقہ جاریہ وغیرہ) کہ ان کے مرنے کے بعد بھی نیکی کا یہ پودا پھلتا پھولتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اس شخص کو برابر ثواب ملتا رہتا ہے، جب کہ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی زندگی میں برائی، گناہ، نافرمانی، بغاوت اور سرکشی کا کام کرتے رہتے ہیں اور پھر یہ لوگ ان مختلف قسم کی برائیوں کی ایسی نشو ونما کرتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان کی یہ برائی اور یہ گناہ زندہ رہتا ہے اور پھلتا پھولتا ہے اور جتنے لوگ بھی ان گناہوں میں شرکت کرتے ہیں، ان سب کے گناہوں کے برابر گناہ اس مرنے والے کو بھی ملتا رہتا ہے۔ علماء نے فرمایا: خوش نصیب ہے وہ آدمی جو خود تو مر جائے لیکن اس کا لگایا ہوا نیکی کا پودا باقی رہے اور پھلتا رہے اور ظالم و بیوقوف ہے وہ آدمی جو خود تو مر جائے لیکن اپنے پیچھے کئی زندہ گناہ چھوڑ جائے اور یہ گناہ پھلتے پھولتے رہیں، وہ لوگ خود تو مر جاتے ہیں لیکن ان کے ناجائز قسم کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ موجود رہتے ہیں، اس دوسری قسم کے بدنصیب اور برے

(۱) بخاری، ۱۸۳/۱ عن انسؓ، باب ثناء الناس على الميت، كتاب الجنائز .

لوگوں میں شامل ہیں ۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بات سمجھاتے ہوئے تنبیہ کرکے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں کے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو بھی محفوظ رکھتے ہیں اور جو کچھ یہ لوگ پیچھے چھوڑ کر آتے ہیں ان کو بھی محفوظ رکھتے ہیں ۔(۱)

شہداء کی اقسام

سوال اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے لڑتے ہوئے ، یعنی کفار سے جہاد کرتے ہوئے مرنے والا شہید ہے ، لیکن اس کے علاوہ کیا کوئی دوسرا بھی شہید ہے ؟ مثلاً اگر کوئی اپنی عزت وآبرو یا مال بچاتے ہوئے شہید ہو جائے یا وہ پولیس اور فوجی جو مسلمان ملک کے اندرونی و بیرونی امن و امان اور سرحدوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں ، یہ بھی اگر مارے گئے تو کیا یہ سب شہید کہلائیں گے ؟

جواب مرتبہ شہادت بہت بلند ہے ، میدانِ جہاد میں ، کفار ومشرکین اور منافقین سے لڑکر مرنے والا تو شہید ہے ہی ، لیکن اس کے علاوہ بعض دوسرے لوگ بھی شہید کہلاتے ہیں ، جو ایسی حالت میں مرجائیں جن کا ذکر بعض احادیث میں ہے ، مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ : شہیدوں کے سردار حمزہ (رضی اللہ عنہ) ہیں ۔ (یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب ہیں) اور وہ جو کسی حکمران کو برائی سے روکے اور نیکی کی تلقین کرے اور یہ حکمران اس نصیحت کرنے والے کو قتل کردے یا قتل کروادے تو یہ بھی شہید کے حکم میں ہے (۲) ——

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کے راستہ میں لڑتے ہوئے مر کر شہید ہو جانے کے علاوہ سات قسم کے اور بھی شہید ہیں :

'' طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے ، غرق ہو کر مرنے والا شہید ہے ، نمونیا کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے ، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے ، آگ میں جل کر مرنے والا شہید ہے ، کسی مکان ، دیوار ، پہاڑی ، تودہ یا کوئی بڑے پتھر وغیرہ کے گرنے سے

---

(۱) یٰسین ۱۲

(۲) الجامع الصغیر ۶۳۱/۲

دب کر مر جانے والا شہید ہے، اسی طرح جو عورت زچگی کے ایام میں مخصوص درد میں انتقال کر جائے تو وہ بھی شہید ہے۔“(۱)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو شہداء کی تعداد کی بابت ایک رسالہ مرتب فرمایا ہے جس میں انھوں نے شہداء کی کل تعداد تیس لکھی ہے(۲) —— ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مال کو بچاتے ہوئے مرا وہ بھی شہید ہے۔ من قتل دون ماله فهو شهيد . (۳)

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے جو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتے ہوئے یا ان کی آبرو بچاتے ہوئے مرا وہ بھی شہید ہے۔ ایک حدیث میں شہید کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص اپنے کسی جائز حق کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے۔(۴)

اللہ کے یہاں شہید کا کیسے اکرام کیا جاتا ہے اور اسے کتنا نوازا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ذرا یہ حدیث پاک پڑھئے اور تمناءِ شہادت لئے ہوئے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی موت مانگئے۔ شہید کے لئے سات طرح کا اعزاز و اکرام اور اچھا بدلہ ہے :

۱) خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے حقوق العباد کے، کہ وہ معاف نہیں ہوتے ۲) اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھادیا جاتا ہے ۳) ایمان والا لباس وزیور پہنایا جاتا ہے ۴) حوروں کے ساتھ اس کی شادی کردی جاتی ہے ۵) عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا ۶) قیامت کے دن کی ہولناکی سے بھی محفوظ رہے گا ۷) اس پر یاقوت کا تاج رکھا جائے گا اور یہ اپنے خاندان کے ستر افراد کی بخشش کے لئے سفارش و

(۱) ابو داؤد عن سعيد بن زيد ، باب فى قتال المؤمن ، نیز ملاحظہ ہو : مسلم ۲/ ۱٤۲ باب بيان الشهداء كتاب الامارة . ابن ماجه ۲/ ۲۰۱ باب مايرجى فيه الشهاده ، كتاب الجهاد

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو : انجاح الحاجة بهامش ابن ماجه ص ۲۰۱ باب مايرجى فيه الشهادة كتاب الجهاد

(۳) سنن ابن ماجة ص ۱۸۵ عن عبدالله بن عمر ، باب من قتل دون ماله ، كتاب الحدود ط : ديوبند

(۴) انجاح الحاجة بهامش ابن ماجة ص ۲۰۱ باب ماجاء فيه الشهادة كتاب الجهاد ط : ديوبند

شفاعت کرے گا۔(۱)

اب آخر میں خوش خبری و بشارت والی ایک اور حدیث بھی پڑھ لیجئے: صحیح مسلم اور سنن اربعہ کی کتب میں یہ حدیث موجود ہے، رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من سأل الله الشهادة بصدق بلغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه . (۲)

جو شخص صدق دل سے شہادت کی موت کی تمنا و دُعا کرتا ہے، اگر یہ اپنے بستر پر طبعی موت مرجائے تب بھی اللہ تعالیٰ اسے (صدقِ نیت کی وجہ سے) شہید کا اجر (اور رُتبہ) عطا فرمائیں گے۔

درد زہ میں مرنے والی عورت شہیدہ ہے

سوال کیا درد زہ میں مرنے والی عورت یا بچہ کی ولادت کے درد سے بعد میں مرنے والی عورت شہیدہ ہے؟ (شازیہ قدوائی، جدہ)

جواب رسولِ اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں شہید ہونے والے لوگوں کی قسمیں گنوائی ہیں، ان میں ایک وہ عورت بھی ہے، جو درد زہ کی وجہ سے مرجاتی ہے، یہ عورت واقعی شہیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لئے بڑا اجر وثواب ہے، جیسا کہ حدیثِ مبارک میں ہے، جسے امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں اور امام نسائی، امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام بیہقیؒ اور امام مالکؒ نے اپنی اپنی کتبِ حدیث میں روایت کیا ہے۔(۳)

---

(۱) ابن ماجه ص ۲۰۱ عن مقدام بن معديكرب ، باب فضل الشهادة في سبيل الله كتاب الجهاد ترمذى ۲۹۵/۱ ، ط : ديوبند قبيل ابواب الجهاد

(۲) مسلم ۱٤۱/۲ عن سهل بن حنيف ، استحباب طلب الشهادة في سبيل الله تعالى ، كتاب الأمارة

(۳) مسلم عن ابی هريرةؓ ، باب بيان الشهداء ، كتاب الامارة ، سنن النسائي ۲ /۵۱ عن عقبه بن عامر ، باب مسئلة الشهادة ، كتاب الجهاد

ایک شہیدِ راہِ حق

سوال ایک شخص اپنے علاقہ کے لوگوں کو شرک و کفر سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر منت و نذر نہ مانو، لوگ اس کی بات سننے کے بجائے اسے قتل کر دیتے ہیں، کیا یہ مقتول شہید ہے؟ (لطیف درعیۃ، ریاض)

جواب طارق بن شہاب ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور دوسرا آدمی مکھی کی وجہ سے جہنم میں گیا، صحابہ ﷺ نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ کیسے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں ایک جگہ پہنچے، جہاں لوگ بتوں کو پوجتے تھے، لوگوں نے ان دونوں سے کہا کہ ہم یہاں کسی بھی شخص کو اُس وقت تک گذرنے نہیں دیتے جب تک وہ ہمارے ان بتوں کے لئے کوئی چڑھاوا پیش نہ کرے، ان دونوں نے کہا کہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، لوگوں نے کہا: مکھی ہی مار کر چڑھاوا چڑھادو اور جان بچالو، ان دونوں میں سے ایک نے مکھی کو چڑھاوے کے طور پر پیش کیا اور لوگوں نے اس کی جان چھوڑ دی اور یہ شخص (غیر اللہ کے نام پر چڑھاوا چڑھانے کے گناہ کی وجہ سے) جہنم میں جانے والوں میں سے ہوگیا، دوسرے شخص نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر کچھ بھی پیش نہیں کرتا، لوگوں نے اسے قتل کر دیا (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔(۱)

قاتل اور مقتول کا شرعی حکم

سوال قتل کرنے والے کے لئے کیا سزا ہے؟ کیا وہ بخشا جائے گا یا جہنم میں جائے گا؟ اگر وہ جہنم میں جائے گا تو لوگ اور اس کے رشتہ دار اس کے لئے مغفرت کی دُعائیں کیوں کرتے ہیں؟ بعض لوگ تو قتل ہونے والے کو شہید کا درجہ دے دیتے ہیں، کچھ عرصہ قبل ہمارے ایک رشتہ دار قتل ہوگئے تھے، ان کے قتل کے بعد مقامی لوگوں نے انھیں شہید کا درجہ دے دیا، جب کہ کچھ عرصہ بعد ان کے بیٹے نے باپ کا بدلہ لینے کے لئے چھ آدمیوں کو قتل کر دیا،

---

(۱) رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد ۱۶/۱۰، والامام ابو نعیم فی الحلیۃ ۲۰۳/۱

جن میں سے پانچ آدمی اس کے باپ کے قتل میں ملوث تھے اور چھٹا آدمی راہگیر تھا، کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا ہر مقتول شہید ہوتا ہے؟ میں جس کا ذکر کر رہا ہوں شاید ہی زندگی میں انھوں نے کوئی اچھا کام کیا ہو؟ کیا تب بھی ایسے مقتول کو شہید کہیں گے؟ (رؤف احمد، جدہ)

جواب کسی مؤمن کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی دوسرے مؤمن بھائی کو عمداً قتل کرے گا، ناحق کسی مسلمان کا خون بہانا بہت بڑا گناہ ہے، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : ''اور جو کوئی کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ (طویل عرصہ تک) رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' غلطی سے کسی مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں بھی شریعت نے دیت (مالی تاوان) اور غلام آزاد کرنے یا غلام نہ ہونے کی صورت میں مسلسل ساٹھ روزے رکھنے کی سزا مقرر کی ہے، جس کی تفصیلات کتب حدیث وفقہ میں مذکور ہیں، صرف تین صورتوں میں کسی انسان کے قتل کو شرعاً جائز رکھا گیا ہے، ایک تو یہ کہ کوئی مسلمان مرتد ہو جائے اور وہ دین اسلام سے پھر جائے تو رِدّ کی سزا قتل ہے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص کسی انسان کو ناحق قتل کر دے تو قاتل کی سزا قصاصاً قتل ہے، الا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں اور مالی تاوان وصول کرنے پر راضی ہو جائیں، تیسرے یہ کہ کوئی شادی شدہ (مرد یا عورت) زنا کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا رجم یعنی انھیں سنگسار کر دینا ہے۔ ان صورتوں میں بھی انفرادی طور پر کسی کو ان سزاؤں کے نفاذ کا اختیار نہیں، مثلاً مقتول کے ورثاء کے لئے جائز نہیں کہ وہ قصاصاً قاتل کو قتل کر دیں، بلکہ اس کا اختیار اسلامی حکومت میں حاکم وقت اور خلیفۃ المسلمین کو ہے کہ وہ جرم ثابت ہونے کے بعد سزا کا نفاذ کرے۔

قاتل اگر مسلمان ہے اور حالتِ اسلام پر اس کا انتقال ہوا ہے تو اس کے لئے دُعائے مغفرت کی جاسکتی ہے، کیوں کہ کفر وشرک کے سوا ہر گناہ قابل معافی ہے، جیسا کہ سورۃ النساء ۱۱۶/۴۸ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا، اس کے سوا جس کو چاہے معاف،

فرمادے، لہٰذا قاتل اپنے گناہوں کی سزا پانے کے لئے جہنم میں داخل ہو تو بہر حال ایک نہ ایک دن ضرور جنت میں داخل ہوگا اور پھر ہمیشہ جنت میں رہے گا، قتل کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کی معافی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ صاحبِ حق سے حق معاف کرالیا جائے اور قاتل جس شخص کو قتل کر کے ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوا ہے وہ اب اس دُنیا میں نہیں کہ اس سے معافی مانگی جاسکے، اس لحاظ سے بھی ناحق کسی کا قتل بڑا سنگین جرم ہے، ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ کثرت سے توبہ، استغفار کے ساتھ مقتول کے حق میں دُعائے مغفرت کرتا رہے اور مقتول کے ورثاء سے معافی مانگے۔

جہاں تک مقتول کا معاملہ ہے تو ہر مقتول شہید نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہوتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں مذکور ہے، مثلاً دو شخص آپس میں ناحق قتال کریں، ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کردے تو دوسرا (جو مقتول ہے) چوں کہ اپنے ساتھی کے قتل کے درپے تھا، لہٰذا اپنی نیت اور عزم و ارادہ کے لحاظ سے وہ بھی قاتل ہی کے حکم میں ہے، اگر اسے موقع ملتا تو وہ ضرور اپنے مقابل کو قتل کردیتا، القاتل و المقتول کلاھما فی النار، پھر کیوں نہ اسے قتل کی سزا ملے؟ اسی طرح کبھی قاتل و مقتول دونوں جنتی ہوتے ہیں، اس کا ذکر بھی حدیثِ رسول ﷺ میں موجود ہے، مثلاً ایک شخص اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہا ہو اور کسی کافر کے ہاتھ سے شہید ہو جائے پھر وہ قاتل بھی کفر سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائے اور اللہ کے راستہ میں لڑ کر شہید ہو جائے۔ (متفق علیہ)

شہید اس مسلمان کو کہتے ہیں جو ظلماً قتل کردیا جائے، کسی جنگ میں قتل ہو یا کوئی چور، ڈاکو یا ظالم و باغی شخص اس کو راستہ یا گھر میں قتل کردے، کامل درجہ کا شہید تو وہ ہے جو اللہ کے راستہ میں، اللہ کے دین کو سربلند کرنے کی کوششوں میں اپنی متاعِ عزیز، قیمتی جان کو قربان کردے اور کسی کافر کے ہاتھ قتل کردیا جائے، ایسے شہید کی قرآن و حدیث میں بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حقوق العباد کے سوا شہید کے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، شہداء پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات ہوں گے اور وہ جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے۔

اس کے سوا بعض اور لوگوں کو بھی احادیث میں شہید قرار دیا گیا ہے، یعنی وہ بھی شہادت کے مرتبہ پر ہوں گے اور اس کا ثواب و اجر پائیں گے، ان میں درج ذیل لوگ شامل ہیں :

۱) وہ جو اللہ کے راستہ میں، یعنی جہاد میں طبعی موت مر جائیں ۲) وہ شخص جس کا انتقال طاعون کی وبا سے ہو ۳) وہ جو پیٹ کے درد اور تکلیف و بیماری سے انتقال کر جائے (۱) ۴) پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے جس کا انتقال ہو ۵) دیوار یا مکان وغیرہ کے گرنے اور اس کے نیچے دب کر مرنے والا ۶) نمونیہ کی بیماری میں مرنے والا ۷) وہ عورت جو ولادت کے درد سے انتقال کر جائے ۸) آگ میں جلنے کی وجہ سے جو مر جائے ۹) جان و مال، عزت و آبرو یا اپنے اہل و عیال کی طرف سے مدافعت کرتے ہوئے جو جان دے دے ۱۰) جسے سانپ کاٹے یا درندے کا شکار ہو جانے کی وجہ سے مر جائے ۱۱) جو اسلامی سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مر جائے اور ۱۲) مسافر کی موت بھی شہادت ہے۔ (۲)

تمام شہداء درجہ و مرتبہ اور اجر و ثواب کے لحاظ سے برابر ہوں، یہ ضروری نہیں بلکہ ایمان و اخلاص اور عمل صالح کی وجہ سے ان کے درمیان فرق بھی ممکن ہے، جیسا کہ ترمذی کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے : '' شہید چار طرح کے ہوتے ہیں : ایک وہ شخص جو کامل الایمان مسلمان تھا اور بہادر و طاقتور بھی، جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اللہ کے راستہ میں ثابت قدم رہا، ثواب کی خاطر صبر و استقامت کی راہ اختیار کی، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا، یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ سر اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے، دوسرا وہ شخص جو کامل الایمان تو تھا لیکن جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا نظر آنے لگا جیسے اس کے بدن میں خاردار درخت کے کانٹے ہوں، پھر ایک نامعلوم تیر اس کو آکر لگا، جس سے وہ جاں بحق ہو گیا (یہ دوسرے درجہ کا شہید ہے) تیسرا وہ شخص جو ایسا مؤمن تھا جس نے کچھ اچھے اور کچھ برے اعمال کئے

---

(۱) مسلم ۱۴۲/۲ عن ابی هريرةؓ، باب بيان الشهداء، كتاب الامارة

(۲) فتح البارى شرح صحيح البخارى ۵۴/۶ ط : كراچى، پاكستان

تھے، جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو وہ صبر اور طلبِ ثواب کی خاطر ثابت قدم رہا اور لڑتے لڑتے مارا گیا، یہ تیسرے درجہ کا شہید ہے، چوتھا وہ شخص جو مسلمان و مؤمن ہے مگر اس نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے، یعنی اس نے بہت زیادہ گناہ کئے تھے، جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو ثابت قدم رہ کر لڑتے ہوئے مارا گیا، یہ چوتھے درجہ کا شہید ہے۔(۱)

بعض لوگ صرف ظاہری اور دُنیاوی لحاظ سے شہید ہوتے ہیں، عنداللہ وہ شہادت کے مقام و مرتبہ پر فائز نہیں ہوتے جیسے کوئی منافق (کسی غرض و مصلحت سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے) مسلمانوں کی صف میں جہاد کرتا ہوا مارا جائے یا وہ مسلمان جو ریاکاری یعنی شہرت اور نام و نمود کی خاطر جہاد میں حصہ لے اور کافر و مشرک کے ہاتھوں مارا جائے، ایسے لوگوں کو اگر دُنیا شہید کے لقب سے نوازے تو بھی ظاہر ہے وہ اللہ کے یہاں شہید کا مقام و مرتبہ اور اجر و ثواب حاصل نہ کرسکیں گے، کیوں کہ اللہ کے یہاں اعمال کے اجر و ثواب کا دار و مدار نیتوں پر ہے (اسی طرح چوری و بدامنی کی وجہ سے مارے جانے والے یا لسانی یا علاقائی جنگوں میں نیز سیاسی اغراض کی خاطر جان دینے والے لوگ بھی شہید نہیں، شہید ایک خالص دینی اصطلاح ہے جسے سوچ سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے۔

حادثہ کی موت

سوال اگر کسی انسان کی موت کسی حادثہ میں ہو جائے تو کیا یہ بھی قسمت میں لکھا ہوتا ہے؟ (اسلم پاشا، ابہا)

جواب جی ہاں! یہ بھی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے، موت کا اچانک آنا ہمارے علم کے اعتبار سے ہے، اللہ کے علم میں ہر شخص کی موت کا وقت ہے اور اسی وقت موت آتی ہے اور تقدیر دراصل ''علم الٰہی'' ہی کا نام ہے۔

جائز ایصالِ ثواب

سوال کچھ عرصہ پہلے میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، میں ان کے ایصالِ ثواب کے لئے کیا کام کرسکتا ہوں؟ نیز ہمارے ایک بزرگ نے نصیحت کی

(۱) ترمذی ۲۹۳-۹۴/۱ عن عمرؓ، باب ماجاء فی فضل الشہداء عند اللہ، ابواب فضائل الجہاد

تھی کہ روزانہ مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت نفل پڑھوں اور دُعائیں کروں، چاروں قل کی سورتیں اور سورہ فاتحہ پڑھ کر والد صاحب کو بخش دوں، کیا میرا یہ عمل صحیح ہے؟ (غلام حسین، ریاض)

جواب والدین یا دوسرے مرنے والے لوگوں کے لئے ایصالِ ثواب کا بہترین طریقہ دُعائے مغفرت ہے، اس کے علاوہ ایصالِ ثواب کے دوسرے جائز طریقے بھی اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً مساجد و مدارس کی تعمیر، غریب، نادار، بیواؤں اور فقیروں کی مدد، یا کہیں پانی کا انتظام کر دینا وغیرہ، آپ کو یہ جو دو رکعت نماز بعدِ مغرب پڑھنے کے لئے کہا گیا ہے، یہ عمل مناسب نہیں، اس کے بجائے آپ ہر نماز کے بعد اپنے والدِ مرحوم کے لئے مغفرت کی دُعا کرتے رہیں اور وقتاً فوقتاً ان کے لئے جائز ایصالِ ثواب کرتے رہیں۔

دعوت و تبلیغ اور مطالعہ کے لیے مستند کتب

کتاب		مصنف
حیاۃ الصحابہ	۳ جلد اردو ترجمہ	مولانا محمد یوسف کاندھلوی مولانا محمد احسان صاحب
حیاۃ الصحابہ	۳ جلد انگریزی	
فضائل اعمال	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل اعمال	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات مع فضائل حج	اردو	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل صدقات	انگریزی	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل نماز		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل قرآن		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل رمضان		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل حج		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل تبلیغ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
فضائل ذکر		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
حکایات صحابہ		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
شمائل ترمذی		شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
منتخب احادیث	اردو	مولانا محمد یوسف کاندھلوی مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ
منتخب احادیث	انگریزی	مولانا محمد یوسف کاندھلوی مترجم مولانا محمد سعد مدظلہ

ناشر: دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱ پاکستان، فون و فیکس (۰۲۱) ۲۲۱۳۷۶۸
دیگر اداروں کی کتب دستیاب ہیں، بیرون ملک بھیجنے کا انتظام ہے، فہرست کتب مفت طلب فرمائیں